www.ahlehaq.org

اِمدادُ الاحکام

امداد الفتاوٰی کا تکملہ جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاوٰی پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبۂ دار العلوم کراچی

امداد الاحکام

امداد الفتاویٰ کا تکملہ

جو ۱۳۴۰ھ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبد الکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ

زیر نگرانی

حکیم الامت مجدد الملّت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

ناشر

مکتبہ دار العلوم کراچی

پوسٹ کوڈ : ۷۵۱۸۰

www.ahlehaq.org

طبع جدید.....محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
جنوری 2009ء

باہتمام.....محمد قاسم گلگتی

www.ahlehaq.org

ملنے کے پتے

- مکتبہ دارالعلوم کراچی
احاطۂ جامعہ دارالعلوم کراچی
فون نمبر
021-5042280
021-5049455
ای میل
mdukhi@cyber.net.pk

- مکتبہ معارف القرآن، احاطۂ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارۃ المعارف، احاطۂ جامعہ دارالعلوم کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- ادارہ اسلامیات، اُردو بازار کراچی
- بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- بیت الکتب، بالمقابل اشرف المدارس مشن اقبال کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

بسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

پیش لفظ

''امداد الاحکام'' ان فتاویٰ کا نادر روزگار مجموعہ ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی رہنمائی میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون سے جاری ہوئے۔ ان میں اکثر فتاویٰ تو حضرت شیخ الاسلام علاّمہ ظفر احمد عثمانی قدس سرّہ نے تحریر فرمائے ہیں اور کچھ حضرت مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر فرمودہ ہیں۔

اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کا تعارف ''امداد الاحکام جلد اوّل'' کے مقدمہ میں استاد محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے کروایا ہے۔ اس تعارف کیلئے مقدمہ جلد اوّل کی مراجعت کرنا مناسب ہے۔

جلد اوّل اور جلد دوم کے طبع ہو کر منظر عام پر آنے کے بعد اس علمی و تحقیقی مجموعے کے تعارف کی اب چنداں حاجت نہیں، جلد اوّل و دوم کی طباعت کے بعد ہر شخص اسکی بقیہ جلدوں کی اشاعت کیلئے بے قرار تھا، مگر بوجوہ تاحال اس عظیم سرمایہ کے بقیہ ابواب پر کام میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔

واضح رہے کہ جلد اوّل و دوم ''باب النّفقات'' تک کے ابواب پر مشتمل ہیں اور اسکے بقیہ ابواب یعنی ''کتاب الأیمان والنذور'' سے کتاب الفرائض تک کے جمیع ابواب تشنۂ تکمیل تھے۔ اگرچہ ان ابواب پر بھی کام جاری تھا، لیکن ذمہ داری کے ساتھ اس پر کام کرنے کا موقع کسی کو نہ ملا جسکے باعث بقیہ کام غیر معمولی تاخیر کا شکار ہوا۔

دراصل یہ کام پہلی دو جلدوں کی حد تک براہ راست استاد محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدّ ظلّہ نے بحسن و خوبی انجام دیا ہے، مگر ہجومِ مشاغل کے باعث بقیہ کام استادِ محترم حضرت مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مد ظلّہم کے سپرد تھا۔ حضرت استاد محترم مد ظلّہم نے اپنی زیر نگرانی اس پر کافی حد تک کام کروالیا تھا، مگر تدریس، افتاء و تصنیف و تالیف کی مشغولیات کے باعث گزشتہ سال بندہ کو اس کام کی تکمیل کیلئے اپنے ساتھ ملالیا اور شفقت

فرماتے ہوئے قدم قدم پر اس کام کی تکمیل میں بندہ کی رہنمائی فرمائی اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم اس قابل ہوئے کہ بقیہ ابواب کی فہرست وترتیب جلد سوم وجلد چہارم کی شکل میں تیار کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور اس مجموعہ کو زیادہ نافع اور مفید بنائے (آمین)۔

جلد سوم "کتاب الأیمان والنذور" سے "کتاب الضمان" اور جلد چہارم "کتاب الھبہ" سے "کتاب الفرائض" تک کے ابواب پر مشتمل ہے۔ جسکی اجمالی اور تفصیلی فہرستیں شامل اشاعت ہیں۔ جلدِ سوم و چہارم پر کام کے دوران عبارات کی تصحیح عنوانات کی معنون کے ساتھ مطابقت کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ جہاں جہاں عربی عبارات کی تصحیح کیلئے اصل کتاب کی مراجعت کی ضرورت پڑی تو مراجعت کے بعد مروّجہ نسخہ کا حوالہ بقیدِ صفحات و جلد نمبر حاشیہ میں لگادیا گیا ہے۔ عربی عبارات کی تصحیح، اسی طرح سوال وجواب کی اردو عبارات کی بھی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم کتابت کی غلطیاں رہ جانے کا امکان پھر بھی رہ جاتا ہے۔ لہٰذا استفادہ کرنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غیر معمولی غلطی طباعت کی یا کتابت کی پائیں تو اس کی اطلاع فرمادیں تاکہ آئندہ طباعت میں اسکی تصحیح کردی جائے۔

آخر میں اپنے تمام مشفق اساتذہ کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور دل سے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر عافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے جنہوں نے اپنی انتھک محنت سے ہمیں اس قابل بنایا کہ دین کی ادنیٰ خدمت کی توفیق نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق نصیب فرمائے اور شہرت طلبی اور جاہ پسندی سے کوسوں دور رکھے (آمین)۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بندہ محمد افتخار بیگ عفا اللہ عنہ

رفیق دار الافتاء، دار العلوم کراچی۔ ۱۴

فہرست امداد الاحکام جلد سوم

	صفحہ
پیش لفظ	۳
فہرست مضامین	۵-۲۵

کتاب الأیمان والنذور

نذر میں قواعدِ قربانی کے موافق جانور دینا لازم ہے، جبکہ نذر کسی خاص جانور کی نہ ہو	۲۷
جب تک حج نہ ادا کروں بیٹے کی شادی نہیں کراؤں گی، پھر حج ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں نکاح کا کیا کرے؟	۲۸
مسجد کیلئے نذر کا حکم	۲۹
ایصالِ ثواب کی نذر کرنا	۳۰
نذر اور گھر کا طعام خلط کرنا	۳۱
نذر میں نقد کے بجائے جنس دینا جائز ہے	۳۲
"اگر میں اچھی ہو جاؤں تو ایک روپیہ کی شیرینی لڑکوں کو بانٹ دوں" کے الفاظ سے نذر منعقد نہیں ہوتی	۳۲
قرآن مجید پر حلف اٹھانا	۳۳
ایک شخص نے ان الفاظ سے نذر مانی کہ "فلاں کام ہو جائے تو چار مسکینوں کو کھانا کھلادوں" تو چار مساکین کے بجائے ایک مسکین کو چار وقت کا کھانا کھلا سکتا ہے یا نہیں؟	۳۴
تحریم الحلال یمین	۳۴
یہ نیت کی کہ "اس بکری کو اللہ کے واسطے دوں گا" تو اسکو خود رکھ کر قیمت دینا کیسا ہے؟	۳۵
تفصیل الکلام فی الحلفِ بکلام اللہ الملک العلام یعنی قرآن کی قسم کا حکم اور اس کی تفصیل	۳۷
تفصیل الکلام فی الحلفِ بکلام اللہ الملک العلام	۳۸
الفاظ قسم کے بغیر محض قرآن مجید سر پر رکھنا قسم نہیں	۴۰
نذر کی ایک خاص صورت کا حکم	۴۰

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
نذر غیر معیّن میں بجائے جانور کے اس کی قیمت ادا کرنے سے نذر ادا ہو گی یا نہیں ؟	۴۲
متعدد مساجد میں تراویح پڑھانے کی نذر کا حکم	۴۲
ایضاً، ایضاً، ایضاً	۴۳
نذر کی ایک خاص صورت کا حکم	۴۴
”فلاں کام کروں تو جنت حرام“ کہنے سے یمین نہیں ہوتی	۴۵
میرے لڑکے کو خدا نے صحت دی تو ہم اور یہ لڑکا اور آپ تینوں حج کو چلیں گے الخ کہنے سے نذر نہیں ہوتی	۴۶
کتاب اللقطة و اللقیط	
کیا تعریف کے بعد تصدق لقطہ تملیکاً ضروری ہے یا بدون تملیک بھی جائز ہے ؟	۴۷
کتاب الوقف	
مال وقف سے ملازم کا اس کی اجرت سے زیادہ دینا	۴۹
متولی کا مال وقف سے بخشش دینے کا حکم	۵۰
وقف علی الاولاد کی ایک صورت	۵۱
اپنی کل جائیداد وقف کر دینے کا حکم اور مرض وفات میں وقف کرنے کا حکم	۵۴
اگر حالت مرض میں ثلث سے زیادہ وقف کر دیا اور بعد میں تندرست ہو گیا تو وقف صحیح ہے	۵۶
موروثی زمین وقف کرنے کا حکم	۵۷
مقروض شخص کے وقف کا حکم	۵۸
اس وقف قدیم کا حکم جس کے وقف ہونے کا ثبوت موجود نہ ہو	۵۹
کسی شخص اور اس کی اولاد پر کچھ زمین نسلاً بعد نسل امامت کے واسطے وقف کرنے کا حکم	۶۰
مرض الموت میں وقف کرنے کا حکم	۶۲
وقف علی الاولاد میں لڑکوں اور لڑکیوں کی برابری ، بعض وارثوں کو مالداری یا کسی وجہ سے محروم یا حصہ کم رکھنے کا حکم	۶۳

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
عید گاہ کے تالاب سے مچھلی پکڑنے کا حکم	۶۵
قمار یا سٹہ کا کام کرنے والے کو اوقاف یا مسجد وغیرہ کا متولی بنانا	۶۵
ایسی زمین کا حکم جس کی آمدنی ہمیشہ سے مسجد پر صرف ہوتی رہی ہو مگر وقف اور واقف کا علم نہ ہو	۶۷
وقف کی ایک صورت کا حکم	۷۰
مفاد عامہ کے لئے وقف یا مسجد کے نیچے سے گندا نالہ نکالنا جائز نہیں	۷۰
وقف جائیداد مرہونہ	۷۲
حکم رجوع واقف از شروط وقف نامہ تفویض برائے متولی در مخالفت شروط	۷۵
الوقف على مرمة المسجد و رباط وتسريج المزارات و فاتحه المشائخ و هدايا القوالين و امثالها، هل يصح الوقف ام لا؟	۷۷
وقف کی ایک صورت کا حکم	۷۸
واقف کو شروط وقف میں تغیر و تبدل کا اختیار نہیں	۸۵
بیع اراضی وقف و حکم تولیت	۸۷
حکم وقف ثلث ترکہ بر مسجد بدونِ اذن وارث	۸۸
مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سے نمازیوں کیلئے پانی گرم کرنا	۹۱
دو منزلہ مکان دو شخصوں پر اس طرح وقف ہو کہ ایک منزل ایک پر اور دوسری دوسرے پر تو پہلی منزل کی چھت کی مرمت کس کے ذمہ ہوگی؟	۹۱
وقف زمین موہوبہ للغیر جبکہ واہب رجوع فی الھبہ کا دعوی کرے اور اس وقف کی آمدنی سے مصارف مقدمہ لینے کا حکم	۹۲
ایسے مسافر خانہ کا حکم جس کا مالک معلوم نہ ہو	۹۴
وقف علی الاولاد اور تعلیق و تولیت علی شرط	۹۴
متولی اگر بدونِ وصیت مر جائے تو متولی مقرر کرنے کا حق کس کو ہے؟	۹۵
ایسے وقف کا حکم جو بدون صیغہ تابید و جہت غیر منقطعہ شخص معین پر کیا گیا ہو	۹۸
وقف علی الفقراء سے اولاد واقف پر جبکہ وہ محتاج ہوں صرف کرنا کیسا ہے؟	۹۹
قرض سے بچنے کیلئے وقف کرنے کا حکم	۱۰۱
وقف کتب خانہ سے مدرسین یا طلبہ کو مستعار کتابیں دینا جائز ہے یا نہیں؟	۱۰۲

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
وقف کی ایک خاص صورت کا حکم	۱۰۴
کمپنی کے حصص کا وقف جائز ہے	۱۰۷
استفتاء نمبر ۱۴۳۵ کے جواب پر چند شبہات اور ان کا تفصیلی جواب	۱۰۷
تتمۂ مسئلہ وقف مذکورہ	۱۱۳
ارض موقوفہ یا مملوکہ کی مٹی بلا اجازت استعمال کرنے کا حکم	۱۲۱
اگر واقف متولی کے عزل یا سلسلہ تولیت میں تغیر و تبدل کے اختیار کو باطل کردے تو کیا اس کا یہ اختیار باطل ہو جائے گا یا اس شرط کے بعد بھی اس کو یہ اختیار حاصل رہے گا؟	۱۲۲
وقف مشروط کی ایک صورت کا حکم	۱۲۳
واقف کی ماں اگر حاجت مند ہو تو آمدنی وقف علی الفقراء میں وہ دوسرے حاجت مندوں سے مقدم ہے	۱۲۹
مسلم میت کے ایصالِ ثواب کیلئے ہندوؤں کے وقف کی ایک صورت کا حکم	۱۲۹
وقف علی الاولاد کی ایک صورت کا حکم	۱۳۱
وقف زمین کا اجارہ اور اس پر مسجد بنانے کی ایک صورت	۱۳۵
وقف میں کوئی مستحق نکل آئے تو وقف باطل ہو جائے گا یا نہیں؟	۱۳۷
تقسیم جائیداد اور موقوفہ مع شرائط بین المتولین	۱۴۲
ایضاً، ایضاً، ایضاً	۱۴۳
مسئلہ وقف	۱۴۶
علماء، طلباء علوم دینیہ پر وقف کی ہوئی آمدنی کو طلبہ علوم دینویہ پر صرف کرنا	۱۴۸
مسئلہ وقف	۱۵۰
وقف تمام ہونے کے بعد اپنے یا اعزہ کے لئے حصہ مخصوص کرنا	۱۵۳
وقف سے متعلق ایک استفتاء و اسئلہ دیگر	۱۵۴
احکام المساجد و المدارس	
مسجد کی آمدنی سے غسالہ میت کو اجرت دینا جائز نہیں	۱۶۲
ہندو کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم	۱۶۳

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
مسجد کی دکانیں ہندو کو کرائے پر دینا	۱۶۶
مسجد کی دکانوں کی کڑیاں مسجد کی دیواروں پر رکھنا جائز نہیں	۱۶۷
مسجد کی زمین میں کھودے ہوئے کنویں کو بند کر کے دوسرے کنویں کی تعمیر کا حکم	۱۶۸
مسجد کے قدیمی دروازے کو ہندو بند نہیں کر سکتا	۱۶۹
ویران مسجد کی جگہ کو مدرسے میں شامل کرنا جائز نہیں	۱۷۰
ویران مسجد کی اشیاء استعمال کرنا جائز نہیں	۱۷۱
مسجد کی چیزیں مسجد سے باہر لے جا کر استعمال کرنا حرام ہے	۱۷۲
مسجد کے چراغ کیلئے دی جانے والی رقم دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کی جا سکتی	۱۷۳
منہدم مسجد کے اسباب کا حکم	۱۷۳
اس مسجد کی زمین کے تبادلے کا حکم جس کی عمارت دریا کی طغیانی کی وجہ سے باقی نہ رہتی ہو	۱۷۵
کسی شخص نے اپنے گھر کے دروازے پر مسجد بنائی اب اس کو توڑ کر دوسری جگہ مسجد بنانا چاہتا ہے	۱۷۵
ضرورت کے وقت وقف مسجد کی بیع	۱۷۷
مسجد کی رقم کسی کو قرض دینے کا حکم	۱۷۸
مسجد کا خرچہ چلانے کے واسطے صحن مسجد میں دکانیں بنانے کا حکم	۱۷۹
مسجد میں لالٹین جلانا اور غیر مسافر و معتکف کا سونا جائز نہیں	۱۸۰
ارض مملوکہ موقوفہ علی المسجد میں اگر کھدائی کے وقت قبریں نکل آئیں تو اس زمین پر مسجد بنانے کا حکم	۱۸۲
فناء مسجد میں نماز کیلئے مسجد کا بوریا نکالنا	۱۸۶
مسافر کے واسطے مسجد میں اقامت جائز ہے	۱۸۷
مسجد کے گھڑوں، مٹکوں اور حوض کا پانی کسی کو گھر لے جانا جائز نہیں	۱۸۷
شادی کی خلافِ شرع رسموں سے لوگوں کو روکنا اور اس رقم کو مسجد میں دینے کی ترغیب کا حکم	۱۸۷
جو رقم مدرسے میں دی گئی ہو مدرسہ بند ہونے کے بعد اس کو کہاں صرف کیا جائے (المقلب بنقل الصدقات الی غیر الجہات)	۱۸۹
مسجد قیامت تک مسجد رہتی ہے	۱۹۳
صحت وقف مسجد کیلئے تسلیم الی المتولی ضروری ہے یا نہیں؟	۱۹۳

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
منبر نبوی ﷺ کے کتنے درجے تھے؟	۱۹۴
مسجد میں کفش بردار کا تقرر اور اس کا ترک جماعت کرنا	۱۹۶
مسجد کے حجرے میں اہل و عیال رکھنا جائز ہے	۱۹۸
نقل مسجد کی ایک صورت	۱۹۹
امام ومؤذن کا تقرر بانی مسجد کا حق ہے یا اہل محلہ کا؟	۲۰۰
کرائے کی زمین پر مسجد بنانے کا حکم	۲۰۱
ان قدیم ریاستی چھاؤنیوں کا حکم جن کے وقف محفوظ نہ رہے ہوں	۲۰۲
مسجد کے حجروں کا مسجد سے الحاق اور بیع از موقوفہ علی المسجد برائے تعمیر	۲۰۸
الحارس عن بعض مضائق المدارس (دراہم کے وقف پر مفصل جواب)	۲۱۲
حکم انقاض مسجد اور ایک مسجد کا مال دوسری پر صرف کرنا	۲۲۲
مسجد کے درختوں کے بیچنے کا حکم	۲۲۴
مسجد کا مال دوسرے وقف کیلئے بطور قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟	۲۲۶
نقل مسجد کی ایک صورت	۲۲۹
مسجد کب شرعی مسجد کہلائے گی؟	۲۲۹
مسجد کا شامیانہ اگر متولی اس مسجد میں استعمال نہ کرے تو دوسری مسجد میں دینا درست ہے یا نہیں؟	۲۳۱
مسجد کے نیچے دکانیں بنانا اور ان میں دنیاوی کام کرنا	۲۳۲
آکل الربو اگر تائب ہو کر مسجد میں یہ کہہ کر رقم دے کہ یہ رقم حلال ہے تو اس کو مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟	۲۳۳
انقاض مسجد اور اس کے بیچنے کا حکم	۲۳۴
مسجد کی زمین پر کوئی دوسری تعمیر جائز نہیں	۲۳۵
مسکونہ مکان کی چھت پر مسجد بنائی گئی تو اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟	۲۳۸
مسجد کا ملبہ ذاتی مصرف میں لانا جائز نہیں	۲۳۹
حکم حفر البئر فی فناء المسجد المتعلق به و فیه قبور معلومة و ظهرت عظام الاموات بعد الحفر ایضاً	۲۴۰
مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم	۲۴۳

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
مسجد کے لئے کافر کا زمین ہبہ کرنا	۲۴۵
مصالح مسجد کے لئے مسجد کی زمین پر دکانیں بنانے کا حکم	۲۴۸
ایسے مدارس اسلامیہ کی اعانت کا حکم جن میں تصویر سازی وغیرہ کی تعلیم داخل نصاب ہو	۲۴۹
تالاب کے قریب ہونے کی وجہ سے اگر مسجد منہدم ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو منتقل کرنے کا حکم	۲۵۱
مسجد و مدرسہ میں مشترکہ دیوار بنانا مسجدیت کے منافی اور ناجائز ہے	۲۵۲
ساج مغصوب سے بنائی ہوئی سقف مسجد کا حکم اور اس کے ضمان کا طریقہ	۲۵۳
عیدگاہ کی زمین پر کاشت کرنا جائز نہیں	۳۵۵
بانی یا اس کے لڑکے کو مسجد کی دیوار پر اس کے نام کا کتبہ لگانا شرعاً جائز ہے	۳۵۷
مسجد میں ایسی زیادتی جس سے توسط محراب ختم ہو جاتا ہو۔ محراب نبوی اور مقام ابراہیم پر امام کے کھڑے ہونے سے اس کے جواز پر استدلال کا جواب	۳۵۹
چند مدارس کے متعلق ایک استفتاء	۲۶۰
مدارس عربیہ کیلئے قواعد و ضوابط مرتب کرنا اور مدرسین مدرسہ سے ان کی پابندی کرانا کیسا ہے؟	۲۶۴
مسجد میں کوئی چیز دیدی گئی تو دوسری مسجد میں اس کا منتقل کرنا جائز نہیں	۲۶۷
امام و مؤذن مقرر کرنے کا حق اہل محلہ کو حاصل ہوتا ہے یا بانی مسجد کو؟	۲۶۸
مسجد کے نیچے دکانیں بنانا	۲۶۹
اس مسجد و عیدگاہ کا حکم جو ضد اور نفسانیت کی وجہ سے بنائی گئی ہو	۲۷۰
مسجد کے متصل زمین جو وقف علی المسجد ہو پر کرایہ کے لئے دوکانیں بنانا اور فناء مسجد کی تعریف	۲۷۴
مسجد کیلئے یہ شرط ہے کہ اوپر نیچے سب زمین مسجد کے لئے وقف ہو	۲۷۴
نقل مسجد کی ایک صورت کا حکم	۲۷۶
حکم انتقاض دوکانہائے مسجد	۲۷۸
ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا	۲۷۸
مسجد کے کسی حصہ و دوکان بنانا جائز نہیں ہے	۲۷۹

احکام المقابر

ایسے قبرستان کو فروخت کرنا جس میں پیسے لیکر مردے دفن کئے گئے ہوں	۲۸۲
قبر پر سے خودرو گھاس یا درخت کا کاٹنا اور پھل دار درخت کا پھل کھانے اور قبر ختم کرکے زراعت کا حکم	۲۸۳
قبرستان کی زمین پر مدرسہ بنانا درست ہے یا نہیں؟	۲۸۴
چالیس پچاس سال پرانی قبر کو کھود کر حوض بنانے کا حکم	۲۸۶
پرانی قبر کو مسجد میں داخل کرنا	۲۸۶
پرانے قبرستان میں مزید ایک دو ہاتھ مٹی ڈال کر اس میں مردے دفنانا درست ہے یا نہیں؟	۲۸۷
قبرستان کو عیدگاہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟	۲۸۸
قبرستان میں جوتے پہن کر چلنے کا حکم	۲۸۹

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
پرانی قبروں کا حکم	۲۹۰
قبرستان میں درخت لگانا اور اس کی آمدنی قبرستان میں صرف کرنا	۲۹۱
سرکاری قبرستان میں اپنے لئے زندگی میں قبر کھودنا	۲۹۳
جس جگہ قبرستان ہونے کا شبہ ہو اس کے استعمال کا حکم	۲۹۴
قبرستان کی آمدنی کی بعض صورتوں کا حکم	۲۹۵
قبرستان میں کھانا پینا کیسا ہے؟	۲۹۷
قبر پر زراعت کا حکم	۲۹۹
کتاب الشرکۃ و المضاربۃ	
شرکت جائیداد کا ایک مسئلہ جبکہ شرکاء نے عدم تقسیم کا معاہدہ کر رکھا ہو	۳۰۰
کسی ایک شریک سے بدونِ اجازت دوسرے شرکاء کے معاملہ مزارعت اور مزارع کیلئے اس کی آمدنی کا حکم	۳۰۱
مضاربت میں نقصان کا حکم	۳۰۴
مشترکہ زمین میں ایک شریک نے درخت لگا دیئے تو کیا باقی شریکوں کا ثمر میں حق ہوگا یا نہیں؟	۳۰۵
شرکت عنان میں کسی ایک کو وکیل بالعمل بنانا، تقسیم منافع وخسارہ میں شرکاء کا اختلاف اور عامل سے ضمان لینے کا حکم	۳۰۶
الدّر النظیم فی احکام الشرکۃ و التصرف فی مال الیتیم	۳۱۲
جس زیور میں کچھ رقم بالغ بیٹی کی اور کچھ باپ کی ہو اسے ماں پہن سکتی ہے؟	۳۱۶
عقد مضاربت وشرکت دونوں اکٹھے ہونے کا حکم	۳۱۷
شرکت عنان کی ایک صورت، معاوضہ حقوق گڈوِل وما رکہ کے متعلق چند سوالات	۳۱۸
شرکت اور اجارہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے	۳۳۰
حکم شرکت والد واولاد در کسب	۳۳۱
طباعت کتب میں شرکت اور بغیر اجازتِ شریک دوسرے شخص کو شریک معاملہ کرنے کا حکم	۳۳۳
باپ بیٹے نے اپنی کمائی گھر میں مشترکہ صرف کی، اس کا حکم	۳۳۴
ایک وارث کے مشترکہ ترکہ میں تجارت کرنے کی ایک صورت کا حکم	۳۳۵
مقدمہ میں شرکت کی مشترکہ رقم صرف کرنے کا حکم	۳۳۶
بالغ ونابالغ ورثاء کی مشترکہ جائیداد میں تصرّف کا حکم	۳۳۷
مضارب بغیر کوئی وصیت کئے فوت ہو جائے تو مال کی حفاظت اور ضمان کا حکم	۳۳۸
مضاربت میں کل نقصان رب المال کے ذمہ ہوگا، مضارب کے ذمہ کچھ نہیں	۳۳۹

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
شریک کو بوجہ زیادت عمل کے منافع کے علاوہ تنخواہ دینے کا حکم	۳۳۹
شرکت ختم کرنے پر ایک شریک کو نقد لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا	۳۴۰
بیٹے کا مجنون والد کی دکان میں تجارت کرنا نیز مجنون کے مال میں تصرف کا حکم	۳۴۲
محض زبانی شرکت کے بعد اگر مشترکہ مال ہلاک ہو جائے تو شریک پر کوئی ضمان نہیں آئے گا	۳۴۴
شرکت سے علیحدگی کے وقت شریک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنانے کی ایک صورت	۳۴۶
شیر دار گائے میں شرکت کی ایک صورت	۳۴۶
مشترکہ زمین کو دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر زراعت پر دینے کا حکم	۳۴۷
شرکت عنان میں عامل کیلئے اس کے حصہ سے زیادہ نقصان کی شرط لگانے کا حکم	۳۴۹
غیر منقسم ترکہ میں تصرف کا حکم	۳۵۳
شرکت میں نقصان ہر شریک کے رأس المال کے مواقف ہوگا	۳۵۵
شرکت میں عامل کیلئے زائد نفع کی شرط درست ہے	۳۵۶
چند آدمیوں کا شریک ہو کر مشترکہ رقم مضاربت کیلئے دینا	۳۵۷
معاملہ مضاربت اور قرض کی ایک ممنوع صورت	۳۵۷
بدونِ تقسیم قاضی ورضامندی شرکاء اپنا حصہ تصرف کیلئے متعین کرنا	۳۵۸
شرکت میں متوفی شریک پر الزام خیانت کی ایک صورت کا حکم	۳۵۹
باپ کے کئی بیٹوں نے ملازمت کر کے جائیداد خریدی تو اس جائیداد کے مالک کون کون ہونگے	۳۶۵
مشترکہ جائیداد کی تقسیم کی ایک صورت کا حکم	۳۶۶
بھائیوں کی مشترکہ کمائی سے منتظم بھائی نے مشترکہ جائیداد خریدی تو کیا سب میں برابر تقسیم ہوگی؟	۳۶۶
فصل فی المسائل الجدیدۃ المتعلقۃ بالشرکۃ و المضاربۃ	۳۶۸
ایسی کمپنی میں شرکت کا حکم جس کے قواعد وضوابط خلافِ شرع ہوں	۳۶۸
کتاب البیوع (المتفرقات)	
خون کو جلا کر راکھ کر دینے کے بعد اس کی تجارت کا حکم	۳۷۰
سرکاری مویشی خانہ سے نیلام شدہ جانور خریدنے کا حکم	۳۷۱

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
خریدا ہوا بیل اگر قیمت ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو قیمت کی ادائیگی لازم ہے	۳۷۲
ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت میں زیادتی کرنا	۳۷۲
شئ مشتبہ خریدنے کا حکم	۳۷۴
مشتری کی عدم موجودگی میں مبیع تولنے کا حکم	۳۷۴
بازار سے پھلوں کی خریداری کا حکم جہاں اکثر بیع فاسد ہوتی ہے	۳۷۵
کپڑے کی خرید و فروخت کا حکم	۳۷۵
مختلف اشیاء مثلاً تصویر، تاش گنجفہ، کوٹ پتلون کی بیع کا حکم	۳۷۶
ثمنِ خرید بیان کرنا اس وقت ضروری ہے جبکہ بیع مرابحہ و تولیہ کرے	۳۷۸
غلط کتابوں کی تجارت کا حکم	۳۷۹
مملوکہ زمین میں جمع ہونے والی مچھلیوں کی بیع کا حکم	۳۸۰
کانجی ہاؤس میں جو جانور وغیرہ فروخت ہوتے ہیں ان کا حکم	۳۸۲
بیعانہ کی رقم ضبط کر لینا ظلم اور غصب ہے	۳۸۲
آڑھت کے معاملے کا حکم	۳۸۳
غلّہ نقد و ادھار متفرق نرخ سے بیچنا درست ہے	۳۸۴
قرض کی رقم سے کوئی چیز خریدی تو مشتری مالک ہو گیا یا قرض دہندہ؟	۳۸۵
آڑھت کی ایک صورت کا حکم	۳۸۶
والد کی زندگی میں بیٹے کا اپنے نام جائیداد خریدنا	۳۸۷
گندم کی تجارت کے مختلف مسائل	۳۸۸
ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی ایک صورت	۳۸۹
بغرض تجارت سیاہ خضاب بنانا اور فروخت کرنا جائز ہے	۳۹۰
خنزیر کے علاوہ دوسرے محرم حیوانات کی بیع کا حکم	۳۹۰
حکم زر بیعانہ	۳۹۱
خریداری کو دوسرے کی طرف منتقل کرنے پر منافع لینے کا حکم	۳۹۳
واپسی کی شرط اگر عقد بیع میں نہیں لگائی تو مشتری کے ذمہ بیع کا ثمنِ اوّل پر واپس بائع کے ہاتھ فروخت کرنا لازم نہیں؟	۳۹۴

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
صورتِ جواز خرید نیلام	۳۹۵
ٹھیکے کے تحت آنتوں کی بیع اور مال کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بیچنے کے معاہدے کا معاوضہ لینا	۳۹۷
آلات لہولہب اور تصویروں کی تجارت کا حکم	۳۹۷
صورت لزوم بیع بطریق نیلام	۳۹۸
خریدار کو ایک خاص معاہدے کے تحت کمیشن دینے کا حکم	۳۹۹
مشترکہ باغ کا گورنمنٹ کے استیلاء سے ایک شریک مالک ٹھہرا، ایسے باغ کو خرید لینا کیسا ہے؟	۴۰۱
ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت میں زیادتی کا حکم	۴۰۳
خود کو مورث کا تنہا وارث بتا کر جاگیر پر قبضہ کرنا اور اسکی بیع کا حکم	۴۰۳
افیون کی بیع جائز ہے	۴۰۵
بیع الحیوان بالحیوان کی ایک صورت	۴۰۶
ہڈیوں کی تجارت کا حکم	۴۰۷
حکم تجارتِ افیون	۴۰۹
بیع تام ہونے کیلئے قبضہ شرط نہیں	۴۰۹
بیع موقوف کی ایک صورت	۴۱۰
ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا۔ قائلین عدم جواز کا جواب	۴۱۱
مسلم قاضی کا مدیون کے مال کا نیلام کرنا اور اس مال کے خریدنے کا حکم	۴۱۴
باپ نابالغ بیٹے کی کوئی چیز خود بھی خرید سکتا ہے؟	۴۱۶
فصل فی خیار الرؤیة و خیار الشرط و خیار العیب	
خیار عیب اور اس پر صلح کی ایک صورت	۴۱۶
کپڑے میں اگر کوئی عیب ہو تو خریدنے والے کو اس عیب کا بتلانا ضروری ہے یا نہیں؟	۴۱۷
رضاء بالعیب اور بائع کے خطِ ثمن کی ایک صورت	۴۱۸

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
فصل فی البیع الفاسد والباطل	
ذبح سے قبل بکری کی کھال یا گوشت فروخت کرنا بیع فاسد ہے	۴۱۹
جس بکری کی بیع بطریقِ فاسد ہوئی ہو اس کا گوشت خریدنے کا حکم	۴۱۹
حربی سے اس کی اولاد خریدنے کا حکم	۴۲۱
غیر ملکی کارخانوں سے مال منگوانے اور قبل الوصول بیع کرنے کا حکم نیز دوسرے کے مال کا مارکہ استعمال کرنا اور اس پر جرمانہ لینا	۴۲۲
بیع بشرط الاقالۃ سے بیع کا فاسد ہونا اور بیع فاسد کا حکم	۴۲۷
نابالغ کی جائیداد کو فروخت کرنے کا حکم	۴۲۷
اپنی زمین کے اندر پانی میں مچھلی کی بیع کا حکم	۴۳۰
کھال کی بیع گوشت سے علیحدہ کرنے سے پہلے جائز نہیں	۴۳۱
وقف کی بیع باطل ہے	۴۳۲
قبرستان کی زمین کی بیع کا حکم	۴۳۲
باغ کی خودرو گھاس کا حکم	۴۳۵
فصل فی البیع الأراضی والبساتین والزروع والثمار	
باغ کا پھل بطور ٹھیکہ کے کئی سال کے واسطے بیع کرنا	۴۳۵
ردّ حیلہ جواز بیع ثمار قبل از ظہور	۴۳۶
حکم بیع الارض المملوکۃ مع ارض المشترکۃ	۴۳۷
پھلوں کی خرید و فروخت کی ایک صورت	۴۳۷
فصل فی بیع السلّم	
بیع سلم کی ایک صورت کا حکم	۴۳۸
بیع السلم بالفلوس جائز ہے یا نہیں؟	۴۳۹
بیع سلم کی ایک خاص صورت کا حکم	۴۴۰

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
فصل فی بیع الوفاء	
بیع بالوفاء کی تعریف اور اس کا حکم	۴۴۱
بیع بالوفاء کی مروّجہ صورت کا حکم	۴۴۳
بیع بالوفاء کی ایک صورت کا حکم	۴۴۴
بیع بالوفاء کا حکم	۴۴۶
باب الحقوق	
حق مرور حاصل ہونے کی ایک صورت	۴۴۹
کوچۂ غیر نافذہ میں ایسا دروازہ کھولنے کا حکم جو عرصہ دراز سے بند ہو	۴۵۰
کمپنی کو لمیٹڈ کرنا اور حقوق گڈوِل کی قیمت لگانا	۴۵۲
دوسرے کے مال کا مارکہ استعمال کرنا اور اس پر جرمانہ وصول کرنے کا حکم	۴۵۴
جس کوچہ میں مستورات کی آمد و رفت ہو اس طرف والے دروازے سے مردوں کو گزرنے کا حق ہے یا نہیں؟	۴۵۷
مسائل جدیدہ متعلقہ بیوع	
باہر کے کارخانوں کے ساتھ بیع بثمن مؤجل اور سلم کی ایک صورت	۴۵۸
وقت بیع جو سکہ ثمن ٹھہرایا جائے اس کی ادائیگی ضروری ہے، اس کے بدلے دوسرا سکہ ادا کرنے کی ایک صورت	۴۵۹
خریداری حصص کے مختلف احکام	۴۶۰
کتاب الربوا و القمار	
دارالحرب میں کفار سے سود لینے کا جواز	۴۶۸
دارالحرب میں بنک سے سود لینے کا حکم	۴۶۸
سودی حساب کی کتابت کا حکم	۴۶۹
سود سے حاصل شدہ مال کا حکم	۴۷۰

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
بحالت مجبوری سود دینے کا حکم جبکہ بغیر سود کے کام نہ چل سکے	۴۷۳
بصورت مجبوری سود دینے کا حکم اور اس کا طریقہ جواز	۴۷۴
دری فروشوں کے ایک مخصوص معاہدے کا حکم	۴۷۴
مشتری کو بائع سے کٹوتی اور دلالی لینے کی ایک صورت کا حکم	۴۷۵
حکم نالش مع سود برائے استیفائے اخراجات ضروریہ مقدمہ	۴۷۷
عدم وجوب سود بوعداں	۴۷۸
تبادلہ سکہ حالی بہ سکہ کلدار	۴۷۹
دار الحرب میں کفار یا بنک سے سود لینے کا حکم	۴۸۰
گھڑ دوڑ میں قمار جائز ہے یا ناجائز؟	۴۸۲
سودی فارم کا لکھنا اور فروخت کرنا کیسا ہے؟	۴۸۳
مسئلہ قمار	۴۸۴
سود لینے، دینے والے اور گواہ وغیرہ کا حکم	۴۸۴
مسائل جدیدہ متعلقہ ربوا و قمار	
پراویڈنٹ فنڈ کا حکم	۴۸۷
مال تجارت اور مکان کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟	۴۹۰
بیمہ کمپنی سے جان یا مال کا بیمہ کرانا کیسا ہے؟	۴۹۲
پراویڈنٹ فنڈ اور اسپر وجوب زکوٰۃ کا حکم	۴۹۶
باب القرض و الدّین	
بشرط تعجیل دائن کا مدیون سے دین میں کمی کرنے کا حکم	۴۹۹
مدیون سے خرچہ مقدمہ لینا جائز ہے؟	۵۰۰
حرام رقم سے قرض ادا کرنے کا حکم	۵۰۱
غیر مسلم قرض دار لاوارث مر جائے تو اس کا قرضہ کیسے ادا کیا جائے؟	۵۰۱
معاملہ قرض کی ایک صورت کا حکم	۵۰۳

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
قرض میں بشرط تعجیل کمی کرنا جائز نہیں	۵۰۳
قرض خواہ کے انتقال کے بعد دو بالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی وارث ہوں تو قرض میں نابالغ کا حصہ کس کے سپرد کیا جائے گا	۵۰۴
اداء قرض کے وقت بلا معاہدہ وبدون مطالبہ قرض خواہ کو کچھ زائد دینا	۵۰۵
قرض کی ایک صورت کا حکم	۵۰۶
معاملہ قرض کی ایک صورت	۵۰۷
دائن کے ہر وارث کو دین میں اس کا حصہ دینا ضروری ہے یا مدیون کا کسی ایک کو دینا بھی درست ہے؟	۵۰۸
کتاب الرّھن	
مرتہن کے لئے مرہون سے نفع اٹھانا جائز نہیں	۵۰۹
کاشتکار کا مالک زمین کے پاس رہن رکھوانا	۵۱۱
باغ مرہون کا حکم جبکہ راہن لاپتہ ہو جائے	۵۱۲
انتفاع بالمرہون جائز نہیں	۵۱۳
متعلق رہن زمین	۵۱۳
حکم انتفاع بالمرہون	۵۱۶
رہن کی ایک خاص صورت کا حکم	۵۱۷
راہن اور مرتہن میں عقد اجارہ شئ مرہون میں موجب فسخ رہن ہے	۵۱۷
بہو کو مہر کے عوض غیر منقسم جائیداد کا ایک حصہ مکفول کر دیا، مگر قبضہ نہیں دیا، پھر یہ حصہ دیگر جائیداد کے ساتھ بیٹے کو ہبہ کر دیا، تو بہو اس مکفولہ جائیداد کو روک سکتی ہے یا نہیں؟	۵۱۸
مسئلہ رہن	۵۲۰
کتاب الإجارہ	
سقہ اور خاکروب کے ساتھ معاملہ کی صورت	۵۲۱
کتاب کی تصنیف کی اجرت جبکہ مسودہ گم ہو جائے	۵۲۲

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
نکاح خوانی کی اجرت کا حکم	۵۲۲
سرکاری مدارس میں ملازمت کا حکم	۵۲۴
بڑھئی کا اپنی اجرت کے علاوہ لکڑی کی چھیلن لینا درست نہیں	۵۲۵
بڑھئی کا اپنی اجرت میں لکڑی لینے کا حکم	۵۲۶
غیر حاضری کے دنوں میں مدرس کی تنخواہ کا حکم	۵۲۷
نکاح خوانی کی اجرت لینا	۵۲۸
مہتمم مدرسہ اگر کچھ شرائط مقرر کردے تو مدرسین پر ان کی پابندی لازم ہے	۵۲۸
کپڑے کی سلائی میں دھاگہ اگر درزی کے ذمہ ہو تو اس کا حکم	۵۲۹
زمین کے اجارہ میں نقد کے ساتھ جنس ٹھہرانا	۵۲۹
مکان کے کرائے میں گڑ کی بھیلی مقرر کرنا	۵۳۰
چونگی اور تہ بازاری کے محکمہ میں ملازمت کرنا	۵۳۱
کارخانہ کے ایگریمنٹ اور مالی جرمانہ کا حکم	۵۳۲
امامت نماز کی تنخواہ کا حکم	۵۳۳
تراویح سنانے پر اجرت لینے کا حکم	۵۳۳
شراب کی بھٹی کیلئے اپنا مکان کرائے پر دینے کا حکم	۵۳۴
تعمیر مسجد کے واسطے کافر کو مزدوری پر لینے کا حکم	۵۳۵
گورنمنٹ کی جانب سے قاضی کیلئے کابین وغیرہ کے مقرر کردہ رجسٹری فیس لینے کا حکم	۵۳۵
مسئلہ اجرت علی الطاعات	۵۴۰
ایجنٹی کے بارے میں چند سوالات کے جوابات	۵۴۶
ایسی دکان پر ملازمت کا حکم جہاں ناجائز اشیاء کی فروخت اور سودی معاملہ ودغا فریب ہوتا ہے	۵۵۰
سرکاری ناجائز ملازمتوں کو مسلمانوں کی راحت رسانی کیلئے اختیار کرنا	۵۵۲
یتیم کی جائیداد کا ٹھیکہ اسکی ماں سے لیا، بعد میں وہ مرتد ہوگئی تو ارتداد کے بعد کرایہ کس کو دیا جائیگا؟	۵۵۳
زمین کو بعوض غلّہ معلوم المقدار اجارہ پر لینے کا حکم	۵۵۴
نوکری بصورت مضاربت کی ایک صورت	۵۵۵
جہالت مدت مفسد اجارہ ہے	۵۵۵

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
حکم ملازمت رجسٹری.....	۵۵۶
دھوبی سے کپڑا دھلوانے کی ایک خاص صورت کا حکم.....	۵۵۷
جانوروں میں حصہ دینے کے عوض دوسرے جانوروں کو پالنے کیلئے دینا.....	۵۵۸
اجارہ زمین کاشتکار اول را باد یگر بازیادہ اجارہ اول.....	۵۶۰
حکم استحقاق مدرس تنخواہ ایام بطالت و تعطیل.....	۵۶۰
سرکاری نوکریوں مے متعلق ایک استفتاء کا جواب.....	۵۶۱
یتیم کی زمین کا اجارہ طویلہ جائز ہے یا نہیں ؟.....	۵۶۲
اجارہ زمین با موجرہ.....	۵۶۳
حکم منہائی اجرت بکرایہ مکان موقوفہ.....	۵۶۳
نسخہ کی تیاری میں طبیب کا ایک حصہ اپنے لئے مقرر کرنے کی شرط اور بیچنے کی دواؤں پر وجوب زکوٰۃ..	۵۶۴
مملوکہ پہاڑی زمین پر خودرو گھاس کے اجارہ کا حکم.....	۵۶۶
اس دلال اور کمیشن ایجنٹ کا حکم جسکی اجرت عقد کے وقت متعین نہ کی گئی ہو.....	۵۶۹
نوکری میں یہ شرط کہ تنخواہ میں سے اتنی رقم ہر ماہ لیکر کار خیر میں لگاؤں گا.....	۵۷۳
نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے.....	۵۷۴
ایصال ثواب کیلئے تلاوت قرآن پر اجرت لینا حرام ہے.....	۵۷۴
مہتمم کے نائب نے بعض ممبران مدرسہ کے حکم سے مہتمم کو ترک ملازمت مدرسہ کے بعد تنخواہ دیدی تو اس کو لینا جائز ہے یا نہیں اور نائب کو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟.....	۵۷۵
تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا حرام ہے.....	۵۷۶
مؤجر کی زمین میں مستأجر کے کنواں بنوانے کا حکم.....	۵۷۷
متولی اجیر وقف کو معزول کرنے کی صورت میں ایک ماہ کی پیشگی تنخواہ وقف سے دینے کا مجاز ہے یا نہیں ؟.....	۵۸۰
بسبب قرض مدیون سے اجارہ قلیلہ پر کاشت کیلئے زمین لینا.....	۵۸۱
ایام تعطیل اور خارج اوقات میں ایام غیر حاضری کی تلافی کرنے سے سبکدوشی ہوگی یا نہیں ؟.....	۵۸۱
طلبہ اسکول سے فیس لینے کے احکام.....	۵۸۲
ایام تعطیل کی تنخواہ حلال ہے.....	۵۸۴

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
مشین سے آٹا پسوانے سے متعلق چند سوالات	۵۸۵
حکم تنخواہ مدرسین ایام تعطیل	۵۸۷
اس شرط پہ مدرس کو رکھنا کہ جو ہدایا مدرس کو لوگوں کی طرف سے ملیں گے تنخواہ میں محسوب ہوں گے اور مدرس کا ان کو مخفی رکھ کر پوری تنخواہ کا مطالبہ کرنا	۵۸۸
عقد اجارہ کی ایک خاص صورت کا حکم	۵۸۸
مدرس کو شعبان میں ملازمت سے برطرف کر دیا تو وہ ماہ رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں جبکہ مدرسہ کے قواعد کی رو سے وہ اس کا مستحق نہیں اور اس نے ماہ شوال میں آکر کام بھی نہ کیا	۵۹۰
کھجور وغیرہ کے درختوں کو ٹھیکہ پر دینا	۵۹۲
مسئلہ اجرت علی الطاعات	۵۹۲
کھیت کا کرایہ بصورت دھان لینا جبکہ دھان میں اسی کھیت کا ہونا مشروط نہ ہو	۵۹۳
منی آرڈر کے جواز پر ایک اشکال کا جواب	۵۹۴
حکیم اور ڈاکٹر کو اجرت معالجہ اور فیس دینے کے متعلق چند سوالات	۵۹۵
مقدمات وغیرہ میں مشورہ دینے پر معاوضہ لینا	۵۹۷
ملازمت کے دوران غیر متعلق کام کرنا اور اس پر اجرت لینا	۵۹۸
اجرت علی التعلم کی ایک صورت کا حکم	۵۹۸
مدرسہ کی وقف زمین ہندو کے انگریزی اسکول کیلئے کرایہ پر دینا	۵۹۹
اجارہ فاسدہ کی دو صورتوں کا حکم	۶۰۱
مدرس مدرسہ سے استعفیٰ دیدے مگر منتظمین اسے نامنظور کر دیں تو استعفیٰ دینے اور نامنظوری کی درمیانی مدت کی اجرت کا وہ مستحق ہے یا نہیں؟	۶۰۲
حکم اجرت دلال	۶۰۶
مدرسین و ملازمین مدرسہ کی تنخواہوں میں تخفیف کا مسئلہ	۶۰۷
کیا شریک اجیر بن سکتا ہے یا نہیں؟	۶۱۴
حکم الإجارة من المؤجر	۶۱۵
اطباء کے علاج کی ایک خاص صورت	۶۱۷
اوقات درس میں طالبعلم حاضر نہ ہوں یا تکرار میں مشغول ہوں تو اس وقت مدرس اپنی تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟	۶۱۸

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
ختم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں	۶۱۹
نکاح خوانی اور رجسٹری کا پیشہ اختیار کرنا اور اس کا حکم	۶۱۹
وصولیابی قرض کی خاطر سابق ملازم مدرسہ کی ملازمت بحال کرنا	۶۲۰
فصل ہی کا ایک حصہ کٹائی کی اجرت میں دینا	۶۲۲
اس شرط پر جانور کا بچہ پرورش کیلئے دینا کہ جب بڑا ہوگا تو فروخت کر کے قیمت نصف نصف کرلیں گے	۶۲۳
داخلہ اور ماہواری فیس لینا	۶۲۳
کتاب الودیعة و العاریة	
امانت کا حکم جبکہ اس کا رکھوانے والا غائب ہو جائے	۶۲۴
حکم امانت مفقود	۶۲۵
بغیر کچھ کہے سامنے کوئی چیز کسی نے رکھ دی اور وہ ضائع ہو گئی تو اس پر ضمان لازم نہیں	۶۲۶
امانت میں قلتِ احتیاط موجبِ ضمان ہے	۶۲۷
مودعِ مفقود کی ودیعت کا حکم	۶۲۹
کتاب الغصب	
زمین مغصوب کا حکم اور غاصب پر حج اور زکوٰۃ فرض ہونے کا بیان	۶۳۱
موروثی زمین کا حکم	۶۳۲
حکم وراثت اولاد غاصب در ترکہ مغصوب منہ	۶۳۳
کتاب الضمان	
کسی شخص کا جانور اگر دوسرے کے جانور کو ہلاک کردے الخ	۶۳۵
پالتو کتے نے کسی کی بکری کو کاٹ لیا اور وہ مر گئی تو کیا کتے کے مالک پر ضمان ہے؟	۶۳۷
ایضاً، ایضاً، ایضاً	۶۳۸
سرپنچ یا ممبر غلطی سے کسی پر زیادہ ٹیکس لگادے تو ضامن ہے یا نہیں؟	۶۳۹

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
مشترکہ جائیداد کی آمدنی سے متولی جائیداد شرکاء کو بے حساب زائد و کم دیتا رہا تو اب اہل حقوق کے حق سے کس طرح سبکدوشی ہو؟	۶۴۲
حکم ضمان امانت	۶۴۴
طالبعلم سے مدرسہ کی کتاب ضائع ہو جانے پر ضمان لازم ہو گا یا نہیں؟	۶۴۵
مسئلہ ضمان	۶۴۶
ایسے شخص پر وجوبِ ضمان جو کسی وارث کا نام سرکاری کاغذات میں نہ لکھوائے	۶۴۷
اگر دو محافظوں سے مال کم یا ضائع ہو جائے تو ضمان دونوں پر یا ایک پر لازم آئے گا؟	۶۴۹
مدعی ناحق سے مصارف دعویٰ لینا جائز ہے یا نہیں؟	۶۴۹
دھوبی بے احتیاطی سے کپڑے ضائع کر دے تو اس سے ضمان لینا جائز ہے یا نہیں؟	۶۵۱
حکم صورت ضمان بر ضمان	۶۵۲
وقف میں تعدی و استہلاک سے ضمان لازم آتا ہے	۶۵۲
ودیعت بالأجر میں مفتی بہ عدم لزوم ضمان ہے	۶۵۳
مسئلہ ضمان کی ایک خاص صورت	۶۵۵
مرغی یا بکری نے کسی کے کھیت کا غلہ کھالیا تو مالک پر تاوان آئے گا یا نہیں؟	۶۵۶
جائیداد منقسم کے تین حصوں میں ایک وقف کا تھا، پٹواری کے غلط اندراج کے سبب وقف کی جمع سرکاری جائیداد لی گئی تو یہ زائد جمع سرکاری کس سے لی جائیگی	۶۵۶
ایضاً، ایضاً، ایضاً	۶۵۷
مدتِ مقررہ میں مستعیر چیز واپس نہ کرے پھر وہ چوری یا ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان آئے گا	۶۵۹
قانونی گرفت سے بچنے کیلئے خریدا ہوا مسروقہ مال تلف کر دیا تو ضمان آئیگا یا نہیں؟	۶۵۹
ایک طالبعلم نے دوسروں کی کاپیوں کے سادہ اوراق اپنے خرچ میں کر لئے اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اوراق کن کن لڑکوں کے تھے، تو اس سے سبکدوشی کیسے ہو گی؟	۶۶۰
سرکاری حقوق تلف ہوں تو ان کی ادائیگی کی کیا صورت ہو گی؟	۶۶۱
باپ سے روپیہ اور دیگر اشیاء چھپا کر دوسرے شخص سے مل کر خرچ کئے تو دوسرے شخص پر ضمان آئے گا یا نہیں؟	۶۶۱
بلا اجازت سرکاری درخت کاٹنے اور انکی قیمت داخل خزانہ کرنے کی جائز صورتیں	۶۶۲

www.ahlehaq.org

عنوان	صفحہ
متعلق سوال بالا	۶۶۲
متعلق سوال بالا	۶۶۳
بیوی کے ہاتھ پر تھپڑ مارا اس کے ہاتھ میں لونگ تھی گر کر گم ہوگئی، تو شوہر پر ضمان آئے گا یا نہیں ؟	۶۶۳

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

کِتَابُ الأَیمَانِ وَالنُّذُور

نذر میں قواعدِ قربانی کے موافق جانور دینا لازم ہے جبکہ نذر کسی خاص جانور کی نہ ہو

سوال :- اگر کسی نے نذر کی کہ اگر میرا بیٹا یا بیٹی فلاں بیماری سے اچھی ہو جائے تو ایک بکری یا گائے لِلّٰہ کسی فقیر کو دونگا تو کیسی بکری و گائے دینا ہوگا؟ آیا دو برس کی گائے یا ایک برس کی بکری جو قربانی میں شرط ہے وہ دینا چاہیئے یا جس سن کی ہو دینے سے نذر ادا ہو جائیگی؟

الجواب

اگر نذر میں کوئی خاص جانور معیّن نہیں کیا تو قواعد سے قربانی کے موافق جانور دینا لازم ہوگا یعنی بکری ایک سال کی اور گائے وغیرہ دو سال کی لانه هو المعهود فی الشرع واللہ اعلم ویمکن الاستیناس له بما فی الهدایة قال: مالی فی المساکین صدقة فهو علی ما فیه الزکوٰة - استحساناً، وجه الاستحسان ان ایجاب العبد یعتبر بایجاب اللہ تعالیٰ فینصرف ایجابه الی ما اوجب الشارع فیه الصدقة من المال اھ (ص ۱۳۴-ج ۳)

واللہ اعلم

۱۵ محرم ۴۵ھ

(تنقید) اس میں نقل کی ضرورت ہے کیونکہ احتمال یہ بھی ہے کہ شاید قیمت کے اعتبار سے وسط واجب ہو اور ان دونوں مفہوموں میں عموم وخصوص من وجہ ہے۔

اشرف

اقول وباللہ التوفیق - ما قاله الشیخ دام مجده وعلاه من احتمال ایجاب الوسط من حیث القیمة وان کان محتملاً ولکن یختلج فی صدری التفرقة بین العبادات والمعاملات فی ذالك فالمبهم فی باب العبادات ینبغی ارجاعه الی ایجاب الشارع وفی باب المعاملات الی المتعارف ثم وجدت نظیره فی الهدایة فی باب الهبة من نذر ان یتصدق بماله یتصدق بجنس ما یجب فیه الزکوٰة (ص ۲۷۷ ج ۳)

وفیه ایضاً فی باب القضاء: من قال: مالی فی المساکین صدقة فهو علی

ما فيه الزكوٰة و ان اوصٰى بثلث ماله فهو على ثلث كل شئ و القياس (فى الاول) ان يلزمه التصدق بالكل وبه قال زفرؒ: لعموم اسم المال كما فى الوصية وجه الاستحسان ان ايجاب العبد يعتبر بايجاب الله تعالىٰ فينصرف ايجابه الى ما اوجب الشارع فيه الصدقة من المال اهـ (ص ١٣٥، ج ٣)

قال المحشى ناقلاً عن الكفاية (ص ١٣٤، ج ٣) اى يجب عليه صدقة جميع ما يملك من اجناس الاموال التى يجب فيها الزكوٰة كالنقدين ومال السوائم و اموال التجارة بقليلها وكثيرها ولا يفرق بين قدر النصاب و ما دونه لان ذالك يتعلق به الزكوٰة اذا انضم اليه غيره فكانهم اعتبروا الجنس دون القدر ولا يجب عليه التصدق بما لا يكون من جنس ما يجب فيه الزكوٰة - كالعقار والرقيق واثاث المنزل وثياب البذلة وغير ذالك اهـ فهذا يشعر بان المبهم فى باب النذر و التصدق يرجع اليه ايجاب الشرع فكذا اذا نذر بتصدّق حيوان غير معين ينبغى ارجاعه الىٰ ما اوجب الشرع تصدقه من الحيوان۔

و قال فى البحر (ص ٢٩٦ ج ٤) و لو قال لِلّٰه علَيَّ ان اذبح جزورا او اتصدق بلحمه فذبح سبع شياه جاز اهـ دل على ان الجزور فى كلامه يحمل على ما هو المعتبر فى الاضحية فان سبع شياه انما تكون قائمه مقامه لا ما دونه مع ان التصدق باللحم يجوز من كل جزور سواء كان ابن سنتين او اقل ومع ذالك حملوا الجزور على ما تكون سبع شياه بدلاً عنه سواء كان نذر بالذبح او بالتصدق من اللحم[1]

واللہ اعلم

١٨ محرم ٤٥ھ

سوال:- ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ اگر حق تعالیٰ مجھ کو اولاد بخشے تو میں جب تک حج ادا نہ کردں اسکی شادی نہ کروں گی خدا کے فضل سے اسکا لڑکا پیدا ہوا اب وہ لڑکا شادی کے لائق بھی ہو گیا مگر وہ عورت حج ادا کرنے سے عاجز ہے تو کیا کرے امید آں ذات والا درجات سے یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ کی تصریحات سے سرفراز فرمائیں فقط

جب تک حج ادا نہ کردں بیٹے کی شادی نہیں کراؤں گی، پھر حج ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں نکاح کا کیا کرے؟

احقر محمد عبد الجلیل عفا اللہ عنہ

[1] كذا فى الدر مع الشامية ج ٣ ص ٧٤٠

الجواب

جب وہ لڑکا بالغ ہے تو وہ خود اپنا نکاح کرلے یا کوئی دوسرا بزرگ سرپرست اس کا نکاح کردے یہ عورت اس کے نکاح کا بندوبست وانتظام نہ کرے اور یہ حکم جب ہے کہ مسماۃ مذکورہ نے یہ کلام قسم کے ساتھ خدا تعالیٰ کا نام لیکر کہا ہو کہ واللہ جب تک حج ادا نہ کروں اس کی شادی نہ کروں گی اور اگر قسم کا لفظ خدا تعالیٰ کا نام لیکر نہیں کہا تھا صرف نذر یا منت کا لفظ کہا ہو تو یہ نذر منعقد نہیں کیونکہ نذر کے لئے قربتِ مقصودہ ہونا ضروری ہے اور اولاد کا نکاح کرنا قربتِ مقصودہ نہیں اور یہاں نذر فقط فعلِ حج پر نہیں ہے بلکہ بغیر حج کے بیٹے کی شادی نہ کرنے پر ہے اور بیٹے کی شادی کرنا قربتِ مقصودہ نہیں۔ لہ

واللہ اعلم

۷ رشوال ۴۳ھ

مسجد کے لئے نذر کا حکم

سوال:- ایک مسئلہ میں چند آدمیوں کے درمیان تنازع ہو کر حضور کو ثالث مانا لہٰذا جواب کو مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں اور مہربانی فرما کر حوالۂ کتب بھی تحریر فرمائیں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ:-

ایک شخص نے اپنے مرض میں اس طرح منت مانی کہ اگر خدا تعالیٰ شفا دے تو فلاں مسجد میں مبلغ ۳۰۰ روپیہ للہ دوں گا اور بعد اس کے وہ شخص شفا پایا اب یہ منت ہوئی یا نہیں؟ اور ادا کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟ اور اس روپیہ کو مسجد کی بنا میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

مہربانی فرما کر جواب عطا فرمائیں۔ والسلام

العارض محمد نورالہدیٰ ملک بنگالہ ضلع نواکھالی

الجواب

مسجد میں روپیہ دینے سے اگر مسجد کی تملیک بطور ہبہ کے مراد ہے تو یہ نذر صحیح نہیں۔ گو احوط ایفاء نذر ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ ان روپیوں کی کوئی چیز خرید کر مسجد کے لئے وقف کی جائے جیسے لوٹا اور بوریا وغیرہ تو اس صورت میں نذر صحیح ہے اور اس کا پورا کرنا بعد وجود شرط کے واجب ہے۔

قال ابن العابدین، فی حاشیة البحر عن البدائع: ومن شروطه ای

لہ الدر المختار ج ۳ ص

النذر ان يكون قربة مقصودةً فلا يصح النذر بعيادة المريض وتشييع الجنازة والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والاذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذالك وان كانت قربة لانها غير مقصودة اھ فھذا صريح فی ان الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما كان من جنسه ويدل عليه انهم صححوا النذر بالوقف لان من جنسه واجبًا وھو وقف مسجد للمسلمين وقد علمت ان بناء المسجد غير مقصودة اھ (ص ۲۹۶ ج-۴)

قلت: وكذا الهبة للمسجد وان كانت قربة فهی غير مقصودة، وقف مصالحه عليه من القربة المقصودة ومن جنسها واجب وھو وقف مسجد كما مر۔

واللہ تعالےٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۲۶ر جمادی الاوّل ۴۴ھ

ایصالِ ثواب کی نذر کرنا **سوال**:- اگر کوئی شخص کسی مردے کو ایصالِ ثواب کی منت مانے تو یہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟ یعنی اس کا ادا کرنا (شرعی قواعد کے مطابق) واجب ہوگا یا نہیں؟ مثلاً اگر کوئی شخص یہ منت مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فقراء و مساکین کو کھانا یا شیرینی وغیرہ کھلا کر یا اور طرح سے صدقہ دے کر فلاں بزرگ یا عام مؤمن کی روح کو ایصالِ ثواب کردوں گا تو اس مقصد کے پورا ہونے کے بعد اُنہیں انہی ارواح مخصوصہ کو ایصالِ ثواب نذرِ معین کی طرح اس شخص کے ذمہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اور ایصالِ ثواب خاص اسی صورت سے واجب ہوگا جو بوقتِ نذر اس نے اپنے ذہن میں قرار دی تھی یا بر بناء مصلحتِ وقت صدقہ کی صورت بدل دینے کا اختیار بھی ہوگا؟

عبدالرافع متعلم بی کوم بچھرادن اون ضلع مرادآباد (بی اے تجارت) لکھنؤ یونیورسٹی

الجواب

ایصالِ ثواب کی نذر منعقد نہیں ہوتی کیونکہ اس کی جنس سے کوئی واجب نہیں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ما ليس من جنسه واجب لا ينعقد النذر به، اور گو تصدق کی جنس سے واجب ہے مگر یہاں اصل مقصود ایصالِ ثواب بروحِ میت ہے تصدق کی نذر تبعًا ہے اور نذرِ صحیح

میں بھی بعد صحت نذر کی تعیین مکان وزمان وتعیین فقیر لازم نہیں بلکہ اس میں تغییر کا اختیار رہتا ہے

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۱۷ ذی الحجہ ۴۴ھ

نذر اور گھر کا طعام خلط کرنا **سوال:** ① یہ کہا تھا کہ تنخواہ میں سے کچھ بھوکوں کو اور کچھ لڑکیوں کو دوں گا تنخواہ مقرر ہوگئی اب جس قدر بھوکوں کے واسطے تنخواہ میں سے نکالنا چاہا ہے اس میں یہ خیال ہے کہ اندازہ سے بھوکوں کا حصہ نکالدیں اور کچھ دوستوں وغیرہ کو دعوت دیدیں لیکن کھانا ایک جگہ پکوالیا جائے یہ مناسب ہے یا نہیں؟

② اور اگر جنس وغیرہ گھر کی ہوں اور اسی رقم کے مطابق یعنی جتنی جنس ان داموں میں آتی ہو اور گھر سے لے کر کھلادے تو اس طرح ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ یا اُن ہی داموں سے خریدنے کی ضرورت ہے؟

محمد ساقی خان از بستی

الجواب

① اگر بھوکوں کو کھلانے کی منت نہیں مانی تھی بلکہ بدون لفظِ نذر اور منت کے یوں ہی ارادہ کیا تھا تب تو بھوکوں اور دوستوں کے لئے ملا کر کھانا پکانے میں کچھ بھی حرج نہیں اور اگر نذر ومنت کا لفظ کہا تھا جب بھی خلط کر کے پکانے میں تو حرج نہیں لیکن پکانے کے بعد اتنی مقدار الگ کر دی جائے جو بھوکوں کے واسطے نذر کی گئی تھی پھر مابقی کو دوستوں کی دعوت میں خرچ کر دیا جائے دونوں کو ملحوظ رکھ کر ملا جلا تقسیم نہ کیا جائے ورنہ ادائے نذر میں شبہ رہے گا۔

② رقم کی جگہ جنس دینا یا کھانا پکا کر دینا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ ہر فقیر کو کھانے یا جنس کا مالک بنا دیا جائے بطور دعوت کے نہ کھلایا جائے۔

قال فی الدر: نذر ان یتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغیرہ اجاز ان ساوی العشرة کتصدقه بثمنه اھ (ص ۱۰۸، ج ۳)

قلت: والمدار علی المساوات وقد جوزوا دفع الزکاة بالعین والنقد سواء فکذا ھذا،

لیکن جب نذر نقد کی ہو تو نقد ہی دینا افضل ہے۔

واللہ اعلم

۲۷ ذی الحجہ ۴۴ھ

نذر میں نقد کے بجائے جنس دینا جائز ہے

سوال:۔ جس قدر بھوکوں کو کھلانا ہے اور جتنے دوست وغیرہ شامل کرنے ہیں دونوں کا اندازہ سے ملا کر یکجائی کھانا پکا کر یعنی جتنی جنس بھوکوں کے نام کی ہے اور جتنی دوست وغیرہ کے نام کی دونوں کو ایک جگہ پکا کر اور یہ خیال کر کے کہ اس جنس یعنی کھانے کو اس قدر آدمی کھا دیں گے اور دوسرے کھانے کو اسقدر کھلا دیں تو درست ہے یا نہیں؟ جیسا اس سے اگلے سوال میں بیان کیا گیا ہے۔ یا بھوکوں کا علیحدہ اور دوست وغیرہ کا علیحدہ کھانا پکایا جائے گا؟

محمد ساقی خان از بستی

الجواب

اس کا جواب پچھلے سوال کے جواب سے معلوم ہو چکا۔

واللہ اعلم

۲۷ ذی الحجہ ۴۴ھ یوم الجمعہ

"اگر میں اچھی ہو جاؤں تو ایک روپیہ کی شیرینی لڑکوں کو بانٹ دوں" کے الفاظ سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔

سوال:۔ ایک عورت نے یہ کہا کہ "اگر میں اچھی ہو جاؤں تو ایک روپیہ کی شیرینی لڑکوں کو بانٹ دوں" بعد اچھی ہو جانے کے اس نے لڑکوں کو بانٹ دی اس صورت میں نذر ادا ہوئی یا نہیں؟ اور نذر ماننے سے غریبوں کا حق ہوتا ہے اور لڑکے امیر کے اکثر ہوتے ہیں۔ غریب کا لڑکا ایک یا دو ہوں گے تو پھر سے بانٹنا ہوگا یا نہیں؟

تنقیح

کیا اس کی نیت میں خاص غریب لڑکے تھے یا عام تھے؟

جوابِ تنقیح

متعلق مسئلہ نذر اس عورت نے نیت عام لڑکوں کی کی تھی۔

الجواب

الفاظ مذکورہ فی السوال سے نذر منعقد نہیں ہوئی اس لئے اول تقسیم ہی ضروری نہیں تھی

پس اعادہ کیسا؟

کما فی العالمگیریۃ: (ص۴۳ ج ۳) رجل قال: ان برئتُ من مرضی هٰذا ذبحت شاۃً فبرأ لا یلزمه شئ الا ان یقول: ان برأت فللّٰه علیّ ان اذبح شاۃً۔

اور اگر الفاظ مسطورہ کے ساتھ خدا کے واسطے بھی کہا تھا تب بھی اعادہ کی حاجت نہیں کیونکہ اغنیاء پر تصدق کی نذر صحیح نہیں ہوتی اور فقراء کے متعلق صحیح ہو گئی ہو تو پوری ہو چکی۔

وفی القنیۃ: نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح ما لم ینو بناء السبیل (ص۱۰۵ درِّ مختار مع الشامی)

ولم ار ان النذر بالتصدق علی الفقیر والغنی جمیعًا یصح ام لا؟ و الظاهر انه لا یصح لان من شرطه ان یکون من جنسه واجب و التصدق علی الفقیر والغنی جمیعًا لیس کذالك۔

الاجوبۃ صحیحۃ
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹ ذی الحجہ ۴۳ھ

واللہ اعلم
کتبہ الاحقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ

قرآن مجید پر حلف اٹھانا سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان کسی معاملہ میں قرآن مجید کی قسم اُٹھائے تو کیا اس پر از روئے احکامِ شرعیہ کفّارۂ قسم لازم ہے یا نہ؟

الجواب

قرآن شریف کی قسم کھا کر اگر خلاف کرے تو کفارہ لازم ہے۔

کما فی العالمگیریۃ (ص۳۵ ج ۳): وقال محمّد بن مقاتل الرازی: لو حلف بالقرآن یکون یمینًا وبه اخذ جمهور مشائخنا کذا فی المضمرات۔

وفی الدر المختار: قال الکمال: ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینًا (شامی ص۷۸ ج ۳)۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹-ج ۲-۴۴ھ

عبد الکریم عفی عنہ
۱۸-ج ۲-۴۴ھ

ولکن ینبغی ان یفرق بین قوله حلفت بالقرآن او بکلام الله وبین حلفه بوضع المصحف علی یده و قوله احلف بهذا المصحف فان الاول کحلفه بعزة الله وجلاله والثانی لیس کذالك فان المصحف لیس من صفات الله تعالی۔

واللہ اعلم

ایک شخص نے ان الفاظ سے نذر مانی کہ "فلاں کام ہوجائے تو چار مسکینوں کو کھلادوں" تو چار مساکین کے بجائے ایک مسکین کو چار وقت کھلاسکتا ہے یا نہیں؟

سوال:۔ ایک شخص نے بطور نذر یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو چار آدمیوں کو ایک وقت کھانا کھلاؤں لیکن اس کی بابت خاص طور سے یہ نہیں سوچا کہ چار آدمیوں کو ایک وقت یا ایک آدمی کو چار وقت کھلانے سے نذر ادا ہوجائے گی یا نہیں فقط

فرید الدین از بجنور، ۱۷ مارچ ۲۶ھ

الجواب

فی الشامی (ص ۱۰۸ ج ۳): قلت: وکما لا یتعین الفقیر لا یتعین عدده ففی الخانیة: ان زوجت بنتی فالف درهم من مالی صدقة لکل مسکین درهم فزوج ودفع الآلف الی مسکین جملة جاز اهـ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں اختیار ہیں خواہ چار مساکین کو ایک وقت کھلائے یا چار وقت ایک مسکین کو کھلادے فقط

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ

عبد الکریم عفی عنہ
۸ رمضان ۴۴ھ

تحریم الحلال یمین ہے

سوال:۔ ہندہ اور زید دونوں صبح کو سفر کے واسطے تیار تھے کہ سفر کے واسطے روٹی کا ذکر آیا ہندہ نے غصہ سے زید کو کہا کہ تو ہمارا خرچ کرائے گا اس واسطے روٹی پکانی پڑی اس بات سے زید نے قسم کھائی کہ میں تمہاری روٹی سفر میں نہ کھاؤں گا۔ صبح کو ہندہ نے روٹی پکالی زید نے کہا کہ زیادہ نہ پکاؤ میں نے تو راستہ میں تمہاری روٹی نہیں کھانی ہے اور روٹی لیکر اس وقت مکان پر کھانے کا ارادہ کیا ہندہ نے غصہ ہوکر کہا کہ حرام کھادے جو ہماری روٹی کھادے اس پر زید نے غصہ میں آکر روٹی پھینکدی اور کہدیا کہ میرے پر تمام عمر کو حرام ہے مراد روٹی سے تھی، جواب میں ہندہ نے کہا کہ میرے پر تیری ساری چیزیں حرام ہیں مراد ہر قسم کی

چیزیں متعلق خورد و نوش پوشاک وغیرہ تھی ہفتہ کے بعد دونوں نے باہم ایک دوسرے کی چیز کھا پی لی، آیا کیا اس کی بابت کفّارہ ہے؟

ان دونوں مذکور الصدر کا باہم نکاح کا ارادہ ہے بوقت قسم دونوں جانتے تھے کہ ہمیں نکاح کرنا ہے اور خیال تھا مگر غصّہ میں قسم کھائی گئی اب اگر فریقین کا نکاح ہو جائے تو کیا اس قسم کا اثر باقی رہے گا اور جب قسم ٹوٹ چکی ہے تو اب جو کفّارہ واجب الادا ہوگا وہ دیکر پھر بعد نکاح تو کوئی کفارہ نہ دینا پڑے گا یا کیا کرنا چاہیئے۔ الحاصل

① آیا قسم شرعًا درست ہوئی؟ اگر درست ہوئی تو کیا کفّارہ ہوگا؟

② خلاف ورزی کے وقت اوّل نیّتِ کفّارہ ادا کرنے کی کر کے قسم توڑی گئی۔

③ بعدِ نکاحِ فریقین کیا قسم کا اثر باقی رہے گا اور کیا کفّارہ دینا ہوگا؟

الجواب

"تحریم الحلال یمین" قاعدہ فقہیہ ہے اس بناء پر زید دہندہ دونوں کو قسم کا کفّارہ دینا چاہیئے جو دس مسکینوں کا کفّارہ ہے یا تو دس مسکینوں کو صبح و شام پکا ہوا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دیا جائے یا ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں (جو پونے دو سیر ہندوستانی وزن سے ہے یعنی اسّی روپیہ کے سیر سے ہے) دیدیا جائے، یا ہر مسکین کو نصف صاع کی قیمت دیدی جائے اگر اسکی وسعت نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھدئے جائیں اور چونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید دہندہ میں اس وقت تک تعلق نکاح کا نہ تھا آئندہ نکاح کا ارادہ تھا لہٰذا اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی لعدم صحۃ الطلاق الناجز بدون النکاح نیز زید نے لفظ "میرے پر تمام عمر کو حرام ہے" سے ہندہ کی روٹی کا حرام کرنا مراد لیا تھا فلم یکن یقع الطلاق بوجود النکاح ایضاً اور اس قسم کا اثر بعد نکاح کے کچھ نہ رہے گا پس ایک دفعہ کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے خواہ قبل نکاح دیدیا جائے یا بعد نکاح۔

واللہ اعلم

۳۰ شعبان ۴۵ھ

سوال:- ① ایک شخص نے یہ نیت کی کہ "اس بکری کو خدا کے واسطے دیدوں گا" یا "اس کی قیمت کا کھانا کھلا دوں گا" اور زبان سے بھی الفاظِ مذکورہ کہے ——— اب سوال

یہ نیت کی کہ "اس بکری کو اللہ کے واسطے دوں گا" تو اس کو خود رکھ کر قیمت دینا کیسا ہے؟

یہ ہے کہ اگر وہ شخص اس بکری کو خود رکھ لے اور اس کی قیمت کا کھانا کِھلا دے یہ جائز ہے یا نہیں ؟

② اور چند روز ہوئے اس نے اس بکری کو فروخت کرنا چاہا تو جو انتہائی قیمت خریداروں نے کہی اس قیمت پر اس نے خود رکھ لیا کہ میں خود اتنی رقم لگا دوں گا، لیکن کچھ روز گذر گئے اور اس نے اب تک کھانا نہیں کِھلایا، اب اس کی قیمت (یعنی بکری) زیادہ ہوگئی ہے تو اب وہ شخص بیشتر طے کردہ قیمت دیدے یا حال کی قیمت دینا پڑے گی۔

③ اور وہ شخص اس بکری کو عقیقہ میں ذبح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل رونق علی چٹھی رساں تھانہ بھون

۱۸ رمضان ۴۵ھ

الجواب

① ہاں جائز ہے۔

قال فی الدر: نذر التصدق بهذه المأة يوم كذا على زيد فتصدق بمأة اخرىٰ جاز اهـ۔

وفيه ايضاً: نذر التصدق بعشرة دراهم من الخبز۔ فتصدق من غيره جاز ان ساوىٰ العشرة كتصدقه بثمنه اهـ۔

قال الشامی: وانما لم يختص النذر بزمان ونحوه خلافاً لزفر لان لزوم ما التزمه باعتبار ما هو قربة لا باعتبارات أُخر لا دخل لها فی صيرورته قربة اهـ (ص ۱۰۸ ج ۳)

قلت: والسائل لم ينذر ذبح هذه الشاة وانما نذر التصدق بها لِلّٰه تعالےٰ فلا يتقيد النذر بالذبح ولا بهذه الشاة بل يجوز بثمنه ايضاً لان التصدق بها وبثمنها سواء فلا دخل لتعيينه الشاة فی القربة ولا يقاس ذالك على شراء الشاة للاضحية فانها تتعين لها بشروط احدها: الشراء فلو كانت فی ملكه فنوى ان يضحىٰ بها لا تتعين والثانی فی الشراء للاضحية فلو اشتراها ولم ينو الاضحية لا تتعين والثالث: كون المشترى فقيراً فلو كان غنياً لا تتعين الا بعد مضی ايام النحر واما قبلها فلا وفی الصورة المسئولة لم توجد نية الاضحية ولا نيه الذبح ولا وجد للتعين

فی مثل هذه الصورة والله اعلم لاسیمًا وقد ر دالناذر فی کلامه بین تصدقها و تصدق قیمتها۔

② یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا پس جس دن نذر کو پورا کرنا چاہے اس دن یا تو اس بکری کو خیرات کر دے یا اس کی قیمت جو اس دن ہو وہ خیرات کر دے اور ایک قول پر ممکن ہے کہ یوم الوجوب یعنی یوم النذر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے، والمسئلة قیاس علی مسئلة الغاصب اذا هلك المغصوب هل یضمن قیمته یوم الغصب او یوم الهلاك او یوم الاداء، اور اقرب یہ ہے کہ انفع للفقراء کا اعتبار کیا جائے یوم الاداء و یوم الوجوب میں سے جس دن کی قیمت فقراء کے لئے انفع ہو وہ ادا کی جائے، ولم اره صریحًا اور بہتر یہ ہے کہ نذر کو صورت نذر ہی پر ادا کر دیا جائے خروجًا من الخلاف فان تادی الکفارات والنذور والصدقات بالقیمة مختلف فیه بین الائمة - والله اعلم۔

③ سائل کے الفاظِ نذر یہ ہیں کہ "اس بکری کو خدا کے واسطے دیدوں گا" یا "اسکی قیمت کا کھانا کھلا دوں گا" پس اگر عقیقہ میں ذبح کر کے فقراء کو اس کا کھانا پکا کر کھلا دیا جائے اور وہ پکا ہوا کھانا لاگت میں اس بکری کی قیمتِ حیات کے برابر ہو جائے تو نذر اور عقیقہ دونوں ادا ہو جائیں گے۔ اما العقیقة فبارافة الدم فهی حقیقتها و اما النذر فبتصدق القیمة

واللہ اعلم

۱۹ رمضان ۴۵ھ

تفصیل الکلام فی الحلف بکلام اللہ الملک العلام، یعنی قرآن کی قسم کا حکم اور اس کی تفصیل۔

سوال: گذارش خدمت میں یہ ہے کہ مسئلہ مندرجہ ذیل میں ہمارے ملک میں بہت زور و شور سے بحث ہو رہی ہے، بدیں وجہ قوی امید ہے کہ کرم فرما کر جواب مدلل مع حوالہ کُتب معتبرہ دیکر عند اللہ ماجور ہوں۔

① مسئلہ یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں گو کلام اللہ ہی کیوں نہ ہو اگر کوئی شخص کلام اللہ کی قسم کھالے تو بھی معتبر اور جائز نہیں، کھانے کے بعد حانث نہیں ہوگا۔

② عمر کہتا ہے کہ میں نے مانا کہ غیر اللہ کی قسم نہیں کھا سکتا ہے لیکن فی زمانا اگر کوئی شخص کلام اللہ کی قسم کھالے بعدہ توڑ دے ضرور حانث ہوگا کھانا جائز ہے یعنی معتبر ہے کیونکہ کلام اللہ صفات اللہ میں شامل ہے۔ بینوا توجروا۔

خادم محمد صدیق زنگونی حجرہ ۸ مدرسہ دارالعلوم دیوبند

الجواب

قرآن کی قسم کھا کر کوئی بات کہی تو قسم ہوگئی (یعنی شرعًا یہ قسم منعقد ہے اگر توڑ دے گا تو کفارہ لازم آئے گا) ہاں اگر کلام مجید کو ہاتھ میں لیکر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہی لیکن قسم کے الفاظ استعمال نہیں کئے تو قسم نہ ہوگی (ص ۵۲ ج ۳ درمختار وشامی) وکذا فی بہشتی زیور (ص ۱۷ ج ۳) والمسئلۃ معروفۃ"۔ البتہ قرآن کی قسم کھانا بوجہ ایہام حلف بغیر اللہ کے جائز نہیں۔ کہ اس سے عوام کو سند ملتی ہے اور وہ صفت وغیر صفت کا فرق نہیں جانتے۔ واللہ اعلم

۹ر صفر ۴۶ھ از تھانہ بھون

تَفْصِیلُ الکلَام
فی
الحَلفِ بِکلَامِ اللّٰہ المَلِکِ العَلَام

قال فی الدر: او بصفۃ یحلف بہا عُرفاً من صفات اللہ تعالٰی صفۃ ذات لا یوصف بضدہا (و تتقید بکون الحلف بہا متعارفاً سواء کانت صفۃ ذات او فعل وہو قول مشائخ ما وراء النہر و لمشائخ العراق تفصیل آخر وہو ان الحلف بصفات الذات یمین لا بصفات الفعل وظاہرہ انہ لا اعتبار عندہم للعرف وعدمہ فتح ملخصًا و مثلہ فی الشرنبلالیۃ عن البرہان بزیادۃ التصریح بان الاوّل ہو الاصح - وقال الزیلعی: والصحیح الاول، شامی) کعزۃ اللہ وجلالہ و کبریائہ و ملکوتہ وجبروتہ وعظمتہ و قدرتہ او صفۃ فعل یوصف بہا وبضدہا کالغضب والرضاء فان الایمان مبنیۃ علی العرف فما تعورف الحلف بہ فیمین و ما لا فلا لا یقسم بغیر اللہ تعالٰی کالنبی والقرآن و الکعبۃ - قال الکمال: ولا یخفی ان الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینًا و اما الحلف بکلام اللہ فیدور مع العرف (قولہ قال الکمال الخ"۔ مبنی علی القرآن بمعنی کلام اللہ تعالٰی فیکون من صفاتہ کما یفیدہ کلام الہدایۃ حیث قال: ومن حلف بغیر اللہ تعالٰی لم یکن

حالفاً كالنبي والكعبة لقوله عليه السلام من كان منكم حالفاً فليحلف بالله اولیذر وكذا اذا احلف بالقرآن لانه غير متعارف اهـ فقوله وكذا يفيد انه ليس من قسم الحلف بغير الله تعالٰى بل هو من قسم الصفات، ولذا علله بأنه غير متعارف ولو كان من القسم الاوّل كما هو المتبادر من كلام المصنف (صاحب التنوير) والقدوري لكانت العلة فيه النهي المذكور لان التعارف انما يعتبر في الصفات المشتركة لا في غيرها۔

وقال في الفتح: وتعليل عدم كونه يميناً بانه غير ه تعالٰى لانه مخلوق لانه حروف وغير المخلوق وهو الكلام النفسي مُنع بان القرآن كلام الله منزل غير مخلوق، ولا يخفٰى ان المنزل في الحقيقة ليس الا الحروف المنقضية المنعدم وما ثبت قدمه استحال عدم غيرانهم اوجبوا ذالك لان العوام اذا قيل لهم ان القرآن مخلوق تعدوا الى الكلام مطلقاً اهـ۔ وقوله "ولا يخفٰى الخ" رد للمنع وحاصله ان غير المخلوق هو القرآن بمعنى كلام الله الصفة النفسية القائمة به تعالٰى لا بمعنى الحروف المنزلة غير انه لا يقال القرآن مخلوق لئلا يتوهم ارادة المعنى الاوّل۔

قلت: فحيث لم يجز ان يطلق عليه انه مخلوق ينبغي ان لا يجوز ان يطلق عليه انه غير ه تعالٰى بمعنى انه ليس صفة له لان الصفات ليست عيناً ولا غيراً كما قرر في محله ولذا قالوا من قال بخلق القرآن فهو كافر ونقل في الهندية عن المضمرات وقد قيل هٰذا في زماننا فيمين وبه نأخذ ونعتقد وقال محمّد بن مقاتل الرازي: انه يمين وبه اخذ جمهور مشائخنا اهـ فهذا مؤيد لكونه صفة تعورف الحلف بها كعزة الله وجلاله قوله "فيدور مع العرف الخ" لان الكلام صفة مشتركة (شامي) ـــــــ قلت: ولكن كلام الله في عرفنا مرادف للقرآن فيكون يميناً۔

قال في الدر: وقال العيني وعندي ان المصحف يمين لا سيمًا في زماننا (عبارته وعندي انه لو حلف بالمصحف او وضع يده عليه وقال وحق هٰذا فهو يمين واقره في النهر وفيه نظر ظاهر اذا المصحف ليس صفةً لله تعالٰى حتى يعتبر فيه العُرف والا لكان الحلف بالنبي والكعبة يميناً لانه متعارف نعم لو قال: اقسم بما في

المصحف من کلام اللہ تعالٰی ینبغی ان یکون یمیناً اھ (ص ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ - ج ۳)

قلت: وفی عرفنا القرآن والمصحف وکلام اللہ کله بمعنی واحد قال فی الدر وعند الثلاثة المصحف والقرآن وکلام اللہ یمین اھ (صفحۃ مذکورہ

فینبغی ان یکون الحلف بالثلاثة یمیناً فی عرفنا لکون القرآن من صفات اللہ والمصحف وکلام اللہ بمعناہ لا یراد بهما الا القرآن فقط نعم لو وضع المصحف علی یدہ وقال احلف به لا یکون یمینا لکون المراد به الجلد والنقوش ونحوهما لکن قال الشیخ ان الحلف بوضع الید علی المصحف ابلغ عند العوام من الحلف بالقرآن وبکلام اللہ واشد ولیس ذالك لکون الجلد والنقوش اعلی عندهم من القرآن بل لکونهم یریدون بالحلف بوضع الید علیه الحلف بالقرآن ویضعون الید علیه استحضارا للعظمة بمعاینة مایتضمنه وعلی هٰذا فینبغی ان یکون الحلف بوضع الید یمیناً کما هو قول الزیلعی، نعم وضع الید بدون صیغة الحلف لا یکون یمیناً اھ۔

قلت: ولعل الحق لا یتجاوز عنه واما القرآن وکلام اللہ وان کان المراد به عند العوام الکلام اللفظی ولکنه لا یجوز علیه اطلاق انه مخلوق او غیرہ تعالٰی کما مر فیلتحق بالکلام النفسی فی کونه یمیناً لا سیّما اذا تعورف الحلف به هذا۔

واللہ اعلم وعلمه اتم واحکم

۱۰ر صفر ۴۶ھ

الفاظِ قسم کے بغیر محض قرآن مجید سر پر رکھنا قسم نہیں!!

سوال: - اگر کسے قرآن شریف بر سر نہادہ خبرے کند و لفظ قسم بقرآن شریف یا بخدا نگوید ایں را قسم گفتہ شود شرعاً یا نہ؟

الجواب

محض قرآن سر پر رکھنا جب تک لفظ قسم زبان سے نہ کہے قسم نہیں۔

واللہ اعلم

۸ر شعبان ۴۶ھ

نذر کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال: - میاں بیوی نے اولاد کی خاطر بارگاہِ تبارک و تعالٰی میں یہ منت مانی تھی کہ اگر ان کی اولاد ہوئی تو وہ بعد فراغتِ نفاس اکیس اکیس بار سورۃ

یٰسین شریف ورد کریں گے اور دس دس روزے رکھیں گے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی تھی کہ صرف شب پنجشنبہ میں یکجائی کی جائے گی اگر اس کے خلاف ہوا تو ہر سہو کے معاوضہ میں تین تین روزے مزید رکھے جائیں گے چنانچہ ان سے تین مرتبہ سہو ہوا اور ان کے یہاں بفضلہٖ تعالیٰ اولاد ہوئی اور خاوند نے جملہ انیس روزے رکھے اور اکیس اکیس بار سورۂ یٰسین شریف بھی پڑھی لیکن چونکہ بیوی کے دودھ زیادہ نہ تھا بچہ کی پرورش کے خیال سے وہ روزے نہ رکھ سکیں اور پھر حمل ہو گیا۔ اس خاطر سے بھی وہ مجبور رہیں تو ایسی حالت میں وہ کفّارہ ادا کرنا چاہتی ہیں تو براہ کرم احکامِ کفّارہ کا خلاصہ تحریر فرمایا جائے اور یہ بھی صراحت فرمائی جائے کہ ہر دو صورتوں کا کس طرح کفّارہ ادا کیا جائے۔ فقط۔

خواجہ حسن محلہ کروڑ گری نامدیر
دکن ریاست حضور نظام

الجواب

سائل کا یہ قول کہ "اگر اس کے خلاف ہوا تو ہر سہو کے معاوضہ میں تین تین روزے رکھے جائیں گے" اس میں صیغۂ نذر صراحۃً مذکور نہیں اس لئے قیاساً روزے واجب نہ ہوں گے مگر استحساناً روزے واجب ہیں۔ لکون النذر مراداً عرفاً ولکونہ متضمناً تحریم الحلال۔

قال الشامی عن البزازیۃ: لو قال: ان سلم ولدی اصوم ما عشت فھذا وعد ولکن فی البزازیۃ ایضاً: ان عوفیت صحت کذا لم یجب ما لم یقل للّٰہ علیّ، وفی الاستحسان یجب لو قال: ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیہ اھ (ص ۷۰۱ ج ۳)

وفیہ ایضاً: وان علقہ بما لم یردہ کان زنیت بفلانۃ مثلاً فحنثت وفی نذرہ اوکفر لیمینہ اھ (ص ۱۰۵ ج ۳)

قلت: ولا یشترط فی النذر المعلق بشرط لا یرید کونہ ان یکون الشرط معصیۃ بل الشرط لا یرید وقوعہ سواء کان معصیۃ اوغیر معصیۃ۔

قال فی الفتح القدیر: ان المراد بالشرط الذی تجزئ فیہ الکفارۃ الشرط الذی لا یرید کونہ مثل دخول الدار وکلام فلان فانہ اذا لم یرد کونہ یعلم انہ لم یرد کون المنذور حیث جعلہ مانعاً من فعل ذالک الشرط لان تعلیق النذر علی ما لا یرید کونہ بالضرورۃ یکون لمنع نفسہٖ عنہ اھ (ص ۳۷۶ ج ۴)

اور اگر روزے نہ رکھ سکیں یا رکھنا نہ چاہیں تو کفارۂ یمین بھی کافی ہے یعنی دس مسکینوں کو ہر ایک کو نصف صاع گیہوں دیدینا ایک مسکین کو دس روز تک دو دفعہ پیٹ بھر کر کھانا کھلا دینا یا ایک دن میں دس مسکینوں کو دو دفعہ کھانا کھلا دینا۔

واللہ اعلم

۱۸ر صفر ۴۷ھ

نذر غیر معین میں بجائے جانور کے اس کی قیمت ادا کرنے سے نذر ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال:- نذر غیر معین میں بجائے جانور کے اس کی قیمت فقراء پر صدقہ کرنے سے نذر ادا ہوگی یا نہیں اور بہتر جانور دینا ہے یا اس کی قیمت؟

واللہ اعلم

احقر اطہر علی جامعہ ملیہ

شہر کملا، ضلع تیرہ

الجواب

اگر نذر ذبح حیوان کی تھی تو ذبح ہی واجب ہے تصدق قیمت کافی نہیں اور اگر ذبح کی نیت نہ تھی تو تصدق قیمت بھی کافی ہے۔

واللہ اعلم

۲۳ر رجب ۴۷ھ

متعدد مساجد میں تراویح پڑھانے کی نذر کا حکم!

سوال:- ایک شخص نے یہ کہا کہ میں اگر اس مقام پر رہ گیا تو جتنی یہاں مسجدیں رہیں گی اُن میں حتی الوسع تراویح پڑھاؤں گا بشرطیکہ وہاں کے مصلّیاں سُننے پر راضی ہوں تو صرف ان الفاظ سے نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟ کیا نذر کے انعقاد کے لئے لفظ اللہ یا اس کے مثل دوسرا لفظ کہنے کی ضرورت ہے مدلل و مشرح جواب ارسال فرمائیں۔

سائل محمد ایوب اسرادی

الجواب

بیس رکعات سے زیادہ یہ شخص تراویح پڑھا ہی نہیں سکتا پس اگر اس کو نذر مان بھی لیا جائے جب بھی اس کے ذمّہ سب مسجدوں میں تراویح پڑھانا لازم نہیں، کیونکہ نذر بلفظِ

تراویح تھی اور تراویح بیس رکعت سے زائد نہیں ہوسکتی اور یہ سب مسجدوں میں تراویح پڑھا ہی نہیں سکتا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ نذر کے لئے کافی نہیں ہیں کیونکہ ان میں کوئی لفظ لزوم و التزام کا نہیں ہے نہ لفظ نذر ہے نہ لفظ منت ہے نہ کوئی اور لفظ مفید لزوم ہے۔

واللہ اعلم

۱۲ رمضان ۴۷ھ

ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً **سوال**:۔ اگر کسی نے کہا کہ "میں اگر یہاں رہا تو جتنی مسجدیں خالی رہیں گی وہاں تراویح پڑھاؤں گا" صرف ان لفظوں سے نذر منعقد ہوگی یا نہیں۔ کیا انعقاد نذر کے لئے "لِلّٰہ" یا اس کے مثل دیگر الفاظ کی ضرورت ہے۔ اور لفظ "تراویح" بجائے "لِلّٰہ" کافی ہے یا نہیں؟ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتویٰ دیا ہے کہ "تراویح" کا لفظ بجائے "لِلّٰہ" کافی ہے کیونکہ نماز خود "لِلّٰہ" ہے۔

السائل:

محمد ایوب حنفی

الجواب

تراویح بیس رکعت سے زائد نہیں لہٰذا اگر اس کو نذر مان بھی لیا جائے جب بھی یہ شخص اس نذر کی وجہ سے بیس سے زائد تراویح دوسروں کو نہیں پڑھا سکتا کیونکہ وہ تراویح نہ ہوگی بلکہ محض نفل ہوگی اور نذر مقید بالتراویح ہے۔

دوسرے: نذر میں تعیین مکان لغو ہے اگر کوئی نذر کرے کہ میں ہر مسجد میں دو دو رکعت پڑھوں گا اس کے ذمہ ہر مسجد میں پڑھنا لازم نہ ہوگا بلکہ ایک مسجد میں پڑھ لینا کافی ہے۔

www.ahlehaq.org

قال الشامی: لوعین وهما او فقیراً او مکاناً للتصدق او للصلاۃ فالتعیین لیس بلازم فتح و بحر اھ (ص۱۰۲ ج-۳)

لھذا ان لفظوں سے وہ نذر منعقد نہیں ہوئی جو مولانا عبدالحئ رح کی مخلص میں مراد ہے مولانا کی مراد یہ ہے کہ تراویح سے الگ تراویح کے بعد یوں نذر کرے کہ میں اللہ کیلئے اپنے اوپر اتنی رکعات نافلہ لازم کرتا ہوں پھر ان رکعات منذورہ میں دوسرے لوگ بہ نیت تراویح اسکی اقتداء کرلیں، یہ جواب تو اس صورت میں تھا کہ جبکہ ان الفاظ مذکورۂ سوال کو نذر کیلئے کافی مان لیا جائے مگر درحقیقت یہ الفاظ نذر کے واسطے کافی نہیں کیونکہ نذر کی حقیقت التزام قربت غیر لازمہ عرف من جنسھا واجب شرعاً (کشاف اصطلاحات نقلاً عن جامع الترمذی والکبیر للرازی وشرح المنہاج فتاوی الشافعیہ

اور التزام کیلئے صیغہ دال بر لزوم ہونا چاھئے اور صورت مسئولہ میں کوئی صیغہ مفید لزوم نہیں ہے۔ اور کسی کا یہ کہنا کہ "تراویح" بجائے "للہ" کافی ہے غلط ہے کیونکہ اس میں لزوم کے معنی نہیں اور جو دلیل بیان کی ہے کہ نماز خود للہ ہے عجیب ہے کیونکہ مقتضا یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ کی نذر منعقد ہونے کیلئے صیغہ لزوم کی ضرورت ہی نہ ہو بس جہاں زبان سے اتنا نکلا کہ "میں نماز پڑھونگا، روزہ رکھونگا، حج کرونگا" اسی وقت اس کے ذمہ نذر لازم ہوجائیگی کیونکہ نماز، روزہ، حج وغیرہ للہ ہوتا ہے حالانکہ فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ صرف اتنا کہدینا کہ "اصوم کذا، واصلی کذا" نذر منعقد کیلئے کافی نہیں جب تک صیغہ لزوم کا اسکے ساتھ نہ ہو جیسے "للہ علیّ ان اصوم کذا یا علیّ ان اصوم او اصلی کذا" جس سے معلوم ہوا کہ عبادت کا فی نفسہٖ للہ ہونا کافی نہیں بلکہ صیغۂ لزوم کا استعمال ضروری ہے اور لفظ تراویح کو کوئی عاقل مفید لزوم نہیں کہہ سکتا فقط

واللہ اعلم

۲۰ رمضان ۴۷ھ

نذر کی ایک صورت کا حکم **سوال ۵**۔ فاطمہ وعبداللہ دونوں حقیقی بھائی بہن ہیں فاطمہ ایک معمولی حیثیت کے یہاں بیاھی ہے اور عبداللہ متمول آدمی ہے اور اکثر بسلسلۂ تجارت باہر رہا کرتا ہے اسطرف کئی ماہ سے بعارضہ ضعف قلب بیمار تھا اب گھر آیا ہے تو فاطمہ اسکی بہن اسکو دیکھنے آئی۔ دیکھکر اس نے منت اسطرح مانی کہ "یا اللہ اگر میرا بھائی اچھا ہوجائے

تو میں دس روزے رکھونگی ،، اور عبداللہ ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلائیگا ،، فاطمہ چونکہ نادار ہے اس وجہ سے دس روزے کی منت اپنے ذمہ مانی اور ساٹھ محتاجوں کے کھانے کی منت عبداللہ کے ذمہ مانی۔ بغیر اطلاع و اجازت عبداللہ کے پس اگر عبداللہ اچھا ہو گیا تو اطعام مسکین کی منت صحیح ہو گی یا نہیں ؟ اگر صحیح ہو گی تو کس کے ذمہ اسکی ادائیگی واجب ہو گی۔

کمترین احمد علی۔ از علی آباد ضلع بارہ بنکی۔

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں جب عبداللہ تندرست ہو جائے تو فاطمہ کے ذمہ تو دس روزہ رکھنا لازم ہے لیکن فاطمہ کے کہنے سے عبداللہ کے ذمہ مساکین کو کھلانا واجب نہیں فقط واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
یکم رجب سنہ ۴۸ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
یکم رجب سنہ ۴۸ھ

"فلاں کام کروں تو جنت حرام" کہنے سے یمین نہیں ہوتی

سوال :۔ اگر کوئی کہے کہ "تیرے ہاتھ کی لائی ہوئی چیز اگر کھاؤں تو اسپر جنت حرام ہے" یمین ہو گی یا نہیں ؟ مجموعۃ الفتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یمین نہ ہو گی۔

الجواب :۔ فی العالمگیریۃ : ولو قال : حرم اللہ علیہ الجنۃ ان فعل کذا او عذبہ بالنار فشیءٌ من ھذا لا یکون یمیناً (ص ۳۶ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ مجموعۃ الفتاویٰ کا جواب صحیح ہے اور اس صورت میں یمین نہ ہو گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲ر صفر سنہ ۴۹ھ

وقد عزمت علی الرحیل الیٰ رنگون بعد غدٍ وفقنی اللہ تعالیٰ للعود الیٰ الخانقاہ باتم سرور و افضل وجہ فایم اللہ انہ لاحب البقاع الیّ بعد بیت اللہ وبیت رسولہ ولکن الحاجۃ اضطرتنی الی السفر البعید جعلہ اللہ سبباً للفوز المزید وذریعۃ لرضاء وجہہ الکریم۔

"میرے لڑکے کو خدا نے صحت دی تو ہم اور یہ لڑکا اور آپ تینوں حج کو چلیں گے الخ کہنے سے نذر نہیں ہوتی۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے کہا کہ میرا یہ لڑکا جو بی۔ اے پاس ہے اور تین سال سے مجنون ہے اگر خدا نے اسے صحت دی تو ہم اور یہ لڑکا اور آپ یعنی بکر تینوں حج کو چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکے کو صحت دی، صحت کے بعد اسکی شادی بھی ہوگئی اب زید کا خیال ہے کہ یہ نذر نہیں ہے، جو پورا کرنا واجب ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ یہ منت یعنی نذر کی صورت ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو صرف زید کے واسطے یا تینوں کے واسطے ؟

معرفت مولانا محمد شفیع صاحب لکھنوی

الجواب :۔ اگر الفاظ یہی تھے جو سوال میں مذکور ہیں تو نذر منعقد نہیں ہوئی۔

قال الشامی عن الخانیۃ : قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لایلزمه شئ الا ان یقول فللّٰه علیّ ان اذبح شاة اھ وھی عبارة متن الدرر وعللها فی شرحه بقوله لان اللزوم لایکون الا بالنذر والدال علیه الثانی لا الاول اھ فافاد ان عدم الصحة لکون الصیغة المذکورة لاتدل علی النذر ای لان قوله ذبحت شاة وعد لکن فی البزازیة : ان عوفیت صمت کذا لم یجب مالم یقل للّٰه علی وفی الاستحسان یجب ولو قال : ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیه الحج (ص ۱۰۷ ج ۳)۔ ای لما علم ان المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمة فان قوله انا احج لایلزم به شئ ولو علق وقال : ان دخلت الدار فانا احج یلزمه الحج اھ

(ص ۳۸۳ ج ۴ شامی)

قلت : وھذا استحسان مبناہ ما علم من عرف ذالك الزمان من ارادة الایجاب بمجرد التعلیق والا فالاصل عدم الایجاب بدون الصیغة الموضوعة له والتعلیق لیس للایجاب وضعًا فالظاهر عدم انقضاء النذر فی الصورة المسئول عنها لکون قوله ظاهرا فی الوعد دون النذر لکون المعلق فعله وفعل غیرہ وابنه وما هٰکذا یکون الایجاب عرفًا وانما

الایجاب فی مثل قولہ ان فعلت کذا فانا احج اذا جعل الحج مانعاً من الفعل او فی مثل قولہ ان عوفیت صمت کذا اذا کان الجزاء مطلوبًا و لکنہ فعل القائل او وصفہ واما وھو فعلہ وفعل غیرہ فالظاھر عدم تعارف النذر بمثل ھذا التعلیق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳، رمضان ۵۷ھ

کتاب اللقطۃ واللقیط

کیا تعریف کے بعد تصدّق لقطہ تملیکًا ضروری ہے یا بدون تملیک بھی جائز ہے۔

سوال :۔ مال لقطہ کے تبدل کے بارہ میں ایک مسئلہ کی سخت ضرورت ہے ازروئے مہربانی بحوالہ کتب ارشاد فرمادیں۔ ایک شخص کے پاس مال لقطہ کا بہت سا روپیہ ہے اور لقطہ کی تعریف باقاعدہ ہوچکی ہے اب وہ چاہتا ہے کہ اس روپیہ سے ایک غریب مفتی عالم کو چند کتب معتبرہ فقہی خرید کر دیدے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ شرح وقایہ میں مرقوم ہے "ویتصدق بھا فقیراً"، اب اس تصدق میں تبدل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضور تصدّق میں تملیک متصدق علیہ صرف رکن ہے کیا یہاں تملیک نہیں پائی جاتی ہے حضور مال زکوٰۃ میں عند الفقہاء تبدل جائز ہے یعنی زکوٰۃ کے روپیہ سے اگر مسکین کو غلہ یا کپڑا خرید کر کے دیدے تو جائز ہے کیونکہ تملیک تو موجود ہے پس مالِ لقطہ میں یہ کیوں جائز نہ ہوگا۔ خیر اگر تبدل جائز نہ ہو تو اسطرح پر کہ ایک غریب کو دیدے۔ وہ مفتی کو دیدے یہ حیلہ کرنے سے کیا وہ ملتقط گناہگار ہوگا یا نہیں؟ حضور صاف طور سے لکھیں۔ اس مسئلہ میں علماء دیار حیران ہیں باتحقیق بحوالہ کتب ازروئے مہربانی جلد تحریر فرمائیں۔

عرضگذار محمد عبد المجید غفرلہ ہیڈ مولوی دولت خان ہائی اسکول بریال

الجواب :۔ لقطہ کے بارہ میں فقہاء کے اقوال سے اتنا تو ثابت ہے کہ غنی پر اس کا تصدق واجب ہے لیکن آیا اس کا یہ مطلب ہے کہ لقطہ کا حکم وقت تصدّق صدقہ

واجبہ کا ہے (حتی یجب فیہ التملیک کالصدقات الواجبة) یا مطلب یہ ہے کہ صرف تصدق واجب ہے اور صدقات واجبہ کے مثل نہیں ہے کما اذا اجمع مالاً من کسب حرام فیجب علیہ التصدق بہ ولا یکون کالصدقة الواجبة حتی یبرأ ذمتہ بالتصدق علی ابنہ الکبیر الفقیر ۔ احقراب تک اسکو مثل صدقات واجبہ کے لازم التملیک سمجھتا تھا اور حضرت حکیم الامت واجب التصدق سمجھتے ہیں صدقہ واجبہ نہیں سمجھتے اور ابتک کسی جزئیہ صریحہ سے یہ اختلاف مرتفع نہیں ہوا البتہ رجحان قول حضرت حکیم الامت کو معلوم ہوتا ہے وجداناً ۔ بعد میں جزئیہ مل گیا کہ اس میں دونوں قول ہیں مگر مشہور تملیک فقیر ہے رہا یہ کہ اس میں تبدل جائز ہے یا نہیں؟ سو بظاہر لقطہ کا حکم امانت کا حکم ہے اور امانت میں اداء عین واجب ہے اسلئے جب تک عین قائم ہو اسی کو تصدق کیا جائے اگر غلطی سے ہلاک کیا جائے تو پھر تصدق قیمت سے بھی ذمہ بری ہو جائیگا وبہ افترق عن الزکاة ۔ پس یہی رقم مفتی کو دیدی جائے یا حیلہ کر کے دیدی جائے ۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

تتمة الجواب

قال: فی الدر فی مصارف بیوت المال: مانصہ ورابعها الضوائع مثل مالا یکون له اناس وارثون الی ان قال ورابعها فمصرفه جهات تساوی النفع فیها المسلمون اھ

قال الشامی: قوله الضوائع جمع ضائعة ای اللقطات وقوله مثل مالا الخ ای مثل ترکة لا وارث لها اصلاً اولها وارث لا یرد علیه کاحد الزوجین الخ وقوله ورابعها فمصرفه جهات الخ موافق لما نقله ابن الضیاء فی شرح الغزنویة عن البزدوی من انه یصرف الی المرضیٰ والزمنی واللقیط و عمارة القناطیر والرباطات والثغور والمساجد وما اشبه ذالك اھ ولکنه مخالف لما فی الهدایة والزیلعی افاده الشرنبلالی ای فان الذی فی الهدایة وعامة الکتب ان الذی یصرف فی مصالح المسلمین هو الثالث کما مر واما الرابع فمصرفه المشهور هو اللقیط الفقیر والفقراء الذین لا اولیاء لهم فتعطی منه نفقتهم واد ویتهم وکفنهم ۔ وعقل

جنایتهم کما فی الزیلعی وغیرہ۔ وحاصلہ ان مصرفہ العاجزون الفقراء فلو ذکر الناظم الرابع مکان الثالث ثم قال: وثالثها حواه عاجزونا ورابعها فمصرفه الخ یوافق ما فی عامة الکتب اھ (ص۹۳ ج۳)

وفی الهدایة: ولا یتصدق باللقطة علی غنی لان المامور به هو التصدق لقوله علیه السلام فان لم یأتِ یعنی صاحبها فلیتصدق به والصدقة لا یکون علی غنی فاشبه الصدقة المفروضة اھ (ص۵۹۳ ج۲) وهذا یفید قوة ما اجبت به من اشتراط التملیک فیه۔ واللہ اعلم

۲۲ رجب ۴۶ھ

کتاب الوقف

مالِ وقف سے ملازم کو اسکی اجرت سے زیادہ دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ موقوفہ زمین پر مسجد اور مدرسہ قائم کیا اور مسجد کی خدمت کیلئے دو شخص امام اور مؤذن مالِ موقوفہ سے مقرر کئے ہیں اور مدرسہ میں چند مدرس پڑھانے کیلئے معین کئے۔ مگر جس دن صاحبانِ مذکور غیر حاضر رہتے ہیں اس دن کی تنخواہ متولی مالِ موقوفہ سے دے سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جس دن مؤذن اور امام غیر حاضر ہوں اور غیر حاضری بلا عذر کے ہو اس دن کی تنخواہ کے وہ مستحق نہیں ہیں، البتہ اگر کسی کو نائب کر دیں تو پھر اجرت کے مستحق ہونگے۔ یا غیر حاضری سال بھر میں ایک ہفتہ سے زیادہ نہ ہو تب بھی مستحق ہونگے۔ اور اگر غیر حاضری کیلئے متولی نے کوئی قاعدہ تجویز کر رکھا ہو تو اس قاعدہ کے موافق عمل ہوگا۔

قال فی الشامیة (ص۶۳۱ ج۳): وفی القنیة من باب الامامة: امام یترک الامامة لزیارة اقربائه فی الرساتیق اسبوعًا اونحوه اولمصیبة اولاستراحةٍ لا باس به ومثله عفو فی العادة والشرع اھ

وقد ذکر فی الاشباه فی قاعدة العادة محکمة عبارة القنیة هذه وحملها علی انه یسامح اسبوعاً فی کل شهر واعترضه بعض محشیه بان قوله فی کل شهر

لیس فی عبارۃ القنیۃ مایدل علیہ۔

قلت ؛ والاظہر مافی آخر شرح منیۃ المصلی للحلبی ان الظاہر ان المراد فی کل ستۃ اھ

قال الطرطوسی: ومقتضاہ ان المدرس ونحوہ اذا اصابہ عذر من مرض اوحج بحیث لا یمکنہ المباشرۃ لا یستحق المعلوم لانہ اراد الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرۃ فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وھذا ھو الفقہ اھ ملخصًا۔

قلت: ولا ینافی ھذا ما مر من المسامحۃ باسبوع ونحوہ لان القلیل مغتفر کما سومح بالبطالۃ المعتادۃ علی ما مر بیانہ فی محلہ اھ

قال الخیر الرملی: وکل ھذا اذا لم ینصب نائبًا عنہ والا فلیس لغیرہ اخذ وظیفۃ اھ۔ واللہ اعلم

۲۱ محرم سنہ ۴۰ھ

متولی کے مالِ وقف سے بخشش دینے کا حکم

سوال ؛ کیا وقف کے مال سے متولی کسی شخص کو بخشش کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالبینۃ وبالدلیل توجروا بالاجر الجزیل مع حوالۃ الکتب الفقہیۃ لکن لنا کالبدھیۃ۔

الجواب ؛ متولی کو مالِ وقف سے بخشش دینا ان لوگوں کو جائز ہے جو اس وقف کے ملازم اور مستحق ہیں بشرطیکہ اس نیت سے ہو کہ یہ لوگ وقف کا کام اچھی طرح کریں گے۔ متولی کسی اپنی غرض سے یا رعایت اور لحاظ سے نہ دیتا ہو۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ بخشش اس قدر ہو جس قدر عام طور پر کام لینے والے کام کرنے والوں کو دیدیا کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ ہو۔

تجوز الزیادۃ من القاضی علی معلوم الامام اذا کان لا یکفیہ وکان عالمًا تقیًا الخ

قلت: ویؤیدہ مافی البحر من جواز اخذ الامام فاضل الشمع فی رمضان اذا جرت بہ العادۃ الخ۔ واللہ اعلم

۲۱ محرم سنہ ۴۰ھ

وقف علی الاولاد کی ایک صورت

سوال : وقف کے متعلق تین سوالات دریافت طلب ہیں ان مسائل کا جواب بالتفصیل بحوالہ کتب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

سوال اول یہ کہ علاوہ مساجد وخانقاہ ودیگر کارِ خیر کے اپنی اولاد کیلئے جائیداد کا وقف کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

اگر زید نے اپنی کل جائیداد اسطرح وقف کردی ہو کہ

(۱) اسکی کل جائیداد موقوفہ کا متولی بڑا بیٹا ہوگا اور بعد وفات بڑے بیٹے کے بڑے بیٹے کا بڑا بیٹا متولی ہوگا علیٰ ھذا القیاس اور جب بڑے بیٹے کی نسل منقطع ہوجائیگی تب جائیداد کی تولیت اسکے بعد جو بڑا بیٹا ہوگا اسکے خاندان میں منتقل ہوجائیگی تو تولیت بڑے لڑکے کے چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو جائیداد سے کوئی سروکار نہوگا۔

(۲) جائیداد کی کل آمدنی متولی اپنے ذاتی تصرف میں لائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے کسی کو اس سے محاسبہ کا حق نہوگا جائیداد موقوفہ کی صرف ایک ربع آمدنی مرمت مساجد وامداد فقراء کیلئے ہے۔

اس پر یہاں سے سوال کیا گیا

اور دوسری اولاد کہاں گئی اس سوال کے جواب کے بعد دوسرے سوالات کا جواب دونگا۔

اسکا یہ جواب آیا

حضور کے اس سوال کا جواب کہ اور دوسری اولاد کہاں گئی مفصلہ ذیل میں ہے۔

زید کو انتقال کئے ہوئے قریب ڈھائی سال ہوگئے انتقال کے وقت زید نے دو لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ بڑا لڑکا جائیداد کا متولی ہے دوسرا لڑکا اپنے والد کی حیات ہی سے نوکری کرتا ہے اور اب ایک سال سے اپنے سسرال میں رہتا ہے لڑکیوں میں سے دو کی شادی ہوچکی کئی سال ہوگئے اسلئے وہ اپنے اپنے شوہروں کے یہاں رہتی ہیں سب سے چھوٹی لڑکی ہنوز ناکدخدا ہے اور وہ اپنے بڑے بھائی یعنی متولی صاحب کے یہاں رہتی ہے اب بڑے بھائی صاحب کی مہربانی پر موقوف ہے کہ جسطرح اس کا سامان کردیں، سوائے اس لڑکی کے بقیہ بھائی اور دو شادی شدہ بہنوں کو جائیداد موقوفہ سے نفع نہیں پہونچتا ہے اور نہ از روئے وقف نامہ انکو کوئی دعویٰ کرنیکا حق معلوم ہوتا ہے۔ زید نے اپنی وفات سے ایک سال قبل اپنی

جائیداد وقف کی، اور بنک میں کچھ نقد روپیہ جمع تھا اس سے اپنی اوقات گذاری کرتا تھا بعد مرنے زید کے جو کچھ روپیہ بنک سے نکلا سب ورثاء نے حسب حصہ شرعی تقسیم کر لیا لیکن جائیداد چونکہ حسب شرائط مندرجہ سوالات وقف ہے اسلئے ورثاء خاموش ہیں۔

(۳) جائیداد کی آمدنی صرف خرچ کرنیکا حق ہوگا ورنہ کسی متولی کو مکفول محبوس بادین یا بیع کرنیکا حق نہ ہوگا۔

سوال دویم۔ اگر زید نے وقف مذکورہ بالا میں یہ شرط لگائی ہو کہ جب خاندانِ زید میں کوئی باقی نہ رہے اور سلسلۂ نسل منقطع ہو جائے تو اسکے بھائی کے خاندان میں جائیداد منتقل ہو جائے اور جب بھائی کے خاندان میں کوئی نہ رہے تو زید کی بہن کے خاندان میں جائیداد موقوفہ کی تولیت منتقل ہو جائے اور تولیت میں جائیداد موقوفہ کی ذکور کو اناث پر قریب کو بعید پر بڑے کو چھوٹے پر ہمیشہ ترجیح ہوگی اور اگر خاندانِ زید برادر زید و ہمشیرہ زید ہر سہ میں کوئی فرد باقی نہ رہے تو عام مسلمان جائیداد موقوفہ کا انتظام کریں اور آمدنی اسکی کار خیر میں صرف کیا کریں۔ کیا یہ شرائط درست ہیں؟

سوال سویم۔ اگر زید نے اپنی بیوی کا دین مہر نہ ادا کیا ہو اور اپنی کل جائیداد اسطرح وقف کر دی ہو تو وقف جائز ہے یا نہیں؟

تتمہ۔ مندرجہ بالا ہر سوالات میں زید حنفی المذہب ہے

پھر یہاں سے یہ سوال کیا گیا۔

واقف نے ایک ربع آمدنی تو فقراء کیلئے وقف کی ہے باقی تین ربع جو وقف علی الاولاد ہے اسمیں یہ تصریح ہے یا نہیں کہ اگر نسل بالکل منقطع ہو جائے تو سب مساکین کیلئے وقف ہے اس کا جواب ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ وقف نامہ یا اسکی نقل یہاں بھیجدی جائے۔ اور یہ سوالات بھی واپس آئیں۔

اسکا یہ جواب آیا۔

حضور نے یہ دریافت فرمایا ہے کہ ایک ربع آمدنی تو فقراء کیلئے وقف کی ہے باقی تین ربع جو وقف علی الاولاد ہے اسمیں یہ تصریح ہے یا نہیں؟ کہ اگر نسل بالکل منقطع ہو جائے تو سب مساکین کیلئے وقف ہے اسکے جواب میں یہ عرض ہے کہ بے شک یہ تصریح ہے کہ جب نسل زید، برادر زید، و ہمشیرہ زید میں سے کوئی نہ رہے اور نسل بالکل منقطع

ہوجائے تو کل جائیداد بلا استثناء غرباء و مساکین کے مصرف میں خرچ ہو اور اس وقت کل جائیداد مساکین کیلئے وقف ہے لیکن جب تک کہ زید برادر زید و ہمشیرہ زید کے خاندان میں کوئی شخص بھی باقی ہے ذکور ہو یا اناث اس وقت صرف ایک ربع آمدنی غرباء و دیگر کار خیر کیلئے وقف ہے سوال دویم کے آخر میں، میں نے اس سوال کا جواب قبل ہی احتیاطاً لکھدیا ہے سوال دویم کے زیر تحریر عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"میں وقف نامہ یا اسکی نقل ضرور روانہ کرتا، لیکن چونکہ وقف نامہ ثبوت میں داخل عدالت ہے اسلئے مجبور ہوں دو مہینہ سے قبل وقف نامہ ملنے کی امید نہیں میں نے وقف نامہ کو پانچ چھ مرتبہ بخوبی پڑھا ہے اسمیں کوئی اور خاص شرط نہیں اگر یہ جواب جو کہ میں بھیج رہا ہوں قابل تشفی نہ ہو اور کوئی نئی شق معلوم ہو تو کل سوالات وجوابات واپس فرمائیں انشاء اللہ جب وقف نامہ واپس ہوگا معہ سوالات روانہ خدمت کرونگا فقط۔

میں فتویٰ پر [illegible] دستخط نہیں چاہتا اور نہ عدالۃً مجھے اس فتویٰ سے فائدہ اٹھانا ہے اتباع شرع کی کوشش کر رہا ہوں حق العباد مجھ پر یا واقف مرحوم پر نہ رہے۔

الجواب

(۱) وقف علی الاولاد جائز ہے۔

قال فی الشامیۃ ناقلاً عن الخانیۃ: وقف ضیعۃ نصفها علیٰ امرأته ونصفها علیٰ ولده زید علی انه ان ماتت المرأة فنصیبها علی اولاده ثم ماتت المرأة فالنصف لابنه زید ونصیب المرأة لسائر الاولاد ولزید اھ (ص ۶۴۳ ج ۳)

صورت مسئولہ میں زید کا بڑے بیٹے کو متولی بنانا صحیح ہے مگر دوسری اولاد کو منافع جائیداد سے محروم کردینا اور ساری آمدنی میں تصرف کرنیکا حق متولی کو دیدینا یہ شرط ناجائز ہے متولی کو لازم ہے کہ تمام اولاد ذکور و اناث کو حصہ شرعی کے موافق آمدنی تقسیم کرکے دیتا رہے۔

قال فی الشامیۃ ناقلاً عن الفتح: فان شرائط الواقف معتبرة مالم تخالف الشرع وهو مالك فله ان یجعل ماله حیث شاء مالم یکن معصیة اھ (ص ۵۵۸ ج ۳)

قلت: ولا یخفیٰ ان شرط التصرف لولده الکبیر فی جمیع المال وجعل سائر الاولاد محرومین منه شرط مخالف للشرع فلا یصح تامل! — نعم لو وقف علی احد ولده معیناً ولم یقف علی غیره صح الوقف ولم یبق فیه حق لغیره وههنا لم یقف

علی الولد الکبیر بل شرط له التولیة وجعل له التصرف فی کل المال فهو الشرط فی الوقف فلا یصح لکونه معصیة۔ واللہ اعلم

پس جائیداد مذکورہ کا ایک ربع مساجد و مساکین کیلئے جدا کرکے باقی آمدنی زید کی تمام اولاد پر اور زوجہ وغیرہ وارثان شرعی پر موافق حصہ شرعی تقسیم ہونی چاہئے۔

(۲) زید نے تولیت کیلئے جو شرائط مقرر کی ہیں وہ سب معتبر ہیں مگر متولی کیلئے ساری آمدنی میں حق تصرف دینا اور بقیہ ورثاء کو محروم کردینا یہ شرط باطل ہے۔

(۳) اگر دین مہر بیوی کا ادا نہ کیا ہو تو وقف تو صحیح ہوگیا مگر آمدنی وقف میں سے بیوی کا مہر ادا کرنا متولی کے ذمہ لازم ہے بیوی متولی سے مطالبہ کرے۔

قال فی الدر عن الوهبانیه: فان مات عن عین تفی (للدین) لا یغیر (الوقف) ای والا فیبطل او للغلة یمهل ونقل فیه عن ابی السعود بان الوقف لا یصح ولا یلزم بمقدار ما شغل بالدین اه (ص۶۱۲ ج-۳) ملخصاً

واللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

ربیع الثانی ۴۰ھ

السلام علیکم۔ جواب مرسل ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب وقف سب اولاد پر ہے تو یہ شرط لگانا کہ بڑا بیٹا کل آمدنی اپنے ذاتی تصرف میں لائے ناجائز ہے۔

اشرف علی

(نوٹ) ہم نے سوال سے یہ سمجھا ہے کہ جائیدادِ وقف تو اولاد پر ہے لیکن صرف حق تولیت بڑے بیٹے کو دیا گیا ہے پس یہ جواب اسی صورت پر ہے اور اگر سب اولاد پر وقف نہیں بلکہ صرف بڑے بیٹے پر وقف ہے اور اسی طرح آئندہ نسل میں جو بڑا ہو اسپر وقف ہے تو اس صورت میں یہ جواب نہ ہوگا اگر یہ صورت ہو تو اسکی تصریح لکھکر سوالات مع اس جواب کے پھر واپس کئے جائیں۔ والسلام۔

اپنی کل جائیداد وقف کردینے کا حکم اور مرض وفات میں وقف کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص لاولد اپنی حالتِ صحت میں اپنی جائیداد کو بذریعہ دستاویز جس میں یہ مضمون ہو کہ میں نے اپنی جائیداد کو اسطرح وقف کردی کہ ایک حصہ مسجد

کے نام وقف کردیا اور ایک حصہ بغرض ایصال ثواب کے وقف کرکے اس کا فلاں شخص کو متولی بنا دیا وقف کردے تب بعد وفاتِ واقف کے وراثت جاری ہوگی یا نہیں اور خرچ تجہیز متوفی کہاں سے کیا جائیگا؟

اور اگر کوئی شخص مرض الموت میں حسبِ مضمون بالا دستاویز لکھدے یا وصیت کردے اور وصیت یہ ہو کہ میری جائیداد اس طرح پر وقف کردی جائے کہ ایک حصہ مسجدِ محلہ کے نام کردیا جائے اور ایک حصہ کی آمدنی میرے ایصالِ ثواب میں صرف کی جائے اور اس کا فلاں متولی رہے اس صورت میں کل جائیداد میں وراثت جاری ہوگی یا تہائی میں؟ اور خرچ متوفی کس کے ذمہ رہے گا یعنی ثلث حصہ پانے والے کے ذمہ یا دوسرے دو ثلث میں؟ بینوا توجروا۔

السائل۔ پیر جی ظفر صاحب گنگوہی۔

الجواب:۔ جس شخص لاولد نے بحالتِ صحت اپنی جائیداد کو حسبِ مضمون دستاویز مذکور سوال وقف کردیا ہے اور جو حصہ مسجد کیلئے وقف کیا ہے اس میں یہ بھی لکھدیا ہے کہ اگر مسجد نہ رہے تو اسکی آمدنی غرباء و مساکین کو دی جائے تو یہ وقف صحیح ہوگیا اب اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور تجہیز و تکفین واقف کی اس زمین کی آمدنی سے جائز نہیں ہے بلکہ اگر اسکی اور کوئی چیز اسباب و متاع و مکان مسکونہ کی قسم سے ہو تو اس میں سے تجہیز و تکفین کی جائے اور اگر اس کے ترکہ میں کچھ بھی نہ ہو تو عام مسلمانوں سے چندہ کیا جائے۔

اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ دستاویز وقف مرض الموت میں لکھی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے زبانی وقف حالتِ صحت میں کردیا تھا صرف دستاویز کا لکھنا مرض الموت میں ہوا اور حالتِ صحت میں وقف کرنیکے گواہ بھی دو آدمی کم از کم ہیں تب بھی یہ وقف صحیح ہوگیا بشرطیکہ اس نے یہ بھی کہدیا ہو کہ اگر مسجد نہ رہے تو آمدنی مساکین کو دی جائے اور وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر زبانی وقف حالتِ صحت میں بالکل نہیں کیا بلکہ مرض الموت ہی میں زبانی وقف بھی کیا یا صحت میں وقف کرنیکا مریض مدعی ہے مگر گواہ نہیں ہیں اور ورثاء بھی تسلیم نہیں کرتے تو اسی صورت میں یہ وقف ثلث مال میں جاری ہوگا بشرطیکہ یہ بھی کہدیا ہو کہ اگر مسجد نہ رہے تو مسجد کے حصہ کی آمدنی مساکین کو دی جائے۔

اور تیسری صورت میں جبکہ مریض نے مرض الموت میں محض وصیت کی ہو کہ میرے بعد میں جائیداد کو اسطرح وقف کردیا جائے اس صورت میں بھی یہ وصیت ثلث مال میں جاری ہوگی البتہ اگر ورثاء راضی ہوجائیں تو کل میں بھی جائز ہوجائیگی۔ واللہ اعلم[1]

۱۷ شوال سنہ ۴۰ھ

[1] تفصیل ملاحظہ ہو۔ شامی ص ۳۹۷ ج ۳ مطبع کوئٹہ، فتح القدیر: ج ۵ ص ۴۲۳۔ ایضاً تاتارخانیہ: ج ۵ ص ۷۰۹

اگر حالتِ مرض میں ثلث سے زائد مال وقف کردیا اور بعد میں تندرست ہوگیا تو وقف صحیح ہے

سوال: اڑہائی سو بیگہ میرے پاس زمین ہے اولاد ذکور میری نہیں دو لڑکیاں اور ایک بیوی سردست وارث ہیں۔ جائیداد وقف کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ یہ سنکر میں نے ایک سو ۱۷۶ چھتر بیگہ اراضی خدا کے نام وقف کردیا ہے وقف کرنے کے بعد یہاں کے لوگ کہنے لگے کہ اسقدر جائیداد وقف کرنا جائز نہیں۔ تم سخت گناھگار رہ گئے، تم نے ورثاء کی حق تلفی کی، تیسرے حصہ سے زیادہ وقف اور ہبہ جائز نہیں بایں وجہ میں نے اس اطراف کے عالموں سے فتوٰی کرایا ہے یہاں کے عالموں نے بھی فتوٰی دیا کہ تیسرے حصہ سے زیادہ جائیداد وقف کرنا جائز نہیں ہے وقف کو توڑ دینا چاہئے فتوٰی بھی ارسال خدمت ہے ملاحظہ فرماکر جواب عنایت فرمائیں۔ آپ کے جواب سے تسکین ہوجائیگی۔

سائل۔ یوسف منڈل از موضع لاؤ بھانگا

پوسٹ بارہ گھریہ ضلع مالدہ۔

الجواب: قال فی العالمگیریة: وان نجز الوقف فی المرض فھو بمنزلة المعلق بالموت فیما ذکرہ الطحاوی والصحیح انه بمنزلة المنجز فی الصحة عند ابی حنیفة رح فلا یلزم وعندھما یلزم من الثلث کذا فی التبیین۔ واذا کان الملك یزول عندھما یزول بالقول عند ابی یوسف رح وھو قول الائمة الثلاثة وھو قول اکثر اھل العلم وعلی ھذا مشائخ بلخ۔ وفی المنیة: وعلیه الفتوٰی کذا فی الفتح وعلیه الفتوٰی کذا فی السراج الوھاج وقال محمد: لا یزول حتی یجعل للوقف ولیا ویسلم الیه وعلیه الفتوٰی کذا فی السراجیة وبقول محمد یفتی کذا فی الخلاصة فصح عند ابی یوسف رح وقف المشاع خلافا لمحمد رح اھ (ص ۱۹۸ ج ۳)

وفیه ایضاً: وقف المشاع المحتمل للقسمة لا یجوز عند محمد رح وبه اخذ مشائخ بخارا وعلیه الفتوٰی کذا فی السراجیة والمتاخرون افتوا بقول ابی یوسف رح انه یجوز وھو المختار کذا فی خزانة المفتین اھ۔

وفی احکام الاوقاف للخصاف: فان وقف ارضا له فی مرضه علی المساکین ثم برأ وصح ثم توفی بعد ذالك قال: ھذا قد صار وقفا فی الصحة لما برأ من مرضه ذالك اھ (ص ۲۶۴)۔

صورتِ مسئولہ میں یہ وقف بتمامہ صحیح ہوگیا ثلث مال تک محدود نہیں کیونکہ ثلث مال پہ

وقف مریض اس وقت موقوف ہوتا ہے جبکہ اس مرض میں واقف مرجائے اور جب اس مرض سے صحت ہوگئی تو یہ وقف مثل وقف صحت کے کل مال میں صحیح ہوگا۔[1]

رہا یہ کہ اتنی جائیداد کے وقف کرنے سے ورثاء کے محروم کرنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ اسکے متعلق یہ تفصیل ہے کہ جتنی زمین واقف نے اپنے ورثاء کیلئے چھوڑی ہے وہ اگر انکے لئے کافی ہے تب تو کچھ گناہ نہیں اور اگر کافی نہیں تو واقف کو چاہئے کہ اپنی آمدنی میں سے ورثاء کی امداد کرتا رہے اور جو زمین اس نے اپنے واسطے رکھی ہے آئندہ اسکو وقف نہ کرے بلکہ ورثاء کیلئے چھوڑ جائے۔ واللہ اعلم۔

۲ر جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ

موروثی زمین وقف کرنے کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایسی اراضی خرید کر وقف کرنا چاہتا ہے جو کہ کاشتکار دخیلکار کے قبضہ میں ہے اور بکر عرصہ دراز سے اس اراضی کا دخیلکار کاشتکار ہے زید کا نام ترتیباً کاغذاتِ سرکاری میں بخانہ مالک درج ہوسکتا ہے اور کاشتکار سے لگان مجوزہ عدالت پانے کا مستحق ہے لیکن اراضی پر کسی قسم کا قبضہ زید کا نہیں ہوسکتا پس اگر زید ایسی اراضی دخیلکاری کو خرید کر مسجد کے نام وقف کردے تو یہ وقف شرعاً صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ قال فی العالمگیریۃ :۔ بعد بیان شرائط الوقف مانصہ واما عدم تعلق حق الغیر کالرھن والاجارۃ فلیس بشرط فھو آجر ارضا عامین فوقفھا قبل مضیھا لزم الوقف بشرطہ ولا یبطل عقد الاجارۃ فاذا انقضت المدۃ رجعت الارض الی ماجعلھا لہ من الجھات وکذا لو رھن ارضہ ثم وقفہ قبل ان یفتکہ لزم الوقف ولا یخرج عن الرھن بذالک اھ (ص ۱۹۹ ج ۳)۔

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ : سئل فیما اذا کان لزید مشرسکۃ فی ارض وقف سیخۃ ومات عن ابن وفوض المتوفی المشر المزبور لہ علی وجہ الاحقیۃ من الغیر فھل یکون ذالک واقعاً موقعہ الشرعی؟ ـــــ الجواب : نعم اھ (ص ۲۰۵ ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں زید ایسی اراضی کو خرید کر وقف کرسکتا ہے جو بکر کی کاشتکاری و دخیلکاری میں ہے اور یہ وقف صحیح ولازم ہوجائیگا اور زمین مذکور کا لگان مصالح وقف میں صرف کیا جائیگا۔ اور بکر دخیلکار کو واجب ہے کہ زمین وقف کا لگان پورا کردے یعنی جو لگان عرفاً اس زمین کا ہونا چاہئے وہ ادا کرے حق دخیلکاری کی وجہ سے اگر لگان کم ادا کردے گا تو

[1] سوال میں واقف کے مریض ہونے کا ذکر نہیں۔ اور جواب وقفِ مریض کا ہے۔ تاہم حالتِ صحت میں مذکورہ وقف بلاشبہ درست ہے۔

عند اللہ ماخوذ وگناھگار ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۸ رجب ۴۱ھ

مفروض شخص کے وقف کا حکم | **سوال:۔** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پر بار قرض کثیر تھا اور جائیداد سکنائی وصحرائی اس کے پاس کم مالیت کی تھی اور وہی اسکی معاش تھی قرضہ ادا کرنیکی قدرت نہ رکھتا تھا اس نے قرضہ مارنے کی نیت سے اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد لکھدیا اور اب اس وقت قرضہ دین مہر ڈگری شدہ ھے تو کیا۔

(۱) ایسا وقف شرعاً صحیح وجائز ھے؟

(۲) جائیداد بغرض ادائیگی قرضہ فروخت ہوسکتی ہے

سائل۔ سید واجد علی ولد سید عباس علی۔ محلہ مغل پورہ حصہ اول متصل مکان مولوی نورالحسن صاحب ممبر۔

الجواب

(۱) صورتِ مسئولہ میں وقف صحیح ہوگیا۔

(۲) اب اسکو بغرضِ ادائیگی قرضہ کے فروخت نہیں کرسکتے۔

قال فی الدر: وبطل وقف راھن معسر ومریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح لو قبل الحجر اھ

قال الشامی: قوله بخلاف صحیح ای وقف مدیون صحیح فانه یصح ولو قصد به المماطلة لانه صادف ملکه کما فی انفع الوسائل عن الذخیرة۔ قال فی الفتح وھو لازم لا ینقضه ارباب الدیون اذا کان قبل الحجر بالاتفاق لانه لم یتعلق حقهم بالعین فی حالة صحته اھ وبه افتی فی الخیریة من البیوع وذکر انه افتی به ابن نجیم وسیاتی فیه کلام عن المعروضات اھ (ص ۶۱۱ ج ۳)

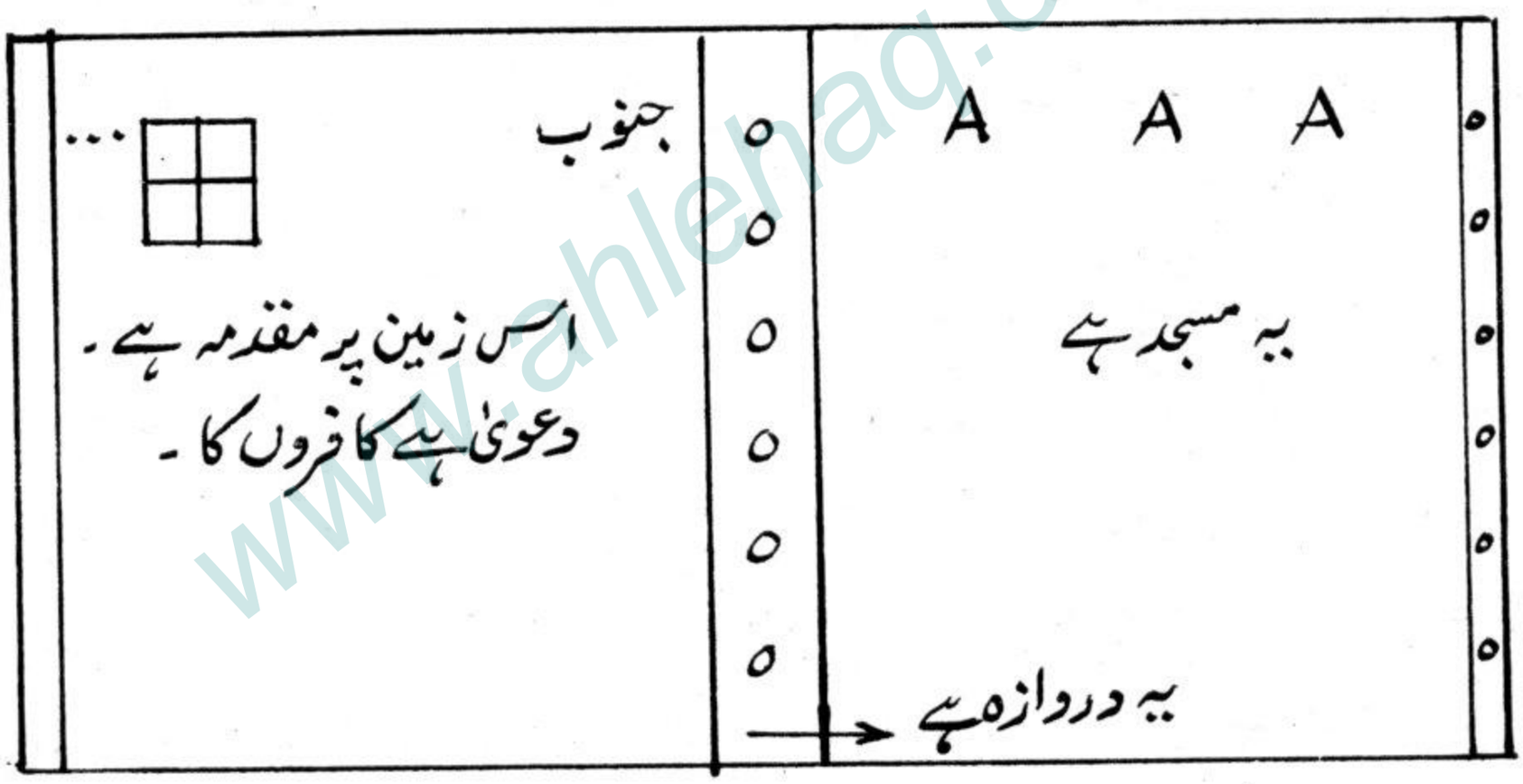
قلت: والکلام الذی یأتی عن المعروضات رده الشارح بانه خلاف المنقول الصریح الا ان یخصص بالمدیون المریض (ص ۶۱۲ ج ۳) وبعد ذالک فلا یلتفت الیه۔ واللہ اعلو۔

رہا یہ امر کہ اس وقف کی آمدنی سے بھی قرضہ وصول کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ سو اس کا فیصلہ وقف نامہ کی عبارت دیکھ کر ہوسکتا ہے اس کے بغیر نہیں ہوسکتا اگر وقف نامہ کی نقل بھیجی جائے تو اس کے ساتھ یہ سوال وجواب بھی واپس کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۷ رجب ۴۲ھ

اس وقفِ قدیم کا حکم جس کے وقف ہونیکا ثبوت موجود نہ ہو۔

سوال:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط حامداً ومصلیاً کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے جسکی مدت نہ معلوم ہے یعنی بہت عرصہ کی پرانی مسجد ہے اور ہمیشہ سے مسلمان قابض ہیں اور اس مسجد کے متعلق کچھ زمین ہے جو مسلمانوں نے اس کو عیدگاہ قرار دے رکھا ہے اس وقت سے جب سے مسجد بنی تب سے عیدگاہ قرار دیا گیا اور ہمیشہ عیدین کی نمازیں اُس بقیہ زمین میں مع مسجد کے ہوتی ہیں جسکی شکل میں جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ شکل یہ ہے۔



یہ کل زمین مسجد کے احاطہ میں ہے اور مسجد کی اس زمین پر جو عیدگاہ ہے اس پر کفار نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ عیدگاہ نہیں ہے مسلمانوں کی بلکہ یہ زمین ہم لوگوں کی ہے لہذا عرض ہے کہ ہم مسلمانوں پر اسکی محافظت فرض ہے یا نہیں یعنی ہم مسلمانان اپنی جان و مال قربان کریں یا نہیں؟ اور یہ مسجد اور عیدگاہ وقف ہے پھر اسکی حفاظت سے ہم مسلمانوں کو روگردانی کرنا کیسا ہے؟ فقط

نور محمد میاں صاحب نمازیپوری حال بھاٹ بارڑا۔

الجواب: قال فی احکام الاوقاف للخصاف (ص ۱۳۴): ارأیت هذه الوقوف التی تقادم اهلها ومات الشهود الذین یشهدون علیها ما السبیل فیها؟ — قال ماکان فی ایدی القضاة منها وماکان لها رسوم فی دواوین القضاة اجریت علی الرسوم الموجودة فی دواوینهم استحساناً اذا تنازع اهلها فیها ومالم یکن لها رسوم فی دواوینهم یعمل علیها فالقیاس فیها اذا تنازع القوم فیها ان یجعلوا علی التثبیت فمن ثبت فی ذالك شیئاً حکم له به اهـ.

صورتِ موجودہ میں اگر اس زمین کے متعلق پرانے کاغذات میں کوئی تصریح مل سکے تو اسکو تلاش کیا جائے اگر وقف ہونا معلوم ہوجائے تو بقدر وسعت اسکی حفاظت میں کوشش کی جائے فساد اور جنگ وجدال ہرگز نہ کیا جائے۔ اور اگر پرانے کاغذات سے کچھ پتہ نہ ملے تو مسلمانوں کی ظاہری قبضہ سے گو بظاہر یہ مسلمانوں کی زمین معلوم ہوتی ہے مگر یقین نہیں کیا جا سکتا لاختلاف حال المسلمین فی معاملة الاراضی فربما یقبضون علی ملك الغیر ویدخلونه فی المسجد ومضافاته قهراً۔ بلکہ مدعی سے کہا جائے گا کہ وہ اپنی ملکیت کا ثبوت دے اگر وہ اپنی ملکیت قاعدہ شرعیہ کے موافق شہادت رجال یا شہادت کاغذات قدیمہ سے ثابت کردے تو مسلمانوں کو یہ زمین مدعی کے حوالہ کردینی چاہئے ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم

۱۸ ذی قعدی ۱۳۴۲ھ

کسی شخص اور اسکی اولاد پر کچھ زمین نسلاً بعد نسل امامت کے واسطے وقف کرنیکا حکم۔

سوال: ۱ واقف نے زید اور انکی اولاد نسلاً بعد نسلٍ الی یوم القیمۃ کیلئے ایک مسجد میں امامت کرنے کیلئے تھوڑی زمین وقف کی اور اس شرط کے موافق ابتک جاری رہا اور اب زید کی اولاد تین چار پشت ہوکر انکے خاندان میں سو آدمی سے زیادہ ہوگئیں اب اس وقف کی زمین کی آمدنی ان لوگوں کو کفایت نہیں ہوتی ہے اور ان میں اکثر آدمی نماز پڑھانیکو لائق ہیں پس ان لوگوں میں کون امامت اور وظیفہ پانے کو مستحق ہے؟

۲ واقف نے زید کو ایک مسجد میں امامت کرنے کو تھوڑی زمین وقف کیا اب جماعت والے ان کو اس مسجد میں نماز پڑھانیکو حسد وغصہ کی وجہ سے منع کرتے ہیں اور جماعت والوں نے چندہ کرکے دوسرا امام مقرر کرلیا ہے حالانکہ زید امامت کرنیکو لائق تھا اب زید نے دوسرے محلے میں ایک مسجد بنائی اسمیں وقف زمین کی آمدنی سے وظیفہ پاکر زید کیلئے نماز پڑھانا جائز

ھے یا نہیں ؟

الجواب

(۱) اس وقف میں صرف وہ وارث مستحق ہیں جو اقرب بطن میں ہوں اور مسجد مذکور میں امامت کرے بقیہ اس میں مستحق نہیں ہیں اگر زید کی اولاد میں بطن اقرب میں لائقِ امامت چند اشخاص ہوں تو اس میں تفصیل ھے ۔ اگر اہل مسجد ان میں سے کسی ایک ہی کی امامت تجویز کریں بوجہ کسی ترجیح وافضیلت کے تب تو وہی شخص واحد آمدنی وقف کا مستحق ہے اور اگر سب کی امامت کو نوبت بہ نوبت منظور کرلیں تو ہر قابل امامت جو امامت کو بحالائے مستحق ہوگا اور آمدنی وقف ان سب پر تقسیم کی جائے گی پس جو شخص اولاد زید میں قابل امامت نہیں یا قابل امامت ھے مگر اھل محلہ واھل مسجد اسکی امامت منظور نہیں کرتے وہ اس وقف میں مستحق نہ ہوگا ھذا ما فھمتہ من القواعد ۔ واللہ اعلم

(۲) سوال دوم کا جواب بدون عبارت وقف نامہ دیکھے ہوئے نہیں دیا جاسکتا

فقط

۲۹ ر ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

(دلیل الاول) قال فی الفتاوی الحامدیہ : ونقل فی الاسعاف فی باب الوقف علی الاولاد واولاد الاولاد ولو ذکر البطون الثلاثۃ ثم قال : علی الاقرب فالاقرب او قال : علی ولدی ثم علی ولد ولدی ثم وثم او قال : بطناً بعد بطن یبدأ بما بدأ بہ الواقف ولا یکون للبطن الاسفل شئ ما بقی من الاعلی احداً اھ (ص ۱۳۷ ج ۱) ۔

قلت : فقولہ : نسلاً بعد نسلٍ فی معنی قولہ بطناً بعد بطن فلا یستحق الاسفل شیئاً ما بقی من الاعلی احد ویصلح للامامۃ ولیس للاناث فی ھذا الوقف شئ لانھن بمعزل عن الامامۃ ۔

وفیہ ایضاً : لا یستحق الا من باشر العمل اھ

وفی الاشباہ : وقد اغتر کثیر من الفقھاء فی زماننا فاستباحوا معالیم الوظائف من غیر مباشرۃ اھ (ص ۲۰۵ ج ۱)

قلت ، ومباشرۃ الامامۃ لیس باختیار المباشر بل تتوقف علی نصب

اهل المحلة اياه لها۔ و اللہ اعلم۔

مرض الموت میں وقف کرنیکا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس صورت میں کہ ہندہ نے اپنے مرض الموت میں اپنا حصۂ مکان متروکہ پدری غیر منقسمہ حسب دستاویز وقف نامہ مصدقہ تحریر شدہ وقف لوجہ اللہ بمسجد محلہ کیا اور اپنی حیات میں اسپر متولیانہ قابض رہی مکان مذکور میں کرایہ دار حسبِ دستور سابق رہتے ہیں لھذا شرعاً واقفہ کی طرف سے بعد الوقف تسلیم اور قبضہ متولیانہ صحیح ہوا یا نہیں ؟ نیز وقف نامہ مذکور میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ بعد میرے اس کا متولی فلاں بجائے میرے رہیگا اور متولی موصوف کو اختیار ہوگا وہ حصہ موقوفہ کو فروخت کرکے زر ثمن اس کا مسجد موصوف تعمیر طلب میں لگادے چنانچہ بعد انتقال واقفہ کے متولی نے شئ موقوفہ پر بحیثیت متولیانہ۔ تحریر کرایہ نامہ، کرایہ دار سے حصہ رسدی کرالیا مگر چونکہ وہ موقوفہ نہایت قلیل ہے قابل المنفعت نہیں تقریباً آٹھ نو گز عریض اور بارہ گز طویل تقسیم میں آتی ہے جو سوائے فروختگی اس سے کوئی حصول منفعت نہیں بدیں لحاظ متولی کو حسب شرائط واقفہ بمشورۂ واقفان صاحبان اہل الرای دیندار کے فروخت کرکے زر ثمن اس کا تعمیر مسجد موصوف میں صرف کردینا درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ اگر یہ حصۂ مکان متروکۂ پدری و مملوکۂ ذاتی ہندہ کے تمام ترکہ کا ثلث ہے یا ثلث سے کم ہے تو وقف صحیح و نافذ ہوگیا اور اگر زائد ثلث سے کم ہے تو ثلث میں وقف صحیح ہے اور زائد کا وقف ہندہ کے وارثوں کی رضا پر موقوف ہے اگر وہ جائز رکھیں تو جائز ہے اور اگر راضی نہ ہوں تو زائد از ثلث میں وقف صحیح نہیں۔ اگر یہ زمین موقوفہ نہایت قلیل غیر قابل منفعت ہے تو متولی مسجد کو چاہئے کہ اسکو فروخت کرکے اس کے ثمن سے کوئی دوکان مسجد کیلئے چھوٹی یا بڑی تعمیر کردے یا کوئی زمین خریدے جس کا کرایہ مسجد میں آتا رہے یا مسجد میں تعمیر کی ضرورت ہو تو تعمیر مسجد میں لگادے واللہ اعلم

قال فی الدر فی بیان شرائط الاستبدال : ما نصه وکون البدل عقاراً۔ و قال الشامی : وزاد العلامة قنالی زاده فی رسالته (شرطاً) ثامناً و هو ان یکون البدل والمبدل من جنس واحد ثم قال : والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس فی الموقوفة للاستغلال لان المنظور فیه کثرة الریع وقلة المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بارض تزرع و تحصل منها غلة قد اجرة

الحانوت کان احسن لان الارض ادوم وابقیٰ واغنی عن کلفته الترمیم والتعمیر اھ (ص۶۰۱ ج ۳ ۔ شامی)

قلت: دل قوله: لان المنظور فیه کثرة الریع علی عدم جواز الاستبدال بما لاریع فیه اصلاً۔ واللہ اعلم۔

وفی الخلاصة: ولو شرط فی الوقف ان یبیعه ویجعل ثمنه فی وقف افضل منه له ان یبیعه ولا یبیعه الامام الحاکم لکن اذا رأه الحاکم اذن له اھ (ص ۴۱۴ ج ۴)

قلت: ظهر منه جواز صرف ثمن الدار فی عمارة المسجد لاجل اجازة الواقف واذنه فی ذالك ولعل منعهم الحاکم عن ذالك لوقایته من التهم فقط۔ واللہ اعلم

۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ

وقف علی الاولاد میں لڑکوں اور لڑکیوں کی برابری بعض وارثوں کو مالدار یا کسی وجہ سے محروم یا حصہ کم رکھنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سرکاری قانونِ جدید وقف علی الاولاد کی رُو سے اپنی جائیداد کی آمدنی کا کل یا جزو اپنی اولاد واقارب کی پرورش کیلئے وقف کرنے کی صورت میں اگر کوئی شخص بیٹے اور بیٹیوں کا برابر حصہ رکھے یا مثلاً تین چار بھائیوں یا بھتیجوں وغیرہ میں سے بعض کو مالدار ہونیکی وجہ سے محروم رکھے تو ایسا کرنے میں واقف گناھگار ہوگا یا نہیں؟ نیز غیر مانوس یا ناخوش ہو جانے کی وجہ سے واقف کا بعض وارثوں کو محروم کردینا یا ترکہ کے اعتبار سے کم مقرر کرنا یا بعض ان اقارب کو جو کہ شرعی وارث نہیں ہیں مثلاً ایک یا دو بیٹیوں کے ہوتے ہوئے نواسی یا نواسے کو آمدنی جائیداد موقوفہ میں سے ایک بیٹی کے برابر حصہ مقرر کرنا یا مثلاً بیٹی کے ساتھ اخیافی بھائی کیلئے آمدنی وقف سے حصہ مقررہ کرنا اور اس کے ساتھ ہی بھتیجے یا چچازاد بھائی کیلئے جو کہ عصبہ ہے وقف کی آمدنی سے حصہ مقرر نہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

داؤد ھاشم یوسف از رنگون۔

الجواب:۔ وقف علی الاولاد بحالتِ صحت کا حکم ھبہ بحالت صحت کا ہے۔

"بدلیل انه ینفذ ویصح فی کل المال ولا یتقید بالثلث"، اور وقف علی الاولاد بحالتِ مرض کا حکم وصیت کا حکم ہے "بدلیل انه یقسم الورثة حسب الفرائض الشرعیة ویتقید بالثلث"، اس کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ وقف علی الاولاد میں ایک روایت میں بہتر یہی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا حق برابر رکھا جائے اکثر مشائخ نے اسی کو افضل کہا ہے اور بعض نے قول محمدؒ کے موافق تفاضل کو افضل کہا ہے یعنی للذکر مثل حظ الانثیین۔

قال فی الشامیة: فالعدل من حقوق الاولاد فی العطایا والوقف عطیة فیسوی بین الذکر والانثیٰ لانهم فسروا العدل فی الاولاد بالتسویة فی العطایا حال الحیاة الیٰ ان قال: وفی الظهیریة قبیل المحاضر والسجلات عند الکلام علی کتابة صک الوقف ان اراد الوقف علیٰ اولادہٖ یقول للذکر مثل حظ الانثیین وان شاء یقول الذکر والانثیٰ علی السواء ولکن الاوّل اقرب الی الصواب و اجلب للثواب اھ فهذا نص صریح فی التفرقة بین الهبة والوقف فتکون الفریضة الشرعیة فی الوقف هی المفاضلة اھ ملخصًا (ص۶۵۴-۶۵۵ ج-۳)

پس وقف علی الاولاد میں لڑکیوں اور لڑکوں کا حصہ برابر رکھنا بدون گناہ کے جائز ہے گو اس میں اختلاف ہے کہ افضل کیا ہے؟ یہ حکم تو تسویۂ اولاد کے بارے میں ہے باقی وارثوں کے متعلق سوال کا جواب یہ ہے کہ واقف اگر کسی کو محروم کرنا چاہے تو اسکو یہ حق حاصل ہے اب اگر یہ محروم کرنا کسی شرعی وجہ سے ہے مثلاً فسق وایذاء رسانی وظلم وغیرہ تب تو محروم کرنے میں گناہ بھی نہ ہوگا اور اگر بغیر وجہ محروم کیا ہے تو گناہ ہوگا پس جو اقارب شرعی وارث نہیں ہے ان کیلئے وقف کرنا اور شرعی وارثوں کو محروم کرنا بلا وجہ شرعی جائز نہیں ہاں کوئی شرعی وجہ ہو کہ وارث بدکار فاسق یا ایذاء رساں ہوں اور غیر وارث صالح ومحتاج ہوں تو ایسا کرنے میں گناہ نہیں رہا یہ کہ کسی وارث کو وقف اولاد میں حصہ کم دینا اور کسی کو زائد دینا یہ جائز ہے۔

قال فی العالمگیریة: ولو کان فی ولدہٖ فاسق واراد ان یصرف ماله فی وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث هذا خیر من ترکه کذا فی الخلاصة۔

وفیه: وهب فی صحته کل المال للولد جاز فی القضاء ویکون آثمًا فیما صنع کذا فی فتاویٰ قاضی خان اھ (ص۱۰۶۴، و۱۰۶۵ ج ۳ نولکشوری) لہ

لہ ایضاً فی خلاصة الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۰۰۔

وفی الشامیۃ : وقع فی السوال الذی سئل عنہ المصنف انہ آل الوقف الیٰ اخی المیت لامہ واخیہ الشقیق فاجاب بانہ تقسم الغلۃ بینھما نصفین لا قسمۃ المیراث ای لا یعطی للاخ للام السدس والباقی للشقیق وقال ان ھذا ھو الموافق لغالب احوال الواقفین وھو قصد التفاوت بین الذکر والانثیٰ (لا بین الذکرین) فاذا قال علی حکم الفریضۃ ینزل علی غالب المذکور اھ (ص ۶۵۶ ج ۳)

قلت :- ولا یخفیٰ ان فیہ تقلیل حق الاخ الشقیق ومع ذالک اذا قال الواقف یقسم علی الفریضۃ لا یعطی لہ الباقی بعد السدس بل یسوی بینہ و بین الاخیافی وھذا یدل علی جواز المفاضلۃ بین الورثۃ فی الوقف وجواز تقلیل حق بعض عن فرضہ الشرعی۔ واللہ اعلو۔

۲۲ محرم ۴۲ھ

عیدگاہ کے موقوفہ تالاب سے مچھلی پکڑنے کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں عیدگاہ کی زمین میں ایک تالاب ہے اور وہ عیدگاہ کا حوض اور تالاب کی زمین موقوفہ ہے اس میں مچھلیاں بہت ہیں تو اگر لوگ ان مچھلیوں کو پکڑ لیں تو درست ہے یا نہیں؟ یا قیمۃً خریدیں بازار کے دام سے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب :- تالاب کے وقف ہونے سے مچھلیاں وقف نہ ہونگی بلکہ جو کوئی پکڑے وہی ان کا مالک ہو جائیگا لان السمک یتولد من الماء فیکون مباحًا کالصلہ۔

واللہ اعلم

۲ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

قمار اور سٹہ کا کام کرنے والے کو اوقاف یا مسجد وغیرہ کا متولی بنانا۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص باوجود مسلمان ہونیکے دعویٰ کرتا ہے قسمیہ اعلان کرتا ہے کہ میرا کام تو اسپکیولیشن ہے (یعنی سے ٹ کا کام جو اکثر چاول کی تجارت کے متعلق خرید وفروخت میں بطور ہار جیت کے ہوتا ہے کرتا ہوں) اور پکا گیمبلینگ یعنی پکا قمار بازی کا میرا کام ہے اور یہ ایسا جوا ہے جو اوپر ہی اوپر صرف کاغذ پر چلتا ہے تو ایسے شخص کو کسی مذہبی معاملہ میں مختار کرنا

اور مذہبی اوقاف میں سے کسی وقف مثلاً مسجد، مدرسہ، سرائے، مسافر خانہ، دارالکتب جامعہ ملیہ اسلامیہ وغیرہ کیلئے اسکو متولی یا ناظم ومعتمد بنانے کا شرعی حکم کیا ہے؟ براہ کرم موافق مذہب حنفی کی کتاب وسنت سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب:۔ سائل نے یہ نہ بتلایا کہ اگر اس شخص کو متولی وقف نہ بنایا جائے تو اسکی جگہ کوئی دوسرا شخص اس سے زیادہ امانت دار اور امور انتظامیہ میں ہوشیار بآسانی مل سکتا ہے یا نہیں اور وہ دوسرا شخص تو کسی گناہ میں مبتلا نہیں۔ اگر کوئی شخص ان گناہوں سے جن میں یہ متولی مبتلا ہے محفوظ بھی ہو تو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ان گناہوں سے بھی وہ بچتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ بھی کسی گناہ میں مبتلا ہے تو وہ اور یہ دونوں برابر ہوئے پھر اس کے علیحدہ کرنے میں کیا نفع؟ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص پورا متقی ہو مگر امور انتظامیہ میں ہوشیار نہ ہو تو وہ متولی بننے کے قابل نہیں بلکہ اس سے مقدم وہ شخص ہے جو امانت میں کامل ہو اور خیانت نہ کرتا ہو اور امور انتظامیہ میں پورا ہوشیار ہو گو تقویٰ میں دوسروں سے کم ہو۔

قال فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة: سئل فی الصالح للنظر من هو الجواب هو من لم یسأل الولایة للوقف ولیس فیه فسق یعرف هٰکذا فی فتح القدیر۔

وفی الاسعاف لا یولی الا امین قادر بنفسه او نائبه ویستوی فیه الذکر والانثٰی وکذا الاعمٰی والبصیر وکذا المحدود فی قذف ان تاب ویشترط للصحة عقله وبلوغه (بحر ص ۱۹۶ ج ۱)

عبارت اسعاف سے معلوم ہوا کہ ولایت وقف کیلئے امانت وقدرت انتظام زیادہ قابل نظر ہے گو تقویٰ میں وہ دوسروں سے کم ہو حتیٰ کہ محدود فی القذف بھی توبہ کے بعد اسکے لئے اہل ہے۔

وفیه ایضاً:۔ وفی النهر عن الاسعاف: شرط الافضل اولاده فاستویا فلا نهم فلو احدهما اورع والآخر اعلم بامور الوقف فهو اولٰی اذا امن خیانته اھ (ص ۱۹۷ ج ۱)

پس صورتِ مسئولہ میں اگر متولی امانت ودیانت میں کامل ہو اور امور

انتظامیہ میں دوسروں سے زیادہ ہوشیار ہو اور اسکی مجموعی حالت اور اس کے کارناموں اور واقعات سے خیرخواہی ونفع وقف متوقع ہو اور اسکی تولیت میں اصلاح وقف کی زیادہ امید ہو تو اس کا متولی بنا دینا درست ہے۔

قال فی الدر: واهله (ای القضاء) اهل الشهادة والفاسق اهلها فیکون اهله لکنه لا یقلد وجوبًا یأثم مقلده کقابل شهادته (الیٰ ان قال) واستثنیٰ الثانی (ای ابی یوسف رح) الفاسق ذا الجاه والمروة فانه یجب قبول شهادته۔ بزازیه۔ قال فی النهر: وعلیه فلا یأثم ایضاً بتولیته القضاء حیث کان کذالك الا یفرق بینهما انتهیٰ۔

قلت: سیجئ تضعیفه فراجعه اھ۔

قلت: اجاب عنه الشامی بما لا مزید علیه (ص ۴۶۴ و ۴۶۵ ج ۴)۔ ورجّح قول ابی یوسف متعلّلاً بانه لو اعتبر ما قاله الشارح لانسد باب القضاء خصوصًا فی زماننا فراجعه واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولا یخفیٰ ان تولیة الوقف ادنیٰ منزلة من القضاء فاذا جاز عند ابی یوسف رح تقلید الفاسق ذی الجاه والمروة القضاء فجواز تقلیده تولیة الوقف اولیٰ فافهم۔

اور اگر متولی مذکور سٹہ بازی وقمار بازی کفار ہی کے ساتھ کرتا ہو مسلمانوں کے ساتھ نہ کرتا ہو تو اس صورت میں یہ گناہ مجتہد فیہ ہے محض اسکی وجہ سے اسکو تولیت سے الگ نہ کیا جائیگا۔ فقد قال ابو حنیفة رح: یجوز الربوا والقمار بین المسلم والحربی فی دار الحرب اھ اور متولی مذکور کو بھی چاہئے کہ ایسے کاموں سے پرہیز کرے جو شرعاً گناہ ہیں یا عادۃً مسقط مروت ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
۲۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۳ھ

الجواب صحیح
اشرف علی

سوال:۔ حامداً و مصلیاً۔ اما بعد کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع ایسی زمین کا حکم جس کی آمدنی ہمیشہ سے مسجد پر صرف ہوتی رہی ہو مگر وقف اور واقف کا علم نہیں۔

متین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ کوئی قبرستان یا کوئی محلہ کے پاس کا کوئی میدان جنکے وقف ہونیکی مطلقاً اطلاع نہیں ہے البتہ اتنی واقفیت ہے کہ قبرستان قاضی عنایت علی صاحب کی طرف سے میت دفن کرنیکیلئے اہل محلہ ہذا کو ملی تھی اور میدان مذکور کو تمام اہل محلہ نے اپنے دام سے خرید کر کے اسٹامپ کیا تھا اور قدیم زمانے سے ابتک اس میدان اور قبرستان کے درختوں وغیرہ کی آمدنی مسجد محلہ میں صرف ہو رہی ہے کسی نے کبھی ان پر ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اب کوئی مدعی ہے (قالہ المسائل من اھل المحلۃ شفاھا) مگر اس کی اطلاع نہیں کہ دونوں زمین مذکور وقف بھی کر دی گئی تھیں یا نہیں؟ اور اپنے پاس کوئی حسب استطاعت اب کوئی ذریعہ تحقیق باقی نہ رہا لھذا اس مسئلہ کو دریافت کرنا چاھتا ہوں کہ ایسی زمین کے گھاس یا درخت خریدنا یا بیچنا اور اسکی قیمت اپنے محلہ کی مسجد میں لگانا یا وہاں کی اینٹ خواہ قبروں کی ہو یا ویسی ہی قبروں کے لگانے سے بچی کھچی ہوں کسی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی بدرالدین

الجواب:- قال فی الدر: لوانقطع ثبوتہ فما کان فی دواوین القضاۃ اتبع والا فمن برھن علی شئ حکم لہ بہ والاصرف للفقراء مالم یظھر وجہ بطلانہ بطریق شرعی فیعود لملک واقفہ او وارثہ اولبیت المال اھ۔

قال الشامی: المراد علم انہ وقف بالشھرۃ ولکن جھلت شرائطہ ومصارفہ بان لم یعلم حالہ ولا تصرف قوامہ السابقین کیف کانوا یعملون فحینئذٍ ینظر الی ما فی دواوین القضاۃ الخ (ص ۶۵۷ ج ۳)

قلت: وقیود الفقہ احترازیۃ فاذا لم یعلم کونہ وقفاً بالشھرۃ اصلاً فلا یتبع ما فی دواوین القضاۃ بل کل من برھن علی شئ حکم لہ بہ۔

وقال فی الھدایۃ: من بنیٰ سقایۃً للمسلمین او خاناً یسکنہ بنوا السبیل او رباطاً او جعل ارضہ مقبرۃ لم یزل ملکہ عن ذالک حتی یحکم بہ الحاکم عند ابی حنیفۃ رح (وکذا لو بنی مسجداً لم یزل ملکہ عنہ حتی یفرزہ عن ملکہ ویأذن للناس بالصلاۃ فیہ) وعند ابی یوسف رح یزول ملکہ بالقول کما ھو اصلہ اذ التسلیم عندہ لیس بشرط والوقف لازم (کما یزول الملک عندہ بقولہ

ای بقول جعلته مقبرةً اوجعلته مسجداً) وعند محمدؒ اذا استقی الناس من السقایة وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرة زال الملک لان التسلیم عنده شرط والشرط تسلیم نوعه وذالک بما ذکرناه ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کله اھ (ص ۴۴۷ ج ۵ مع الفتح) ۔

صورتِ مسئولہ میں گو یہ معلوم نہیں کہ اہل محلہ نے اس زمین کو وقف کیا یا نہیں ؟ لیکن اتنی بات معلوم ھے کہ یہ زمین مقبرہ کے واسطے خریدی گئی اور اسکو خریدنے کے بعد قبرستان ہی بنایا گیا اور اس میں مردے دفن کئے گئے اور اُس وقت سے اِس وقت تک اسکے درختوں وغیرہ پر کسی نے ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اب کوئی مدعی ہے اور مقبرہ میں اصل یہ ہے کہ وقف ہوتا ہے جیسا کہ مسجد ورباط میں اصل وقف ہی ہے اس لئے اس زمین کو وقف ہی مانا جائے گا ۔ لانه هو الظاهر من جعله مقبرة وهو الظاهر من عدم دعوىٰ احد فيه وفی اشجاره الملک ۔ اور یہی حکم اس میدان کا ہے جو محلہ کے پاس ہے کہ سابق سے جسطرح اسمیں تصرف ہو رہا ہے اسی تصرف کو باقی رکھا جائیگا یعنی اسکی آمدنی اگر مسجد میں صرف ہوتی رہی ھے تو مسجد ہی میں صرف ہو گی اور اسکو وقف مانا جائیگا کیونکہ اس میں تصرف مثل اوقاف کے ہو رہا ہے اور کسی نے اس تصرف پر اعتراض یا دعویٰ ملک نہیں کیا ۔

قال فی الفتاوىٰ الحامدية :۔ رجل تصرف زماناً فی ارض ورجل آخر رأی الارض والتصرف ولو یدع ومات علی ذالک لو تسمع بعد ذالک دعویٰ ولده فتترک فی ید المتصرف لان الحال شاهد اھ ـــــ وقال قبل ذالک وتترک فی ید المتصرف قطعاً للاطماع الفاسدة لان السکوت کالافصاح قطعاً للتزویر والحیل والمسئلة فی کثیر من المعتبرات کالتنویر والکنز والملتقی فی مسائل شتی اھ (ص ۱۶ ج ۲) ۔

قلت : فکذالک متولی انضاء والمقبرة هناک متصرف فی ریع اشجارها للمسجد مذ زمان وکذا متولٍ قبله وهلم جرا ولم یدع احد فیه ملکه ورأی تصرفه جمیع اهل المحلة وسکتوا فتترک المقبرة وانضاء فی تصرفه ولا یسمع فیها دعویٰ احد من الناس وصرف اشجار المقبرة وریعها الی المسجد جائز ۔

قال فی العالمگیریة : سئل نجم الدین فی مقبرة فیها اشجارها هل یجوز صرفها الی عمارة المسجد قال : نعم ان لم یکن وقفاً علی وجه آخر اھ (ص۲۴۴ ج ۳) لاسیماً اذا علم من تصرف قوامه السابقین صرف ریعها الی المسجد فیلزم ابقاءه علی حاله و اللّٰه اعلم۔

اور جب یہ مقبرہ ومیدان وقف مان لیا گیا تو اس کے درختوں میں وہی عمل درآمد کیا جائیگا جو سابق سے ہوتا رہا ہے کہ انکی آمدنی مسجد میں صرف کی جائیگی جسطرح کہ پہلے سے مسجد میں صرف ہوتی آرہی ہے۔ واللّٰہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۷ ربیع الثانی ۴۵ھ

وقف کی ایک صورت کا حکم

سوال :۔ واقعہ یہ ہے کہ آج سات آٹھ برس ہوگئے ہیں کہ میرے پڑوس میں ایک بیوہ عورت تھی وہ مرض ہیضہ میں گرفتار ہوکر یہ کہا کہ میرے پاس بارہ روپیہ موجود ہے اس میں سے کفن دفن میں لگاکر جو روپیہ بچے وہ سب کسی کارِ خیر میں لگا دینا اس کے کہنے کے موافق میں نے چند کتب خرید کر کے وقف کر دیں لیکن اس عورت کے دو یتیم نواسے اس وقت موجود تھے ان دونوں کا حصہ رسد الگ نہیں کیا ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ وہ دونوں نواسے اب بالغ ہوگئے ہیں ان دونوں کا حصہ رسد معاف کرانے سے معاف ہوگا یا نہیں ؟ ارشاد فرماکر مسرور فرمائیں۔

الجواب : اگر اس عورت کا وارث اسکی موت کے وقت بجز دونواسوں کے کوئی نہ تھا تو اب ان کی اجازت سے یہ وقف صحیح ہوجائے گا اور اگر کوئی دوسرا وارث بھی تھا تو اس سے بھی اجازت لینا چاہئے اور صحتِ وقف کی صورت یہ ہے کہ اب یہ لوگ مستقل طور پر از سرِ نو وقف کریں یعنی بقیہ رقم انکو دیکر یہ کتابیں انکے ہاتھ فروخت کی جائیں پھر وہ ان کتابوں کو وقف کریں کیونکہ پہلا وقف بوجہ ملکِ غیر میں واقع ہونیکے باطل ہوچکا موقوف نہ تھا پس بدون اس صورت کے وقف صحیح نہ ہوگا۔ واللّٰہ اعلم۔

۲۸ ربیع الثانی ۴۵ھ

مفاد عامہ کیلئے وقف یا مسجد کے نیچے سے گندہ نالہ نکالنا جائز نہیں

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی مال وقف میں

گورنمنٹ یا اہل ہنود یا مسلمانوں کے دیگر دنیوی مفاد یا آسائش کیلئے کوئی تصرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً دنیوی مصالح کو مدنظر رکھکر مسلم یا غیر مسلم قوم کو اجتماعی یا انفرادی طور پر شریعت ایسی اجازت دے سکتی ہے کہ فرشِ مسجد یا دیگر وقف زمین میں اپنے مکانات اور روزمرہ کے غلیظ پانی کی نکاسی کیلئے کوئی بدرو نیچے کے طبقے میں بنالیں کیا شرعی حیثیت سے کسی وقف یا مسجد کی زمین کا داخلی طبقہ ایسی وقف یا مسجد کے خارجی اور ظاہری طبقہ کے مانند پاک متبرک اور وقف نہیں ہے جو اس میں ایسا تصرف کیا جاسکے۔ بینوا توجروا۔

محمد الیاس خان در قصبہ نہوڑ ضلع سہارنپور

۴ر اکتوبر ۲۵ھ

الجواب:- زمین وقف میں کوئی تصرف صرف اس کے مصالح کیلئے ہوسکتا ہے دوسرے مصالح کے لحاظ سے تصرف نہیں کیا جاسکتا خواہ وہ دوسرے مصالح خود مسلمانوں کے ہوں یا غیر مسلموں کے اور بالخصوص مسجد میں تو کوئی تصرف صرف مصالح مسجد ہی کیلئے ہوسکتا ہے اگر مسجد کے متعلق کوئی زمین وقف ہو تو اسکے مصالح سے بھی مسجد میں تصرف جائز نہیں چنانچہ دیوار مسجد پر مکان خارج مسجد کی کھڑکی رکھنا جائز نہیں گو وہ مکان مسجد ہی کیلئے وقف ہو۔

وفی البحر من الوقف من فصل المسجد: ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه اھ کذا فی الفتاوٰی الحامدیه (ص ۱۸۲ ج ۱)

واذا جعل تحته سردابًا لمصالحه ای المسجد جاز کمسجد القدس ولو جعل لغیرها لا ولو بنی فوقه بیتًا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع اھ

پس صورتِ مسؤلہ میں مسجد کے نیچے یا کسی اور وقف کے نیچے دوسرے مکانات کی غلیظ اور ناپاک پانی کیلئے بدرو وغیرہ بنانا جائز نہیں اور اگر گورنمنٹ ایسا کرنا چاہے تو اسکو مسئلہ سے مطلع کردیا جائے امید ہے کہ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد وہ ایسا نہ کرے گی فقط واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲ر جمادی الاول ۴۵ھ

وقف جائیداد مرھونہ

سوال ۵۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی للہ شیخ علی محمد مرحوم نے اپنی جائیداد کو وقف علی النفس وعلی الاولاد کیا ہے اسی جائیداد موقوفہ میں ایک حصہ جائیداد کا رہن تھا۔ عبارتِ وقف نامہ حسبِ ذیل ہے۔

عرصہ دراز سے منمقر کا قصد تھا کہ اپنی جائیداد غیر منقولہ کا کوئی ایسا بندوبست کر دوں کہ وہ قائم وبرقرار رہے اور قرضہ ذمگی خود بھی ادا ہو جائے منمقر کے ورثاء میں بجز محمد مجتبیٰ پسر کے اور کوئی وارث شرعی میرا نہیں ہے اور یہی بعد میرے متولی ہوگا۔

اپنی جائیداد غیر منقولہ باقی ماندہ مصرحہ ذیل کو اچھی طرح سوچنے و سمجھنے کے بعد وقف علی النفس وعلی الاولاد کرتا ہوں آج کی تاریخ سے جملہ اختیارات انتقالات مثل بیع، ہبہ، رہن، تملیک وغیرہ کے جو منمقر کو حاصل تھے یا بعد وفات میرے وارث منمقر کو حاصل ہو سکتے تھے نسبت جائیداد مندرجہ وقف نامہ ھذا کے وہ سب ساقط ہو گئے اور یہ جائیداد اس وقت سے ملکیت اللہ جل شانہ کی ہے اور اس جائیداد کے محاصل میں سے بعد میرے دو بیسہ فی روپیہ بعد منہائی اخراجات کے خیرات وحسنات میں حسب صوابدید خود خرچہ کیا کریں اور بقیہ میں سے دو ثلث خود پسر محمد مجتبیٰ اور ایک ثلث ابن الابن محمد شفیق سلمہ کو دیا کریں۔

واقف نے یہ بھی تحریر کیا ہے وقف نامہ میں، چونکہ دو کانات مسٹن روڈ پر بالاخانہ تعمیر کرانا لابدی ہے جس کیلئے معقول رقم کی ضرورت ہے اور میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے ونیز قرضہ ذمگی خود بھی ادا کرنا ہے جس کیلئے میں متولی کو یہ ہدایت کرتا ہوں کہ احاطہ نمبر ۳۹/۵۴ محدود ذیل جو زیر بار رہن بھی ہے اس کی آمدنی کرایہ یا احاطہ مذکور سے بذریعہ کسی دیگر طریقہ احسن ومناسب کے روپیہ حاصل کر کے زر قرضہ بھی ادا کر دیں اور دو کانات مذکور پر بالاخانہ بھی تعمیر کر دیں۔

واقف نے یہ وقف نامہ ۳۰ ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھا جس میں صراحت کر دی ہے کہ یہ جائیداد احاطہ نمبری ۳۹/۵۴ زیر بار رہن ہے یہ رہن شرعی رہن نہیں ہے جس میں جائیداد بطور ضمان کے ہوتی ہے یہاں اس رہن کی صورت اس رہن نامہ سے جو اس وقف نامہ سے چار یوم قبل ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء کو اسی جائیداد کے متعلق واقف نے لکھا تھا بیع بالوفا کی ایسی صورت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ عبارت رہن نامہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

عبارت رہن نامہ نوشتہ شیخ علی محمد مرحوم واقف محررہ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۹ء حسبِ ذیل ہے۔

یہ کہ درصورتِ وعدہ خلافی یعنی بعد گذرنے تین سال میعاد مذکور کے مرتہن موصوف کو اختیار حاصل ہوگا کہ بذریعہ نالشِ عدالت اپنا زر رہن مع سود و بالائے سود و خرچہ نالش جائیداد مرہونہ سے وصول کریں مجھ مقرو وارثان و قائم مقامان منعقر کو کچھ عذر و حیلہ نہ ہوگا یہ کہ اگر جائیداد مرہونہ مطالبہ مرتہن کے واسطے کافی نہ ہو تو مرتہن مذکور کو اختیار حاصل ہوگا کہ بقیہ مطالبہ اپنا ذات و جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میری سے وصول کرلیویں مجھ مقرو وارثان و قائم مقامان مجھ مقر کو کوئی عذر و حیلہ نہ ہوگا۔

اب دریافت طلب حسب ذیل امور ہیں۔

(۱) متولی کو جب چندہ و قرض حسنہ سے کوئی رقم نہ ملے تو آیا اس جائیداد مرہونہ کو بیع کرکے بار رہن ادا کردے جس سے واقف مرحوم اور متولی اس گناہ کبیرہ سود دینے سے بچیں یا اس جائیداد مرہونہ کو رہن رہنے دے (جس کا سود اسکو دینا پڑتا ہے) اور سود در سود ادا کرتا ہے۔

(۲) منجملہ جائیداد موقوفہ کے یہ جائیداد مرہونہ احاطہ نمبر ۳۹/۵۴ بار سود کے مواخذہ سے بچنے کیلئے بیع ہوسکتی ہے یا نہیں اور اسی بیع کے ذریعہ سے متولی شرط تعمیر بالاخانہ کی پوری کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اور اس صورت میں جبکہ واقف نے تین سال کی مدت گذرنے پر مرتہن کو اختیار دیدیا تھا کہ وہ جائیداد مرہونہ سے جسطرح چاہے اپنا روپیہ وصول کرلے مجھ کو کچھ عذر نہ ہوگا یہ جائیداد وقف (ملکیت اللہ جل شانہ کی) ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۴) جبکہ کرایہ کی آمدنی سود میں جاتی ہو اور متولی کو قرض حسنہ و چندہ سے بار کے ادا کرنے اور سود سے بچنے کیلئے رقم نہ ملے اور اجارہ و ٹھیکہ پر دینے سے شرط تعمیر بالاخانہ (جس کیلئے واقف نے اپنے وقف نامہ میں لابدی و ضروری تحریر کیا ہے) پوری نہیں ہوسکتی تو کوئی طریقہ احسن ایسا ہے جس سے جائیداد بیع نہ ہو اور بار قرضہ ادا ہو جائے اور سود کا مواخذہ نہ ہو اور واقف کی شرط تعمیر بالاخانہ پوری ہو جائے اگر ہے تو از روئے شرع شریف مع حوالہ کتب بتلایا جائے۔

(۵) اگر مواخذہ سود سے بچنے اور واقف کی ہر سہ شرائط۔ تعمیر[۱] بالاخانہ۔ وادائیگی[۲] قرضہ زمگی خود و گذراوقات۔ متولی[۳] مع متعلقین و ترقی وقف اگر جائیداد مرھونہ کو بیع کر کے کیا جائے (جس سے یہ سب امور بآسانی حل ہو سکتے ہیں) تو شرعاً یہ بیع جائز ہو سکتی ہے یا نہیں مع حوالہ کتب بتلایا جائے۔ بینوا توجروا فقط

المستفتی۔ خاکسار حاجی محمد قمرالدین مالک مطبع قیومی
محلہ ٹیکا پور کانپور

الجواب:۔ قال فی العالمگیریۃ:۔ واما عدم تعلق حق الغیر کالرھن و الاجارۃ فلیس بشرط الیٰ ان قال: ولو رھن ارضہ ثم وقفھا قبل ان یفتکھا لزم الوقف ولا یخرج عن الرھن بذالك ولو اقامت سنین فی ید المرتھن ثم افتکھا تعود الی الجھۃ ولو مات قبل الافتکاك وترك قدر ما یفتك بہ افتك ولزم الوقف و ان لم یترك وفاء بیعت وبطل الوقف اھ (ص ۱۹۹ ج ۳)

وفی الدر: وبطل وقف راھن (ای سیبطل کما صرح بہ الشامی) معسر ومریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح فان شرط وفاء دینہ من غلتہ صح وان لم یشرط یوفی من الفاضل عن کفایتہ بلا سرف ولو وقفہ علیٰ غیرہ فغلتہ لمن جعلہ لہ خاصۃ۔

قلت: قید بمحیط لان غیر المحیط یجوز فی ثلث ما بقی بعد الدین لورثۃ والا ففی کلہ اھ۔

قال الشامی: قولہ: بطل فیہ، مسامحۃ والمراد انہ سیبطل (الیٰ ان قال): ولو مات فان عن وفاء عاد الی الجھۃ والا بیع وبطل الوقف کذا فی الفتح اھ (ص ۶۱۱ ج ۳)

خلاصہ ان اقوال کا یہ ھے کہ مرہون کا وقف، وقفِ لازم نہیں بلکہ موقوف ھے اگر واقف وقف سے الگ اتنی رقم اور سامان چھوڑ کر مرا ہو جس کے ثلث سے زر دین ادا ہو کر رہن چھوٹ جائے تب تو وقف لازم ھے اور اگر اتنی رقم چھوڑ کر نہ مرا ہو تو اگر مرہون کی آمدنی سے دین ادا ہو جائے جب بھی وقف لازم ہو جائیگا، اگر یہ بھی نہ ہو سکے اور ثلث ترکہ اور مرہون کی آمدنی ادا ءدین کو کافی نہ ہو تو اگر کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے ادا ہو سکے

اور ورثاء اس پر راضی ہوں تو کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے دین ادا کیا جائے اور اگر ورثہ کل ترکہ اور کل وقف کی آمدنی سے دین ادا کرنا نہ چاہیں تو پھر زمین مرہون کو بیع کر دیا جائے وقف باطل ہو جائیگا اور اداء دین کے بعد جو رقم بچے اسکو مصالح وقف میں یعنی عمارت وغیرہ میں لگا دینا چاہئے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۱ جمادی الاخر ۴۳ھ

حکم رجوع واقف از شروطِ وقف نامہ وتفویض برائے متولی در مخالفت شروط

سوال:۔ والد صاحب مرحوم نے وقف نامہ لکھا تھا خاکسار نے دریافت کر لیا اس پر عمل نہ کرونگا فرما دیا تھا کہ تمہارے سپرد ہے جو چاہو کرو یا نہ کرو کتابت خادم نے کیا تھا۔ درمختار و ردالمحتار میں "یجوز مخالفۃ شرط الواقف" ملا مثلاً گوشت، روٹی کی مسجد میں تقسیم کرنا شرط کیا اسکی مخالفت کرنا لکھا ہے جو سہل ہے عمل نہ کیا۔ اور والد صاحب نے شرط برادری لکھا ہے جو تصدیق لیاقت کی کریں اور جائیداد لینے کی غرض سے محی الدین کیلئے فتنہ وفساد بلکہ برادری قتل پر آمادہ ہیں کیا اس پر مخالفت کرنا جائز نہ ہوگا؟ اب آن حضور سے اگر کوئی کہے کہ شرط برادری پر عمل کرا دیں تو ہرگز نہ مانیں بلکہ خلاف تحریر کریں۔

راقم آثم، مسیح الدین از الہ آباد

مدرسہ احیاء العلوم

ضمیمۂ سوال:۔ عرض یہ ہے کہ وقف نامہ والد صاحب کا لکھا ہوا وہ درحقیقت نوکروں کا لکھا ہوا تھا اور خادم نے والد صاحب سے دریافت کر لیا تھا کہ میں کسی شرط پر عمل نہ کرونگا بجز مدرسہ کے کام کے اور جس قدر میرا جی چاہے گا اسقدر تنخواہ لونگا اور آزاد رہونگا۔ اور والد صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ وقف نامہ فرضی بغرضِ حفاظت جائیداد لکھوایا ہے اور نوکروں نے اسکی تحریر میں بہت غلطیاں کیں ہیں، فرمایا تھا کہ "تم ان باتوں پر عمل نہ کرنا" اب آنحضور اس کا خیال فرما کر جواب مسئلہ مخالفت شرط واقف تحریر فرما دیں اور وہ مخالفت بغرض سہولت عمل اور دفع فتنہ وفسادات عوام ہے۔ اور خادم مسئلہ دریافت نہ کرتا۔ مگر اس خیال سے دریافت کیا کہ شاید عدالت انگریزی میں اس کی ضرورت واقع ہو لوگ فتنہ وفساد پر آمادہ ہیں، مجھکو دعاء کی بہت ضرورت ہے تاکہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہوں اور یہ بھی تحریر

فرمائیں کہ والد صاحب مرحوم کا فرمودہ میری مخالفت شروط کیلئے کافی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قال العلامۃ الشامی تحت قول الدر: لایجوز الرجوع عن الوقف بعد تفصیل طویل مانصہ، وقد ظہر انہ لیس المراد انہ یجوز للواقف الرجوع عن شروط الوقف کما فہمہ الشارح حتی تکلف فی شرحہ علی الملتقی للجواب عما قدمہ عن الدر قبیل قول المصنف اتحد الواقف والجہۃ من انہ لیس لہ اعطاء الغلۃ لغیر من عینہ لخروج الوقف عن ملکہ بالتسجیل اھ فانہ صریح فی عدم صحۃ الرجوع عن الشروط وفی الاسعاف: ولایجوز لہ ان یفعل الا ما شرط وقت العقد اھ۔ وفی فتاوی الشیخ قاسم وما کان من شرط معتبر فی الوقف فلیس للواقف تغییرہ وتخصیصہ بعد تقررہ ولاسیما بعد الحکم اھ فقد ثبت ان الرجوع عن الشروط لا یصح الا التولیۃ مالم یشرط ذالک لنفسہ فلہ تغییر المشروط مرۃ واحدۃ اھ (۳ ج ۶۶۸)

اس سے معلوم ہوا کہ بعد تکمیل وقف نامہ وشروط وقف کے خود واقف کو بھی شروط سے رجوع کرنیکا حق نہیں ہے پھر متولی کو مخالفت شرط کیونکر جائز ہوگی؟ صورت مسئولہ میں واقف کا یہ کہنا کہ ان باتوں پر عمل نہ کرنا شرط سابقہ سے رجوع ہے جو کہ صحیح نہیں پس متولی کو اس کے موافق عمل جائز نہیں اور مخالفتِ شروطِ واقف کی جو صورت شامی میں مذکور ہے اسمیں قاضی وامام کیلئے مخالفت کو جائز کہا ہے نہ کہ متولی کیلئے، اور وہ بھی قاضی وامام کیلئے جب جائز ہے جبکہ مخالفت اصلح للوقف ہو۔ ہاں! متولی کیلئے مخالفت شرط واقف اس وقت جائز ہے کہ واقف کی شرط شرعاً معتبر نہ ہو یعنی وہ شرط خلافِ شرع ہو۔ دل علیہ قولہ شرط معتبر کما ذکرناہ فی العبارۃ المذکورۃ۔

ونص عبارۃ الدر والشامی ھذا واما الاستبدال بدون الشرط فلا یملکہ الا القاضی والمستبدل قاضی الجنۃ المفسر بذی العلم والعمل وھی احدا المسائل السبع التی یخالف فیھا شرط الواقف قال الشامی: الثانیۃ شرط ان القاضی لا یعزل الناظر فلہ عزل غیر الاھل۔ الثالثۃ: شرط ان لایوجر وقفہ اکثر من سنۃ والناس لا یرغبون فی استئجار سنۃ او کان فی الزیادۃ

نفع للفقراء فللقاضى المخالفة دون الناظر (قلت: فليتنبه له) الرابعة: لو شرط ان يقرأ على قبره فالتعيين باطل - الخامسة: شرط ان يتصدق بفاضل الغلة على من يسأل فى مسجد كذا فللقيم التصدق على سائل غير ذالك المسجد او خارج المسجد او على من لا يسأل - (قلت: والوجه كون الشرط خلاف الشرع) السادسة: - لو شرط للمستحقين خبزاً ولحماً معيناً كل يوم فللقيم دفع القيمة من النقد وفى موضع آخر: لهم طلب المعين واخذ القيمة اى فالخيار لهم لا له وذكر فى المنتقى انه الراجح - السابعة: تجوز الزيادة من القاضى على معلوم الامام اذا كان لا يكفيه وكان عالماً تقياً وزاد عليها اخرى وهى جواز مخالفة السلطان الشروط اذا كان اصل الوقف لبيت المال اهـ (ص ٦٠٢ ج ٣)

لحم وخبز کے جزئیہ سے جو سائل کو شبہ ہوا ہے اس کا جواب شامی کی عبارت سے واضح ہو گیا کہ اس میں متولی کو اختیار نہیں بلکہ فقراء کو اختیار ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۴ رمضان ۴۳ھ

الوقف على مرمة المسجد والرباط وتسريج المزارات وفاتحة المشائخ وهدايا القوالين وامثالها، هل يصح الوقف ام لا۔

السوال:- رجل وقف على مرمة المسجد والرباط وتسريج المزارات وفاتحة المشائخ وهدايا القوالين وامثالها هل يصح الوقف على الكل او على البعض؟ وعلى الثانى فهل تكون الارض كلها موقوفةً او بعضها؟ بينوا بالدليل۔

الجواب:- يصح الوقف فى الارض كلها ولكن تصرف فى المصارف الشرعية فقط دون غيرها فصح الوقف على مرمة المسجد والرباط ولا يصح صرف ريعه على ما سواها۔

قال فى الهندية: ولو قال: تجرى غلتها على بيعة كذا فان خربت

البیعۃ کانت الغلۃ للفقراء والمساکین فانہ تجری غلتھا علی الفقراء والمساکین ولاینفق علی البیعۃ شئ کذا فی المحیط فان وقف علی ابواب البر فابواب البر عندہ عمارۃ البیع وبیوت النیران والصدقۃ علی المسکین فاجیزہ من ذالک الصدقۃ وابطل غیرھا کذا فی الحاوی اھ۔ واللہ اعلم۔

۷ر شوال ۴۳ھ

وقف کی ایک صورت کا حکم **سوال ۵۔** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے انتقال کے بعد اس کا متروکہ زید کے ورثاء میں بذریعہ ایک ثالث تقسیم ہوا، نیز وقت تقسیم اسکے برادر حقیقی بکر نے دیگر ورثاء سے خواہش ظاہر کی کہ زید لاولد تھا اور اسکی یہی خواہش اور آرزو تھی اسلئے اگر بنظر ثواب آخرت نیز بقاء نام ویادگار زید قطعات اراضی بیرون موری دروازہ کوچہ معطر خان تقسیم ترکہ سے علیحدہ کردئے جائیں تو بہتر ہے بکر کی رائے سے دیگر کل ورثاء نے بھی اتفاق کیا اور روبرو ثالث اس امر کی استدعا کی۔ چنانچہ ثالث نے تقسیم نامہ میں چند قطعات اراضی بدین الفاظ تقسیم جائیداد متروکہ سے علیحدہ کردیا۔

عبارت تقسیم نامہ متعلق قطعات اراضی مذکور

سیزدھم۔ جو آٹھ قطعات زمین مع مکانات مذکورہ بالا واقع دہلی موری دروازہ اندر کوچہ معطر خان مالیت مبلغ بارہ ہزار روپیہ ملکیت زید کی تھی اور جملہ ورثاء انکے نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ مورث متوفی کی یہ منشا تھی کہ منجملہ جائیداد اپنی کے کسی قدر وقف کردوں مگر ان کو موقع نہ ملا۔ مگر ہم سب ورثاء انکے یہ چاہتے ہیں کہ یہ قطعات زمین کے وقف سمجھے جائیں تو بہتر ہے چنانچہ انہوں نے ۳۰ر ماہ جون ۹۷ء کو ایک درخواست مہری ودستخطی اپنی میرے پاس بھیجدی پس بموجب مرضی وموافق تحریر درخواست کی بابت ان قطعات زمین کے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ یہ قطعاتِ مندرجہ بالا دربست قطعی وقف سمجھے جائیں گے اور بقبضۂ بکر رہیں گے اور وہی ان کا متولی رہے گا اور جو آمدنی ہوگی وہ جمع کریں گے اور وقت موقعہ انکو اپنے اقرار سے فروخت کرکے زر قیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ شریف بھیجکر حسب مرضی ورثاء دیگر رباط از نام زید تعمیر کرادیں اور اس کے متولی خود رہیں یا حسب مرضی ورثاء کسی اور کو متولی کردیں۔ اور بکر حساب آمدنی اس

جائیداد وقف کا اپنے پاس تحریر کرتے رہیں باقی ماندہ ورثاء کو اختیار ھے کہ جب چاھیں حساب آمدنی وخرچ جائیداد موقوفہ کا متولی مذکور سے سمجھتے رہیں حساب سمجھانے میں متولی کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

کوئی وقف نامہ علیحدہ تحریر نہیں ہوا، بکر برادر حقیقی جو کہ بروئے تقسیم نامہ مذکور اس جائیداد موقوفہ پر متولیانہ قابض ودخیل ہے اور جملہ انتظام ونگرانی کررہا ہے اور کرایہ داروں سے کرایہ وصول کررہا ہے۔ بکر نے اپنی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ اپنی اولاد ذکور واناث میں ھبہ کردی ھے چونکہ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں ھے اسلئے بکر کی خواہش ھے کہ جہانتک ہوسکے جلد اپنی زندگی میں اپنے برادر حقیقی زید کی یادگار کو قائم کردے ان قطعات اراضی کو فروخت کرکے زرقیمت ان کے سے نیز آمدنی کرایہ ان قطعات سے جو کچھ زر نقد میرے پاس باقی ھے اسکو للّٰہی اور مذہبی کاموں میں صرف کردوں چونکہ موجودہ قضاء انتظام مکہ کی سخت ناقابل اطمینان ھے اور بہت مشکل معلوم ہوتا ھے کہ ان خطرات میں جبکہ زائرین حجاز کا پہونچنا ہی مشکل ھے وہاں روپیہ کا بھیجنا یا خود جاکر رباط کا حسب دل خواہ تعمیر کرنا بہت محال اور دشوار معلوم ہوتا ھے۔ اور نہ معلوم موجود حاکم مکہ معظمہ تعمیر رباط کی اجازت بھی دے یا نہ دے اور اگر اجازت مل بھی گئی تو سامان تعمیر کا ملنا مشکل ھے۔ یہ بھی سنا جاتا ھے کہ مکہ معظمہ میں رباطیں یا اس قسم کے اوقاف میں ان کا انتظام واقفوں اور بانیوں کی منشا اور نیتوں کے موافق نہیں اور دور دراز کی وجہ سے مالک و واقف نگرانی ودیکھ بھال بذاتِ خود نہیں کرسکتے۔ اس لئے کچھ عرصہ کے بعد اس کے نگران اس پر قابض ہوکر مالک بن جاتے ہیں کرایہ وصول کرنے لگتے ہیں۔ بہرحال آجکل مکہ معظمہ اور جدہ وغیرہ میں، امیر علی اور امیر ابن مسعود کے مابین جنگ جاری ہے جس سے راستے مخدوش ہیں انتظامات ناقابل اطمینان اور نامکمل ہیں اور پھر نہ معلوم یہ جنگ کب تک جاری رہے اور بعد جنگ کے جو حاکم ہو اس کا قانون اور طرز عمل نیز طریقہ حکومت کیا ہو اور اس قسم کے اوقاف اور رباطوں کیلئے کیا قانون ہو بصورتِ مندرجہ بالا بحالتِ موجودہ بکر چاھتا ھے کہ ان قطعات کو فروخت کرکے اسکی قیمت سے ہندوستان ہی میں از نام زید یادگار قائم کردے مثلاً تعمیر یتیم خانہ، تعمیر دارالحدیث، مساجد ومدرسہ اسلامیہ وتعمیر ومرمت مساجد نیز دیگر مذہبی وللّٰہی کاموں میں صرف کردے۔

ان قطعات کی فروختگی کے بعد انکی قیمت کا روپیہ اپنے پاس یا کسی بنک میں امانت رکھنا مناسب نہیں سمجھتا حاصل یہ ھے کہ بکر برادر زید متوفی کی تحریک پر جملہ ورثاء زید چند قطعات آراضی کو من جانب زید وقف کرنے پر راضی ہوئے اور سب نے اپنی رضامندی کی تحریر لکھ کر ثالث کو دیدی ثالث نے اس تحریر کے حوالہ سے قطعات اراضی کو وقف قرار دیکر بکر کو اس کا متولی قرار دیا اور سب ورثاء نے اسکی تولیت کو تسلیم کر لیا علیٰ ھذا ثالث نے جو شرائط وقف کی اپنے فیصلہ میں درج کیں اور جو مصرف متعین کیا خواہ وہ ورثاء نے اپنی تحریر میں لکھ کر دی ہوں یا ثالث نے خود تجویز کی ہوں مگر سب ورثاء نے اسکو تسلیم کر لیا۔

ثالث نے تجویز کیا جسکو واقفین نے تسلیم کیا کہ حسبِ موقعہ قطعات موقوفہ کو فروخت کر کے زرقیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ بھیجکر حسبِ مرضی ورثاء دیگر رباط از نام زید تعمیر کرائے اور متولی خود رہے لیکن بکر کو مکہ مکرمہ کے حالات اختلافی جنگ وجدل وغیرہ مذکورہ بالا کی وجہ سے اطمینان نہیں کہ وہاں جائیداد موقوفہ قائم رہ سکے یا صحیح مصرف میں صرف ہو یا اسکی نگرانی وانتظام بذات خود یا اپنے نائب کے ذریعہ سے کر سکے اس لئے چاہتا ھے کہ زرقیمت اور آمدنی سے ہندوستان میں یتیم خانہ، یا دارالحدیث، مساجد و مدارس اسلامیہ تعمیر کر کے مستقل صدقہ جاریہ قائم کر دے۔

پس بنظر حالات موجودہ سوالات یہ ھیں۔

(۱) کیا بکر متولی شرعاً مجاز ھے کہ برخلافِ تصریح شرائط ثالث مسلمہ واقفین آمدنی اور قیمت کو بجائے مکہ معظمہ کے ھندوستان کے اندر تعمیر مساجد و مدارس، ویتیم خانہ، ودارالحرب میں صرف کر کے صدقہ جاریہ قائم کر دے۔

(۲) اگر زید کے بعض ورثاء اس پر رضامند نہ ہوں کہ قطعات اراضی موقوفہ کے روپیہ سے ہندوستان کے اندر صدقات جاریہ قائم کر دئے جائیں یا اسکو منظور تو کرتے ہیں مگر بلا وساطت بکر متولی کے اپنی رائے سے ہندوستان میں کوئی صدقہ جاریہ قائم کرنا چاھتے ہیں تو اس صورت میں بکر کو بوجہ متولی ہونیکے یہ اختیار حاصل ھے یا نہیں؟ کہ اپنے اختیار سے جملہ قیمت کو صدقات جاریہ میں صرف کر دے اور ورثاء کی رضامندی و اجازت کا انتظار نہ کرے۔

(۳) اور بیا شرعاً یہ صورت بھی ممکن ھے کہ بکر جائیداد موقوفہ میں سے اپنے حصے اور

نیز ان ورثاء کے حصے وقف کردہ کو جو رضامند نہیں ہیں انکو اختیار دیدے کہ اپنے حصے کی جائیداد موقوفہ میں اپنے اختیار سے عملدرآمد کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

واضح ہو کہ وقف مذکور صحیح ھے کیونکہ جبکہ ورثاء نے ثالث کو وکیل بالوقف بنادیا تو وقف کردینا اس کا صحیح ھے پس جیساکہ ورثاء اگر خود وقف کرتے تو وقف صحیح ہوتا اسیطرح جبکہ ثالث نے ان کی طرف سے ان کے اذن سے وقف کردیا تو وہ بھی صحیح ھے جیساکہ درمختار کتاب الوکالۃ میں ھے۔

التوکیل صحیح وھو اقامۃ الغیر مقام نفسہ الخ۔ فی تصرف جائز ممن یملکہ الخ لکل ما یباشر الموکل بنفسہ الخ انتھٰی ملخصاً۔

اور اسطرح بھی وقف صحیح ہوجاتا ھے کہ بوقت وقف یہ شرط کی جائے کہ اس کو فروخت کرکے دوسری زمین ومکان وغیرہ خرید کر وقف کردیا جائے۔

کما فی الدرالمختار: وجاز شرط الاستبدال بہ ارضاً اخریٰ او شرط بیعہ ویشتری بثمنہ ارضاً اخریٰ اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیۃ کالاولی فی شرائطھا الخ (شامی)

اور بعض صورتوں میں بلاشرط واقف بھی استبدال صحیح ھے مثلاً جبکہ وقف اول بیکار ہوجائے اور اس سے کچھ نفع حاصل نہ ہو تو قاضی عادل وعالم وعامل بلاشرط واقف بھی اسکو فروخت کرکے اس کے عوض دوسری زمین ومکان خرید کر وقف کرسکتا ھے کیونکہ غرض یہ ھے کہ جس میں نفع زیادہ اور غرضِ واقف اس سے پوری طرح حاصل ہو۔ اسکی رعایت کرنا ضروری ہے

وکذا یفتی بکل ما ھو انفع للوقف فیما اذا اختلف العلماء فیہ حاوی القدسی ومتی قضی بالقیمۃ شری بھا عقاراً آخر فیکون وقفاً بدل الاوّل (درمختار) ومراعات غرض الواقفین واجبۃ (شامی)

پس بعد تمہید کے جواب سوالات کا حسبِ ذیل ہے:۔

(۱) بکر متولی کو جائز ہے کہ جبکہ مکہ مکرمہ میں بناء رباط وغیرہ متعذر ومتعذر ومخدوش ہے جسکی تفصیل سوال میں ھے کہ وہ برخلافِ تصریح ثالث اور برخلافِ شرائط مسلمہ واقفین کے ہندوستان میں کوئی مسجد یا مدرسہ یا یتیم خانہ یا دارالحدیث تعمیر کرکے وقف کردے تاکہ یہ

صدقہ جاریہ باقی رہے اور اس کا ثواب دائماً پہنچتا رہے کیونکہ غرضِ واقفین حصولِ ثواب اخروی ہے اور یا کوئی ایسی چیز بنائی جائے جو کہ صدقہ جاریہ ہو تو ہندوستان میں مسجد، و مدرسہ، ویتیم خانہ، دارالحدیث بنانے میں بھی یہ غرض حاصل ہے اسلئے یہ بھی جائز ہے جیسا کہ گذرا کہ رعایت رکھنا غرض واقف کی ضروری ہے۔ مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ الخ (شامی)

(۲) بکر کو بحیثیت متولی ہونے کے یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے اختیار سے جملہ قیمت کو کسی صدقہ جاریہ کی تکمیل میں صرف کردے کیونکہ ورثاء کو بعد وقف ہوجانے قطعات مذکورہ کے کچھ تعلق وقف سے باقی نہ رہا لھذا انکی اجازت کی تصرف مذکور میں کچھ ضرورت نہیں ہے اور متولی خود اپنی رائے سے مصلحت کے موافق عملدرآمد کرسکتا ہے کیونکہ وقف کردینے کے بعد حق واقف وقف سے منقطع ہوجاتا ہے۔

(۳) بکر کو لازم ہے کہ موافق شرط شدہ بوقتِ وقف کے تمام جائیدادوں کی قیمت کو صدقہ جاریہ کی تعمیر وتکمیل میں صرف کردے اور یہ صورت جائز نہیں ہے کہ بعض حصہ داروں کے حصص میں سے خود کوئی تعمیر کرائے اور بعض حصہ داران جو کہ راضی نہیں ہیں انکو اختیار دیدے کہ وہ بطور خود عملدرآمد کریں کیونکہ وقف کامل ہوجانے کے بعد یہ ارادوں کے اختیار سے باہر ہوگیا اور شرط شدہ کی تکمیل متولی کے ذمہ لازم ہے اسمیں تفاضل و تساھل نہ کرے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند

۸ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ

تفصیل الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی العالمگیریۃ (ص۲۱۶) : ولو قال ارضی ھذہ صدقۃ موقوفۃ ابداً علی ان لی ان استبدل بھا اخری یکون الوقف جائزاً استحساناً اذا کان الشرط بثمن الاولیٰ کذا فی محیط السرخسی وکما لو اشتری الثانیۃ تصیر الثانیۃ وقفاً بشرائط الاولیٰ قائمۃ مقام الاولیٰ ولا یحتاج الیٰ مباشرۃ الوقف بشروطہ فی الثانیۃ کذا فی فتاویٰ قاضی خان واذا قال : علی ان استبدل ارضاً اخری لیس لہ ان یجعل البدل داراً وکذا علی العکس کذا فی فتح القدیر : ولیس للقیم

ولاية الاستبدال الا ان ينص له بذالك ولوشرط له ولم يشترط لنفسه كان له ان يستبدل بنفسه كذا فى فتح القدير ولو قال بارض من البصرة ليس له ان يستبدل من غيرها وينبغى ان كانت ان يجوز لانه خلاف الى اخير كذا فى فتح القدير اه (ص ۲۱۶ ج ۴)

وفى الشامية، وفى الاسعاف: ولا يجوز ان يفعل الا ما شرط وقت العقد اه

وفى فتاوىٰ الشيخ قاسم: وما كان من شرط معتبر فى الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولاسيماً بعد الحكم اه. فقد ثبت ان الرجوع عن الشروط لا يصح الا التولية ما لم يشترط ذالك لنفسه فله تغيير المشروط مرة واحدةً الا ان ينص على انه يفعل ذالك كلما بدا له والا اذا كانت المصلحة اقتضته فاغتنم هذا التحرير آه (ص ۶۶۸ ج ۳)-

وفى الدر: قولهم: شرط الواقف كنص الشارع اى فى المفهوم والدلالة ووجوب العمل به اه (ص ۶۴۴ ج ۳)

حاصل ان عبارات کا یہ ہوا۔

(۱) کہ متولی پر شرائط وقف کے مطابق عمل کرنا واجب ھے۔

(۲) متولی یا واقف کوئی بھی شرائط وقف سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

(۳) مگر جب مصلحت رجوع کی مقتضی ہو تو واقف رجوع کر سکتا ھے۔

(۴) اور بعض صورتوں میں متولی کو بھی مخالفت شروط واقف کی اجازت ھے۔

(۵) وقف بشرط الاستبدال جائز ھے۔

(۶) اگر کسی خاص شہر کی زمین کے ساتھ استبدال کو مقید کیا ہو تو اس کے سوا کسی اور شہر کی زمین کے ساتھ استبدال جائز نہیں مگر یہ کہ دوسرے شہر کی زمین احسن ہو تو قیاساً جواز کی گنجائش ھے مذہب میں تصریح[1] نہیں۔

(۷) متولی کو استبدال کا حق بدون اذنِ صریح واقف کے نہیں ھے۔

(۸) اگر واقف نے متولی کو استبدال کی اجازت دی ہو اور اپنے لئے اس حق

[1] دل علیه لفظ ینبغی ان کانت احسن یجوز۔

کو ذکر نہ کیا ہو تو واقف کو خود بھی حق استبدال ثابت ہوگا اب اس کے بعد صورت مسئلہ میں غور کیا جائے تو ثالث نے نفس استبدال کو بھی متولی کیلئے مطلقاً مشروط نہیں کیا بلکہ رضاء ورثاء کے ساتھ مقید کیا ہے پھر استبدال مشروط میں تغیر کرنیکا حق بدون رضاء ورثاء کے متولی کو کیونکر حاصل ہوگا پس صورتِ مسئولہ میں متولی کو اس وقف کا بیع کرنا بغرض بناء رباط فی بیت اللہ بھی بدون رضاء واقفین جائز نہیں اور بناء رباط فی بیت اللہ کے علاوہ کسی اور جگہ رباط وغیرہ بنانیکے لئے بیع کرنا تو بدون رضاء واقفین کے کسی طرح بھی جائز نہیں کیونکہ اسکو حق استبدال مطلقاً نہیں دیا گیا۔ اور مطلقاً بھی دیا گیا ہوتا تو واقفین کو بذات خود بھی استبدال کا حق قائم رہتا کما مر فی الجزئیۃ الثالثۃ المنقولۃ عن فتح القدیر۔ لھذا مجیب سلمہ کا یہ کہنا کہ یہ صورت جائز نہیں کہ بعض حصہ داروں کے حصص میں سے خود کوئی تبدیر کرائے اور بعض حصہ داران جو راضی نہ ہوں انکو اختیار دیدے الخ سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر سب ورثاء راضی نہ ہوں تو ہر واقف کو اپنے حصۂ وقف میں برضاء خود استبدال کا حق باقی ہے وقف کرنے سے واقف کی ملک منقطع ہوجاتی ہے نہ کہ حق تولیت وتصرف وغیرہ اور واقفین کو بھی بناء رباط فی بیت اللہ کی شرط کی مخالفت اس وقت جائز ہے کہ بناء رباط فی غیر بیت اللہ احسن ہو یا بیت اللہ میں رباط کا بنانا دشوار ہو اور دشواری کا خیال محض اخباری خبروں پر قائم نہ کرنا چاہئے بلکہ براہِ راست ان معتبر لوگوں سے جو کہ مکہ میں رباطات ومدارس کے متولی ومہتمم ہیں اسکو دریافت کرنا چاہئے مکہ میں سب رباطات ومدارس کے مہتممین ومتولیین خائن نہیں ہیں بعض ثقہ ومعتبر بھی ہیں مثلاً مولوی محمد سعید صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ سے دریافت کیا جائے کہ آیا مکہ میں کسی رباط کا بننا ممکن ہے یا نہیں؟ مدرسہ صولتیہ کیلئے تعمیر مکان برائے اقامت طلبہ کی ضرورت مدرس مذکورہ کی رپورٹ میں عرصہ سے ظاہر کی جارہی ہے اگر مہتمم مدرسہ صولتیہ اس کا امکان ظاہر کریں اور اس کام کو اپنے اہتمام سے انجام دے سکیں تو غرض واقفین کے یہ زیادہ موافق ومناسب ہوگا اور صرف اپنا ایک آدمی نگرانی کاروبار کیلئے بھیجنا کافی ہوگا۔ اگر وہاں تفتیش تام کے بعد بناء رباط ممکن نہ ہو تو پھر ہندوستان میں بھی واقفین کی رضاء سے بنانا جائز

ہے اگر سب راضی نہ ہوں تو ہر واقف اپنے حصۂ وقف میں استبدال و عدم استبدال کا مختار ہے فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۲ر محرم الحرام ۴۴ھ

هذا هو الحق عندی
اشرف علی
۱۲ر محرم ۴۴ھ

واقف کو شروط وقف میں تغیر و تبدل کا اختیار نہیں

سوال :- زید کے پاس ایک قطعہ قبرستان کا جو پیشتر سے وقف نہ تھا شرکاء سے تقسیم ہو کر سب اس کے حصہ میں آگیا اور اس قطعہ میں چند قوموں کے موتی دفن ہوتے ہیں اور زید کے جد امجد کے بھی دو مقبرے ہیں ایک مردانا اور دوسرا زنانہ زید نے اپنی لاگت اور صرف سے بیریوں کے درخت لگا دیئے جب وہ پروش ہو گئے اور پھل دینے لگے اس قطعہ کا مع بیریوں کے للہ وقف نامہ لکھدیا اور یہ نیت کی۔ اور یہی عبارت اسمیں لکھی کہ تا زندگی نصف آمدنی اپنے صرف میں لاؤنگا اور نصف آمدنی مکہ معظمہ میں مہاجرین و مساکین پر صرف کرونگا اور بعد مرنے زید کے اس کا بیٹا متولی ہوگا اور کل آمدنی اسکے گاؤں میں جو مدرسہ اسلامیہ یا قرآن کا مکتب ہو اسمیں صرف ہوگی اور جو نہ ہو وہ گاؤں کی مساجد میں۔

اب یہ دریافت کرنا ہے کہ مصرف اس آمدنی کا جو نیت زید نے کی تھی وہی ہے یا شرعاً اور مصرف بھی ہو سکتا ہے اور وہ مصرف کیا ہے ؟

المستفتی حاجی محمد یاسین خان صاحب اسلام پوری

الجواب :- صورتِ مسؤلہ میں جبکہ زید نے اس وقف کا مصرف متعین کر دیا تو اس تعیین کے موافق تا حیات صرف کرنا واجب ہے اور بعد میں اس تعیین کے موافق صرف کرنا ضروری ہے جو بعد کیلئے متعین کی گئی اسمیں تغیر کرنیکا نہ واقف کو اب حق ہے نہ متولی مابعد کو۔

قال فی العالمگیریۃ : اذا قال ارضی صدقۃ موقوفۃ للہ تعالیٰ ابداً علی ان اضع غلتھا حیث شئتُ جاز وله ان یضع غلتھا حیث شاء فان وضع فی المساکین او فی الحج او فی انسان بعینه فلیس له ان یرجع عنه وکذالك لو قال

جعلتها لفلان او اعطيتها فلانًا فلا يرجع عنه اھ (ص ۲۱۷ ج ۳)

وفيه ايضاً ، ولو وقف ارضه على بنى فلان على ان لى ان اعطى غلتها من شئت فشاء صرفها الى واحد من بنى فلان بعينه جازت مشيته وان شاء كلمة عامة فتعم الكل ولو شاء صرفها الى غير بنى فلان بطلت مشيته كذا فى محيط السرخسى . فان قال : جعلت الغلة لابن فلان دون اخوته جاز ولم يكن له ان يحوله اھ (ص ۲۱۸ ج ۳)

قلت : فلما لم يجز التحويل فيما اذا جعل المشيته له ثم عين مصرفاً فان لا يجوز فيما لا يجوز المشيته له اولىٰ

اور اگر ان مصارف میں صرف کرنا دشوار و متعذر ہو گیا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ واللہ اعلم

۳ر جمادی الثانی ۴۴ھ

بیع اراضی وقف وحکم تولیت | **سوال ۵**۔ عبارت تقسیم نامہ متعلق قطعات اراضی ومکانات موقوفہ جو آٹھ قطعات زمین معہ مکانات مذکورہ بالا واقع دہلی موری دروازہ کوچہ معظر خان مالیت مبلغ ۔۔۔۔۔ روپیہ ملکیت زید کی تھی اور جملہ وارثان انکے نے مجھے یہ بیان کیا کہ مورث متوفی کی یہ منشاء تھی کہ منجملہ جائیداد اپنی کے کسی قدر جائیداد وقف کر دوں۔ مگر ان کو موقع نہ ملا مگر ہم سب ورثاء ان کے یہ چاہتے ہیں کہ یہ قطعات زمین کے وقف سمجھے جائیں تو بہتر ہے چنانچہ انہوں نے بتاریخ ۲۰ر جنوری سنہ کو ایک درخواست مہری و دستخطی اپنی میرے پاس بھیجدی پس بموجب مرضی اور موافق تحریر درخواست کے بابت ان قطعاتِ زمین کے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ یہ قطعات مندرجہ بالا درو بست قطعی وقف سمجھے جائیں گے اور بقبضہ بکر رہیں گے اور وہی ان کا متولی رہیگا اور جو آمدنی ہو وہ جمع کریں اور وقت موقع ان کو اپنے اقرار سے فروخت کر کے زر قیمت ان کا مع آمدنی بیت اللہ شریف بھیج کر حسبِ مرضی ورثاء دیگر رباط از نام زید تعمیر کرادیں اور اسکے متولی خود رہیں یا حسبِ مرضی ورثاء کسی اور کو متولی مقرر کر دیں اور بکر حساب آمدنی اس جائیداد وقف کا اپنے پاس تحریر کرتے رہیں باقی ماندہ ورثاء کو اختیار ہے کہ جب چاہیں حساب آمدنی و خرچ جائیداد موقوفہ کا متولی مذکور سے سمجھتے

رہیں حساب سمجھانے میں متولی کو کوئی عذر نہ ہوگا۔

اب سوال بصورت مندرجہ بالا یہ ہے

بعد انتقال بکر متولی برادر حقیقی زید کے ان قطعات اراضی و مکانات موقوفہ پر بکر کے پسران بحیثیت متولیانہ قابض و دخیل ہیں اور ان کا ہر ایک قسم کا انتظام اور نگرانی و وصول کرایہ وغیرہ اپنے اختیار متولیانہ سے انجام دے رہے ہیں پسران بکر متولیان (جو کہ شرعی طور پر اس اراضی میں منجانب پدر خود حصہ دار اور حقدار ہیں) کی خواہش ہے کہ وہ اراضی و مکانات موقوفہ مذکورہ کو جہاں تک ہو سکے جلد از جلد فروخت کر کے زر قیمت اسکی صدقات جاریہ میں لگا دیں تاکہ زید انکے چچا کی یادگار بہت جلد قائم ہو جائے اور ثواب اس صدقہ جاریہ کا چچا مرحوم کو پہونچ جائے نیز جس قدر کام بکر متولی نے نامکمل چھوڑے ہیں اور انکی تمنا و آرزو تھی کہ اپنی حیات میں اپنے بھائی زید کی یادگار قائم کر دوں مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ تمنا اپنے ساتھ لے گئے بکر متولی کی تمنا بھی ان کے بقیہ کاموں کی تکمیل کر کے پوری کر دی جائے۔ پسران بکر کی تولیت شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ اور پسران متولیان موجودہ کو مثل بکر متولی متوفی کے جملہ اختیارات بیع و تعمیر وغیرہ حاصل ہیں یا نہیں؟

الجواب:- اگر ان پسران بکر کو بکر متولی سابق نے برضاء دیگر ورثاء زید اپنی حیات یا مرض موت میں متولی کر دیا تھا تو انکی تولیت صحیح ہے کیونکہ ثالث نے بکر متولی کو کسی دوسرے کے متولی بنانیکا اختیار اسی شرط سے دیا ہے پس بکر کو بدون رضاء دیگر ورثاء کسی کے متولی بنانے کا حق نہ تھا تو اگر بکر نے اپنے بیٹوں کو اپنی حیات میں متولی نہ بنایا ہو یا بنایا ہو مگر دیگر ورثاء زید کی رضاء کی رعایت نہ کی ہو تو پسران بکر کی تولیت صحیح نہیں۔ ہاں اگر بعد انتقال بکر کے دیگر ورثاء زید نے پسران بکر کو متولی بنا دیا ہو اس صورت میں بھی تولیت صحیح ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ان کی تولیت صحیح نہیں۔ اور بعد صحت تولیت کے پسران بکر کو ان اراضی موقوفہ کی بیع کرنے اور انکی قیمت سے رباط تعمیر کرنیکا حق نہیں بلکہ اب یہ حق واقفین کو ہے اگر ان سے کوئی زندہ ہو یعنی ورثاء زید کو۔

قال فی العالمگیریۃ: ولو قال: ولیتك هذا الوقف فانما له

الولایۃ حال حیوتہ لا بعد وفاتہ (ای الواقف) اھ (ص ۲۲۰ ـ ج ۳)
واذا مات المتولی والواقف حی فالرأی فی نصب قیم آخر الی الواقف لا الی
القاضی وان کان الواقف میتاً فوصیہ اولی من القاضی وان لم یکن اوصی الیٰ
احد فالرأی فی ذالک الی القاضی اھ (ص ۲۲۱ ج ۳) ـــــ ولو شرط الواقف
فی الوقف الاستبدال لکل من ولی ھذا الوقف صح ذالک ویکون لکل من
ولی الوقف ولایۃ الاستبدال اما اذا کان الواقف علی ان لفلان ولایۃ
الاستبدال فمات الواقف ولا یکون لفلان ولایۃ الاستبدال بعد موت
الواقف الا ان یشترط الولایۃ بعد وفاتہ کذا فی فتاوی قاضیخان اھ (ص ۲۱۶ ج ۳)
وفیہ ایضاً: ولیس للمشروط لہ ذالک ان یجعل لغیرہ اولوصی
بہ لہ کذا فی البحر الرائق اھ (ص ۲۱۷ - ج ۳) واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۸ جمادی الثانی ۴۴ھ

حکم وقف ثلث ترکہ بر مسجد بدون اذن وارث

سوال: ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ھندہ فوت ہوئی اس نے ایک چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب اور ایک اپنے خاوند کا رشتہ جدی کا برادر زادہ مسمّٰی زید اور ایک خالہ زاد برادر مسمّٰی خالد وارث چھوڑے پھر چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب اور مسماۃ ھندہ متوفیہ کے خاوند برشتۂ جدی برادر زادہ مسمّٰی زید میں باہمی جھگڑا ہوا کہ میں اس کا مالک ہوں حالانکہ خاوند مرحوم نے اپنی حیات میں تمام مال واسباب خانہ وصحرائی جائیداد ومکان کا ہبہ نامہ باقاعدہ اپنی اھلیہ کے نام کردیا تھا اب اسکے رشتہ جدی کے برادر زادہ مسمّٰی زید کو متوفیہ کی جائیداد سے کچھ شرعاً تعلق نہ تھا اور چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب نے کہا کہ ھم مالک ہیں چنانچہ یہ جھگڑا پنچائیت میں شرفا کی پیش ہوا اسکے بعد پنچائیت کو چند اشخاص مرد وعورت سے معلوم ہوا کہ متوفیہ مسماۃ ھندہ یہ بیان کیا کرتی تھی کہ میں اپنے تمام گھر کا سامان ومکان وصحرائی جائیداد تین سہام پر تقسیم کرونگی ایک حصہ مسجد کو اور ایک حصہ چچازاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب کو اور ایک حصہ اپنے خاوند کے جدی برادر زادے زید کو دونگی۔ چنانچہ اس کا عملدرآمد سرکاری

کاغذات میں کرنیکو ایک شخص بھی مقرر کیا تھا مگر اس کے تساھل میں عملدرآمد کاغذات سرکاری میں نہ ہوا تھا کہ وہ فوت ہوگئی چنانچہ پنچائیت نے دو عالم طلب کرکے ارادہ متوفیہ کو بیان کیا علماء نے فریقین سے دریافت کیا کہ اس تقسیم کو تم بھی منظور کرتے ہو یا نہیں؟ چنانچہ انہوں نے اپنی رضامندی کا اظہار کرکے روبرئے پنچائیت ترکہ مذکور اسی طرح تقسیم کرلیا۔ مسجد کا حصہ مسجد کے متولیان کو دیدیا گیا چند روز کے بعد متوفیہ کا خالہ زاد بھائی آیا جس کا حال کسی کو معلوم نہ تھا اور نہ وہ یہاں کا باشندہ تھا وہ شرعاً کل ترکہ کا مالک تھا اس نے اثاث البیت وغیرہ کل ترکہ متوفیہ کا ثلث حصہ تو مسجد کو حسب فیصلہ مذکور چند معتبرین کے سامنے بخوشی دیکر کہدیا کہ متوفیہ کو اس کا ثواب پہنچیگا میں برضا و رغبت اسکو تسلیم کرتا ہوں مگر ایک حصہ چچا زاد بہن کی لڑکی مسماۃ زینب کا اور برادر زادہ جدی مسمّٰی زید متوفیہ کے خاوند کا حصہ اثاث البیت کا قیامت میں مواخذہ کرونگا اب صحرائی جائیداد اور مکان کے حصہ کی بابت برادر زادہ جدی خاوند متوفیہ مسمّٰی زید نے وارث مذکور یعنی خالہ زاد بھائی کو فریب دیا اور اس فریب میں اس کے چند اشخاص دوسرے بھی شامل ہوگئے کہ میرے نام کی تمام جائیداد میں سرکاری کاغذات میں عملدرآمد ہوگیا اب تم دعویٰ کروگے تو روپیہ بہت خرچ ہوگا۔ لھذا نصف تم مجھے دیدو اور نصف کا تم روپیہ لیکر میرے نام بیع نامہ کردو چنانچہ متوفیہ کے خالہ زاد بھائی مسمّٰی خالد نے اس کے فریب میں آکر مکان اور صحرائی حصہ کا بیع نامہ اسی طرح کردیا اور اثاث البیت کا حصہ تو کارکنان مسجد کے قبضہ میں پیشتر سے حسب رضامندی جائز و ناجائز وارثان آہی چکا تھا اب صحرائی و مکان کے حصہ کی بابت کارکنان نے دعویٰ عدالت میں کیا چنانچہ دوران مقدمہ میں برادر زادہ خاوند نے کارکنان مسجد سے مبلغ تین سو روپیہ پر فیصلہ کرلیا اور رقعہ لکھدیا کہ روپیہ مسجد کو ادا کرونگا چنانچہ رقعہ موجود ھے ـــــ تو اب سوال یہ ھے کہ اثاث البیت کا حصہ جو قبل از بیع نامہ وارث شرعی نے مسجد کو دیدیا اور وارث ناجائز نے بھی دیا مسجد کا ہے یا کس کا؟ وارث ناجائز اب کہتا ھے کہ میں وارث جائز سے تمام اثاث البیت اور مکان اور جائیداد صحرائی کا حصہ خرید چکا ہوں لھذا حصہ اثاث البیت جو مسجد کو دیا گیا ھے مجھکو واپس دیا جائے حالانکہ بیع نامہ میں اثاث البیت کی خریداری کا لفظ کہیں موجود نہیں ھے۔

(۲) یہ کہ اب کارکنان مسجد کو بابت جائیداد صحرائی کے تین سو روپیہ خریدار سے

شرعاً لینا جائز ھے یا نہیں ؟ اور مسجد اسکی مالک ھے یا نہیں اور اثاث البیت کا حصہ جو مسجد میں موجود ھے شرعاً کس کا ہے اور اثاث البیت بلا صراحت کیا بیعنا مہ میں داخل ہوسکتا ھے یا نہ ؟ اور جبکہ حصہ مسجد کا ہوا تو اس کے لینے والے اور دلانے والے کو شرعاً مسجد کو دینا واجب ہوگا یا نہ ؟ اور جس وقت وارث شرعی اور دوسرا مسمّی زید برادر زادہ اور جدی خاوند متوفیہ بھی مسجد کو دے چکے تو واپسی کا حق شرعاً ہوگا یا نہیں ؟ اور اگر ہوگا تو کس کو ہوگا ؟ جواب حوالۂ کتب سے ارقام فرمایا جائے اور تمام علماء والاقدر کی مہریں اور دستخط سے فتویٰ مزین کرا کر بہت جلد ارسال فرمائیں ۔ فقط

الجواب :۔ صورت مذکورہ میں مسماۃ ھندہ[1] متوفیہ کا وارث شرعی اس کا خالہ زاد بھائی ھے لکونہ اقرب الی المیت پس اس کی رضامندی سے پہلے جو فیصلہ کیا گیا تھا وہ محض لغو تھا پھر بعد میں اگر اس نے بخوشی ثلث ترکہ مسجد کو دیدیا تو جس چیز پر تقسیم کے بعد مسجد کے متولی کا قبضہ ہوگیا وہ تو مسجد کی ملک ہوگئی اور جس چیز کو ابھی تقسیم نہیں کیا گیا اور اس پر متولی مسجد کا قبضہ نہیں ہوا ۔ وہ ابھی مسجد کی نہیں ہوئی کیونکہ اس صورت میں ھبہ مشاع بھی لازم آتا ھے جو قابل تقسیم اشیاء میں مانع صحت ھے اور مشاع بھی نہ ہو تو ھبہ بدون تسلیم وقبض کے تام نہیں ہوتا اور صورتِ سوال میں خالد نے وقف کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ دینے کا لفظ استعمال کیا ھے ۔

وقال فی العالمگیریۃ : ولو قال : وھبت داری للمسجد او اعطیتھا لہ صح ویکون تملیکاً ویشترط التسلیم کما لو قال : وقفتُ ھذہ المأۃ للمسجد یصح بطریق التملیک اذا سلم للقیم کذا فی الفتاوی العتابیۃ (ص ۲۴۰ ج ۳) ۔

وفی الدر : والصدقۃ کالھبۃ لا تصح غیر مقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم اھ (ص ۶۹۷ ج ۴)

پس جس اثاث البیت پر کارکنان مسجد کا برضامندی خالد قبضہ ہو چکا ھے وہ تو مسجد کا ھے اس میں کسی کا دعویٰ صحیح نہیں اور جائیداد صحرائی وسکنائی کا ثلث جس پر خالد نے

[1] بشرطیکہ ھندہ کے شوہر نے خود ھندہ کو ھبہ کیا ھے وہ شرائط کے موافق ہو ورنہ زید مالک رہیگا ۔ اور اس کے ورثاء کو وہ ترکہ ملیگا ۔

ہنوز مسجد کا قبضہ نہیں دلایا مسجد کی ملک نہیں ہوگی نہ اہل مسجد کو اس کے دعویٰ کرنے کا حق ہے جبتک کہ خالد خود قبضہ نہ دلائے پس اہل مسجد نے جو تین سو روپیہ پر زید سے فیصلہ کیا ہے یہ فیصلہ حرام ہے زید کے ذمہ ان تین سو روپیہ کا دینا مسجد میں واجب نہیں اور زید نے بھی جو خالد پر دباؤ ڈالکر نصف حصہ بلا معاوضہ لیا ہے یہ نصف حصہ شرعاً اس کیلئے حلال نہیں کیونکہ صرف نام ہونے سے جائیداد ملکیت نہیں ہوجاتی لہذا شرعاً زید پر واجب ہے اور اسیطرح زینب پر کہ خالد کو کل ترکہ پر قبضہ دلا دے پھر چاہے وہ ان کو از خود ہبہ کردے یا ان کے ہاتھ بیع کردے۔ واللہ اعلم

۱۰ر شعبان ۴۴ھ

مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سے نمازیوں کیلئے پانی گرم کرنا۔

سوال ۵۔ مسجد کی ایک موقوفہ جائیداد ہے اسکی آمدنی سے کوئلہ، لکڑی خرید کر نمازیوں کیلئے پانی گرم کرنا بالخصوص جبکہ وقف نامہ بھی گم ہوگیا ہو اور واقف کی نیت بھی معلوم نہیں کہ اس نے کون کون سی ضروریات کیلئے جائیداد وقف کی تھی تو ایسی صورت میں مسجد کی آمدنی سے پانی گرم کرنا جائز ہے یا ناجائز جواب سے مطلع فرمائیں۔

المرسل محمد میاں عفی عنہ از کوہ منصوری

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جبکہ وقف نامہ موجود نہیں تو پہلے متولیوں کا طرز عمل دیکھا جائے اگر پہلے متولیوں کا طرز عمل یہ رہا ہو کہ اس زمین کی آمدنی سے کوئلہ، لکڑی خرید کر نمازیوں کیلئے پانی گرم کرتے ہوں تو یہ فعل اب بھی جائز ہے ورنہ نہیں بلکہ مصالح مسجد میں اسکی آمدنی کو صرف کیا جائے البتہ اگر جاڑے کے موسم میں پانی گرم نہ کرنے سے نمازی اس مسجد میں نہ آتے ہوں یا بہت کم آتے ہوں تو ہر حال میں یہ فعل جائز ہوگا کیونکہ اب یہ مصالح مسجد میں داخل ہوگیا۔ لان تکثیر الجماعۃ من مصالحہ۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ر ذی قعدہ ۴۴ھ

دو منزلہ مکان دو شخصوں پر اس طرح وقف ہو کہ ایک منزل ایک پر اور دوسری دوسرے پر تو پہلی منزل کی چھت کی مرمت کس کے ذمہ ہوگی

سوال ۶۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان دو منزلہ وقف کیا ایک منزل نچلی اپنے اہل و عیال

پر اور دوسری اوپر کے گھر کے اہل وعیال پر اور وقف نامہ میں یہ تحریر کر دیا کہ ہر دو منزل کی مرمت اسکے ساکنین کے ذمہ رہیگی۔ تو سوال یہ ہے کہ پہلی منزل کی چھت کی (جو کہ پہلی منزل والوں کیلئے چھت کا کام اور دوسری منزل والوں کیلئے زمین کا کام دیتی ہے ونیز اس چھت مذکور پر تمام ضروریات کیلئے پختہ عمارت بھی بنی ہوئی ہے از قسم مکرہ کوٹھری غسل خانہ وغیرہ) مرمت کس کے ذمہ ہونا چاہئے؟ ساکنین منزل زیریں پر یا ساکنین منزل بالا پر؟ بینوا توجروا۔

سائل محمد عبد الشہید

الجواب:۔ قال فی الفتاوی الحامدیة :(سئل) فی علو جار فی ملك زید وتحته سفل جار فی وقف برفتکسر بعض اخشاب السفل فهل تکون عمارتها علی جهة الوقف دون زید؟ **الجواب**: نعم : والمسئلة فی الخیریة من الوقف۔ وقال فی الدر: شرطه شرط سائر التبرعات اھ (ص ۵۵۵ ج ۳)۔

وفیه ایضاً: تجوز هبة حائط بین داره ودار جاره لجاره وهبة البیت من الدار اھ (ص ۶۸۷ ج ۴)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح ہے اور فتاوی حامدیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ چھت کی شکست وریخت کی مرمت حصہ زیرین والوں پر ہے حصہ بالائی والوں پر اس عمارت کی چھت اور دیواروں کی مرمت ہے جو حصہ زیریں کی چھت پر بنے ہوئے ہیں واللہ اعلم

۲ محرم ۴۵ھ

وقف زمین موهوبه للغیر جبکه واهب رجوع فی الهبة کا دعویٰ کرے اور اس وقف کی آمدنی سے مصارف مقدمہ لینے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ اراضی منجملہ اپنے کل حصہ کے بکر کو ہبہ کی اور قبضہ دیکر مکمل کر دیا۔ ہبہ کرنیکے کچھ عرصہ بعد زید نے واپسی ہبہ کا دعویٰ کیا جس میں دو عدالتوں سے ناکام ہو کر عدالت عالیہ میں اپیل کی ہنوز مقدمہ اپیل سے فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ زید نے اپنا کل حصہ جس میں اراضی موہوبہ بھی ہے وقف لوجہ اللہ کر کے مکمل کر دیا اور اراضی موہوبہ کی بابت حسب ذیل عبارت تحریر وقف نامہ کیا۔

(میں نے جو جائیداد بکر کو ھبہ کی اسکی تنسیخ کا مقدمہ عدالت جوڈیشلی میں دائر ھے اگر ہبہ نامہ منسوخ ہوکر جائیداد واپس ہوگئی تو وہ بھی شامل وقف نامہ ہذا تابع شرائط وقف نامہ ھذا رہیگی۔

مقدمہ اپیل زید کے خلاف فیصلہ ہوا اور زید کو بکر کا خرچہ ادا کرنا پڑا۔ زید جائیداد موقوفہ کا متولی ھے اور وقف مذکور ایک کمیٹی کی زیر نگرانی ھے زید کمیٹی سے یہ خواہش کرتا ھے کہ اسکو وہ روپیہ جو بکر کو بعد خرچہ مقدمہ دینا پڑا ھے آمدنی وقف سے مل جائے کیا صورت حال بموجب عبارت وقف نامہ جائیداد موہوبہ اگر واپس ہوجاتی تو وقف شمار ہوتی اور خرچہ مقدمہ جسکی خواہش متولی واقف کرتا ھے آمدنی جائیداد موقوفہ سے کمیٹی دے سکتی ھے اور وہ صرفہ جائز ہوگا جبکہ وقف نامہ میں اس خرچہ کا کچھ ذکر نہیں ھے۔

احقر امتیاز علی از خیرآباد، ڈاک خانہ خرامانا
محلہ شیخ سرائے ضلع سیتاپور، اودھ۔

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں زید نے جو زمین موہوبہ کو تعلیق کے ساتھ وقف کیا تھا یہ وقف صحیح نہ تھا۔ کیونکہ وقف کیلئے مملوک ہونا شرط ھے اور یہ زمین مملوکہ زید نہ تھی بلکہ مملوکہ غیر تھی اور مملوکہ غیر کا وقف تعلیقاً و تنجیزاً ہر طرح باطل ہے اگر یہ زمین واپس آجاتی اور یہ واپسی قواعد شرع کے موافق برضاء موہوب لہ واقع ہوتی تو اس کا وقف پہلی عبارت سے پھر بھی صحیح نہ ہوتا بلکہ وقف مستقل کی حاجت ہوتی پس زید کو اس زمین کے مقدمہ کا صرفہ آمدنی وقف سے لینا جائز نہیں کیونکہ اس مقدمہ کو وقف سے کوئی تعلق نہ تھا کمیٹی وقف کو بھی اس کا خرچ زید کو دینا آمدنی وقف سے جائز نہیں۔

قال فی الدرمع الشامیۃ: وشرطہ شرط سائر التبرعات (افاد ان الواقف لابد ان یکون مالکاً لہ وقت الوقف ملکاً باتاً ولو بسبب فاسد۔ش)۔ وان یکون منجزاً لا معلقاً الا بکائن ولا مضافاً ولا موقتا (لان الوقف لا یحتمل التعلیق بالخطر لکونہ مما لا یحلف بہ کما لا یصح تعلیق الھبۃ بخلاف النذر، وقولہ: الا بکائن او موجود للحال خلافا بینا فی عدم صحتہ معلقاً بالموت قال فی الاسعاف: ولو قال: ان کانت ھذہ الارض فی ملکی

فهی صدقة موقوفة ، فان کانت فی ملکه وقت التکلم صح الوقف والا فلا (ه ش (ص ۵۵۶ ج ۳) واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۶ر محرم الحرام ۴۵ھ

ایسے مسافرخانہ کا حکم جس کا مالک معلوم نہ ہو

سوال ۵۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک چھوٹی مسجد کچی جڑاتی کی کھپرا پوش چھردار ہے اور اسی مسجد کے احاطہ میں مغربی جانب اسکے متعلق ایک مسافرخانہ بھی اسیطرح کھپڑا پوش بنا ہوا ہے چنانچہ اس مسجد کو شہید کرکے اور مسافرخانہ کو گراکر از سر نو مسجد کو ریختہ و وسیع چھت دار اور مسافرخانہ کو سامنے مشرقی جانب بنانے کا خیال ہے جس میں موذن وغیرہ کے رہنے کا بھی سامان ہوگا جس کا کل سامان ہوچکا ہے بلکہ مسافرخانہ ٹوٹ چکا ہے مگر مختلف بیانات کی وجہ سے چند شکوک ایسے پیدا ہوئے کہ اس کا فتویٰ طلب کرنا نہایت ضروری ہے۔ لھذا مندرجہ ذیل سوال معروض ہیں۔

(۱) جسطرح مسجد کے کل مال وسامان (کھپرا بتیاں، بانس و اینٹیں وغیرہ مال وقف ہیں غالباً اس مسافرخانہ کے کل سامان واسباب کھپرا بتی، و اینٹیں وغیرہ بھی مال وقف ہونگے کیونکہ اس کا خاص کوئی مالک نہیں ہے اور رفاہ عام کیلئے ہے اور کل برتاؤ اس کے ساتھ مسجد کے متعلقات کی طرح کئے جاتے ہیں۔

الجواب ۵۔ تحقیق کے بعد اگر اس مسافرخانہ کا کوئی خاص مالک معلوم نہ ہو تو اسکو وقف ہی شمار کیا جائیگا کیونکہ عرف یہی ہے کہ سرائے اور مسافرخانہ بطور وقف کے بنائے جاتے ہیں۔ دوسرے جس چیز کا کوئی مالک نہ ہو اس کا مالک بیت المال ہے اور بیت المال نہ ہو تو عامہ مسلمین ہیں یعنی عامہ مسلمین کو اسکے انتظام کا حق ہے اس کا مرجع بھی وقف ہی کی طرف ہے واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۵ر محرم الحرام ۴۵ھ

وقف علی الاولاد اور تعلیق تولیت علی شرط

سوال ۶۔ مخدوم و مکرم و معظم جناب حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب دام فیوضکم۔ السلام علیکم۔

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ میرا ارادہ اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد اپنے پوتے انعام اللہ خاں اور اپنی پوتی چندا بیگم کے نام کرنیکا ہے انعام اللہ خاں عرصہ سے مفقود الخبر ہے، وقف نامہ میں تحریر کیا جائیگا کہ اول انعام اللہ خاں اگر آجائے تو متولی رہے ورنہ پوتی اور اس کے بعد اسکی اولاد از قسم ذکور متولی ہونگے کیا اس قسم کا وقف بنام پوتا و پوتی شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- اگر بجز پوتا اور پوتی کے اور کوئی وارث نہیں یا ہے مگر ان سے مؤخر ہے تو اس وقف میں کوئی کراہت نہیں جبکہ وقف نامہ میں آخری جہت ایسی ہو جو غیر منقطع ہو مثلاً یہ لکھدیا جائے کہ اگر ان کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو اس زمین کی آمدنی فقراء کو دی جائے اگر جہت غیر منقطع کا ذکر نہ کیا گیا تو وقف صحیح نہ ہوگا۔

قال الشامی: والصحیح ان التابید شرط اتفاقاً لکن ذکرہ لیس بشرط عند ابی یوسف وعند محمد لابد ان ینص علیہ وصححہ فی الھدایۃ:

ایضاً وفی الاسعاف: لو قال: وقفتُ ارضی ھذہ علی ولد زید و ذکر جماعۃ باعیانھم ولم یصح عند ابی یوسف رح ایضاً لان تعیین الموقوف علیہ یمنع ارادہ غیرہ بخلاف ما اذا لم یعین لجعلہ ایاہ علی الفقراء اھ

(ص ۵۶۴ - ج ۳)

وفی الخلاصۃ عن شرح الطحاوی: تعلیق العزل باطل وتعلیق الوکالۃ بالشرط جائز متعارفاً کان او غیر متعارف اھ (ص ۱۵۰ - ج ۴).

قلت: والتولیۃ کالتوکیل۔

اور اگر ان دونوں کے سوا اور بھی وارث ہیں جو ان سے محجوب نہیں اور وقف سے انکو محروم الارث کرنا مقصود ہے تو کراہت سے خالی نہیں، واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۹ ذی الحجہ ۴۵ھ

متولی اگر بدون وصیت مرجائے تو متولی مقرر کرنے کا حق کس کو ہے

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی ملکیت کی آمدنی میں سے آٹھواں حصہ وقف کیا اور وصیت نامہ لکھا جس میں واقف نے اس کے

خرچ کرنیکی تفصیل بھی بتائی اور اس کے دو متولی مقرر کئے اور خرچ کرنیکی تفصیل یہ ہے
مکہ معظمہ میں پچیس عدد روپیہ سالانہ اور پچیس عدد روپیہ مدینہ منورہ میں بھیجے جائیں اس کے علاوہ
جو حصہ آمدنی کا زائد رہے اس کو طالب علم و کنواں وغیرہ و دیگر کار خیر یعنی ثواب کے کاموں
میں خرچ کرنا اور اس کا اختیار مقرر کردہ متولیان کو دیتا ہوں کہ مقرر کردہ آمدنی کو جمع
خرچ کریں اور اگر ان میں سے دونوں کی یا ایک کی موت واقع ہو تو انکو اختیار ہے کہ یہ
اپنی جانب سے کسی کو متولی مقرر کردیں مذکور شخص یعنی واقف کے انتقال کے بعد دونوں متولیان
نے موقوفہ آمدنی کو اپنے قبضہ میں لیکر وصیت نامہ کے مطابق جمع خرچ اور اسکی دیکھ بھال
کی متولیان میں ایک واقف کا لڑکا تھا اور ایک بھتیجا ان میں سے ہر ایک متولیان نے
یکے بعد دیگرے انتقال کیا دونوں متولیان میں سے کسی ایک نے بھی اپنی جانب سے کسی کو
متولی مقرر نہیں کیا بلکہ وہ موقوفہ آمدنی کا حصہ بعد انتقال متولی ثانی کے جو کہ واقف کا بھتیجا
تھا اسکی اولاد نے اپنے قبضے میں لیکر اسکی آمدنی کو وصول کر کے اپنے اختیار سے وصیت
نامہ کے خلاف جسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے آمدنی کو خرچ کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ متولی قابل تسلیم ہیں یا نہیں؟ اور یہ انکا خرچ کرنا
خلاف وصیت نامہ کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو انہوں نے جو آمدنی وصول
کر کے وصیت نامہ کے خلاف خرچ کردی ہے اس کا بار اُن کے ذمہ ہے یا نہیں؟ یعنی جو آمدنی
وہ وصیت نامہ کے خلاف خرچ کر چکے ہیں وہ ان سے وصول کر سکتے ہیں یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے: کہ اس واقف کے وارث یعنی اولاد موجود ہے انکو یہ اختیار
ہے کہ نہیں؟ کہ موجودہ متولی جو از خود بنے ہوئے اور خلاف وصیت خرچ اپنے اختیار سے
کر رہے ہیں ان کے قبضہ سے لیکر کسی دوسرے کو متولی بنائیں یا خود متولی بنیں۔

دیگر یہ کہ موجودہ متولیان نے واقف کے رشتہ داروں کو خلاف شرطِ وصیت نامہ
سب جگہ سے بند کر کے انکو اپنے اختیار سے دیدے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ زیادہ چہ۔ والسلام

المرسل: نیازمند محمد یوسف راندیر ضلع سورات

الجواب:۔ قال فی الدر (ص ۶۳۶ ج ۳): ثم اذا مات المشروط له
بعد موت الواقف ولو یوص لاحد فولایة النصب للقاضی اذ لا ولایة لمستحق
الا بتولیة کما مر وما دام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لا یجعل

المتولی من الاجانب لانہ اشفق اھ۔

وقال الشامی تحت قول الماتن: ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ ثم للقاضی اھ ما نصہ ثم اتفق المتاخرون ان لا یعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاۃ فی اموال الاوقاف وکذالک اذا کان الوقف علی ارباب معلومین یحصٰی عددھم اذا نصبوا متولیا وھم من اھل الصلاح اھ (ص ۶۳۳ ج ۳)

صورت مسؤلہ میں جب دونوں متولیوں نے کسی کے واسطے تولیت کی وصیت نہیں کی تو متولیوں کے ورثاء کا از خود متولی ہو جانا درست نہیں ہوا۔ بلکہ متولی بنانے کا اختیار قاضی کو تھا اور جہاں قاضی نہ ہو یا ہو مگر عادل نہ ہو وہاں اس مقام کے اہل صلاح مسلمین کو متولی بنانے کا اختیار ہے پس اس صورت میں بلدِ واقف کے اہل صلاح علماء و رؤساء وصلحاء جس کو متولی بنادیں وہ متولی ہوگا اور مسلمانوں کو لازم ہے کہ جب تک واقف کے اقارب میں تولیت کے قابل کوئی ہو اس وقت تک اجنبی کو متولی نہ بنائیں بلکہ اقارب واقف کو مقدم کریں البتہ اگر اقاربِ واقف میں کوئی لائق نہ ہو تو اجنبی کو متولی کردینا جائز ہے لیکن بعد میں اگر کسی وقت اقاربِ واقف میں کوئی قابل پایا گیا تو اجنبی کو الگ کرکے قریبِ واقف کو متولی کردینا لازم ہوگا پس اجنبی کو اس شرط کے ساتھ متولی بنایا جائے کہ جب تک اقاربِ واقف میں کوئی لائقِ تولیت نہ ہو اس وقت تک اجنبی متولی ہے۔

قال الشامی نقلاً عن کما فی الحاکم: ولا یجعل القیم فیہ من الاجانب ما وجد من ولد الواقف واھل بیتہ من یصلح لذالک فان یجد فیھم من یصلح لذالک فجعلہ الی اجنبی ثم صار فیھم من یصلح لہ صرفہ الیہ اھ (ص ۶۳۶ ج ۳)

پس جب واقف کی اولاد موجود ہے تو وہ سب سے زیادہ مستحق تولیت ہیں بشرطیکہ ان میں صلاحیت و دیانت موجود ہو اور جو لوگ از خود متولی بنکر خلافِ شرط وصیت نامہ واقف کے عمل کر رہے ہیں ان کا یہ عمل جائز نہیں اور وہ اس رقم کے ضامن ہیں جسکو انہوں نے خلافِ شرائط وقف دوسری جگہ صرف کیا ہے وھذا ظاھر

واللہ اعلم

۱۵ صفر ۴۶ھ

ایسے وقف کا حکم جو بدون صیغۂ تابید وجہت غیر منقطعہ شخص معین پر کیا گیا ہو۔

سوال ۵۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فی سبیل اللہ ۱۲ کنال زمین بکر کو وقف کردی ہے اور بکر نے اپنی گرہ سے اور نیز کوشش کرکے چند اہل اسلام مؤمنین کی امداد مالی وبدنی لسانی سے زمین وقف شدہ مذکور میں مدرسہ اسلامیہ بنا کر اس میں کتب ذیل کی تعلیم دینی شروع کردی، قرآن شریف، تفسیر، کتب فقہ، فارسی اور چند رسالے مسائل ضروریات دینیات میں سے بزبان اُردو ومصنفہ مولوی غلام قادر صاحب اور حساب وتحریرات مروج دنیاوی مدرسہ مذکورہ میں جاری کردیا اور چند معلمین کو بھی مقرر کردیا جس میں کہ گرد ونواح کے عوام الناس نے علم دینی سے بہت فیض پایا اور مدرسہ مذکورہ بالا کی رونق دن بدن ترقی پر ہوتی گئی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممتحنان نے بھی اسمیں اپنے دورے کرنے شروع کردئے اور ہر معلم کو متفرق ماہواری مقرر ہوگئی ڈسٹرکٹ بورڈ کی جانب سے یہ مسئلہ متواتر تین سال نافذ رہا۔ بعدازیں وقف کنندہ اپنے وقف کردہ زمین مذکورہ سے صاف انکاری ہوگیا، کہ نہ میں نے زمین وقف کی ہے اور نہ میں زمین وقف کرنا چاہتا ہوں۔ القصہ! وقف کنندہ نے بعد چند دیگر اشخاص کی امداد سے عمارات آبادی شدہ بنا یا مدرسہ کی گرادی اور ایسی مدرسہ کی لکڑی پتھر وغیرہ سے بجائے مدرسہ کے مسجد اسی جگہ اور اسی وقف زمین میں بنا دی۔

(۱) کیا وقف کنندۂ زمین کو استحقاق واپسیٔ زمین وقف شدہ کا ہے جو کہ زمین واپس وقف شدہ کو کرے۔

(۲) مسجد کے متعلق کیا حکم ہے؟ اسمیں نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ مسجد کی بناء مدرسہ کی لکڑی پتھر سے ہوئی ہے۔

(۳) اور زید کے متعلق کیا حکم ہے کہ جس نے زمین وقف کرکے انکار کردیا ہے اور عمارت مدرسہ کے انہدام کا موجب ہوا ہے۔

الجواب:۔ سوال مذکور کے ساتھ جو دوسرا پرچہ منسلک ہے اس میں اس وقف کا جو واقعہ مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وقف شرعاً درست نہیں ہوا کیونکہ زید نے بکر سے صرف یہ کہا ہے کہ اے بکر! یہ زمین اسقدر اسکو میں نے راہ اللہ تجھے وقف کردی ہے تجھے ہر قسم کے اختیارات ہیں الخ اس میں کوئی لفظ تابید کا مذکور نہیں اور تابید صحتِ

وقف کیلئے شرط ھے کہ جہت غیر منقطعہ کا ذکر ہو اور جب وقف صحیح نہیں ہوا تو یہ زمین بدستور زید کی ملک تھی جس میں اسکو ہر قسم کے تصرف کا اختیار تھا چنانچہ اس نے اس زمین میں جو مسجد بنائی ھے وہ مسجد صحیح ھے اور اب یہ زمین وقف ہو گئی البتہ مدرسہ کی لکڑی پتھر جو مسجد میں لگائی ھے اسکے متعلق یہ حکم ھے کہ اگر یہ لکڑی اور پتھر زید نے اپنی رقم سے مدرسہ میں لگایا تھا تب تو اس کا مسجد میں لگانا درست ہوا اور مسجد میں نماز بھی درست ھے اور اگر یہ چندہ عامہ سے مدرسہ میں لگایا گیا تھا تو اب بدون چندہ دینے والوں کی اجازت کے مسجد میں اس کا لگانا جائز نہیں ہوا بلکہ غصب ہوا اور جب تک چندہ دینے والوں کی صریح اجازت نہ ہو یا اس ملبہ کا ضمان ادا نہ کیا جائے اس وقت تک مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ھے کہ نماز پڑھنے سے فرض تو ذمہ سے ساقط ہو جائیگا لیکن ثواب کم ہوگا اور گناہ کا بھی خطرہ ھے۔

یہ جواب اس واقعہ پر مبنی ھے جو سائل نے تحریر کیا ھے اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

لا یقال : اذا لم یصح الوقف فلیکن ذالك ھبة من زید لبکر وقد قبض علیه فلیکن الھبة تامة لانا نقول : ان الھبة لا تصح بلفظ الوقف.

قال فی الھندیة : والا فی ھذہ المسائل انه اذا اتی بلفظ ینبئ عن تملیك الرقبة یکون ھبة واذا کان منبئاً عن تملیك المنفعة یکون عاریة اھ

(ص ۲۲۸ ج ۵)

قلت : والوقف علی معین انما ینبئ عن تملیك المنفعة دون الرقبة فیکون عاریة والعاریة موادة الی صاحبھا۔ واللہ اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۴۶ھ

وقف علی الفقراء سے اولاد واقف پر جبکہ وہ محتاج ہوں صرف کرنا کیسا ھے۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائیداد جسکی آمدنی ۳۶ ہزار روپیہ سالانہ ھے وقف کر دی اور کہدیا کہ اس وقف سے مسجد اسمعیل حکیم کے مصارف اور روزانہ غرباء ومساکین کو روٹیاں تقسیم کی جائیں اور ایک مدرسہ اسلامیہ دینیات کی تعلیم کا جاری کیا جائے اور علاوہ اس کے سادات کرام بمبئی کو بھی اس وقف سے امداد واعانت کی جائے چنانچہ اس کے بعد عدالت نے مجموعی رقم سے دس ہزار روپیہ مدرسہ

ومسجد وغیرھا کیلئے اور سادات کرام کیلئے مخصوص کردئے ہیں اور بقیہ محفوظ کرلئے واقف کی اولاد سے چند اشخاص اب بالکل نادار اور غیر مستطیع ہوگئے ہیں نان شبینہ کے محتاج ہیں موجودہ وقت بمبئی جیسے شہر میں روزمرہ کے غیر معمولی مصارف کے ہوتے ہوئے شرع شریف کا کیا حکم ھے؟ اور ان اولادوں کو کیا ملنا چاھئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ٤- جب واقف نے وقف میں غرباء ومساکین کیلئے روٹیاں تقسیم کرنا لکھا ھے تو واقف کی اولاد واقرباء جب نادار ومساکین ہیں تو وہ دوسرے غرباء ومساکین سے مقدم ہیں متولی کو مناسب ھے کہ اولادِ واقف کو بھی بقدر کفایت اس میں سے دیدیا کرے جسکی کوئی مقدار ھم متعین نہیں کرسکتے بلکہ متولی یا حاکم مسلم جس قدر مناسب سمجھیں دیدیا کریں۔

قال ابوبکر: فی رجل جعل ارضاً له صدقة موقوفة لله ابدا فی ابواب البر فاحتاج ولده او ولد ولده اوقرابته هل یعطون من غلة هذا الوقف قال: نعم، یعطون من ذالك لان الصدقة من ابواب البر

قلت: فان جعلها صدقة موقوفة علی المساکین فاحتاج ولده هل یعطون من غلتها قال: نعم؛

قلت: فان جعل غلتها فی الحج عنه او فی الغزو او فی ابن السبیل او فی الغارمین او فی مرمة المساجد او فی اکفان الموتی او فی حفر القبور للفقراء هل یعطون المساکین؟ قال توضع غلة هذه الصدقة فیما سمی لا یتعدی بها الی غیره

قلت: فلم قلت: اذا جعلها فی المساکین انه اذا افتقر ولده او قرابته اعطوا من الغلة قال: من قبل ان هؤلاء الذین افتقروا هم من المساکین الا ترٰی انه جاء فی الحدیث: لا تقبل صدقة ذی رحم محتاجة. فولد الواقف وقرابته احق ان یعطوا من غیرهم

قلت: افهو حق واجب لهم؟ قال: لا، لیس بحق واجب لهم لکنی استحب ان یعطوا من الوقف الذی وقف قرابته علی الفقراء اھ من کتاب احکام الاوقاف للخصاف رح (ص ۲۳۷) ثم ذکر ان تعیین القدر الی

القاضی والناظر۔ ولا یکون ذالك القدر المعین حقاً واجباً لهم۔
واللہ اعلم
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۷ر جمادی الثانی ۴۶ھ

قرض سے بچنے کیلئے وقف کرنیکا حکم

سوال ۵۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ڈاکٹر خورشید علی خان نے یکے بعد دیگرے دو نکاح کئے اول آفتاب بیگم سے دوسرے سکینہ بیگم سے تیسری ایک عورت مسماۃ نظیر بیگم برھما سے لائے تھے وہ بلا نکاح ان کے گھر میں رہتی تھی۔ منکوحہ دونوں بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی نظیر بیگم بلا نکاح عورت سے ایک لڑکی جس کا نام احمدی بیگم ھے پیدا ہوئی بوجہ نہ ہونے اولاد کے احمدی بیگم کو نام نہاد کی غرض سے دختر کہا کرتے تھے مسماۃ آفتاب بیگم وسکینہ بیگم خورشید علی خان کے سامنے انتقال کر گئیں اور ان کا مہر بھی نہیں دیا گیا احمدی بیگم کا بالغ ہونے پر وزیر خان سے نکاح کر دیا گیا اور اس سے تین لڑکے دو لڑکی پیدا ہوئیں جو اس وقت موجود ہیں خورشید علی خان نے اپنی کل جائیداد صحرائی وسکنائی وقف کر کے تمام حقوق ملکیت بذریعہ تولیت محمد مشتاق علی خان کو دیدی جو احمدی بیگم کا بڑا لڑکا ھے اور نظیر بیگم بلا نکاح عورت کا نواسہ ہوتا ہے اور دیگر اولادِ احمدی بیگم کو کچھ نہیں دیا۔ صرف ایک مکان احمدی بیگم کو دیا ھے آفتاب بیگم کے انتقال کو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوتا ھے وارثوں کے محروم کرنے اور دین مہر کی ادائیگی سے بچنے کے واسطے یہ وقف کیا گیا ھے

اب سوال یہ ھے کہ یہ وقف جائز ھے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

سائل دوست محمد خان از جلال آباد
۱۴ر جمادی الاول ۴۶ھ

الجواب:۔ وقف[ع] نامہ دیکھا گیا اس میں تمام شرائط وقف موجود ہیں اسلئے اس وقف کی صحت میں کچھ کلام نہیں اور خورشید علی خان واقف نے اس وقف نامہ میں مشتاق علی خان کو صرف متولی بنایا ھے مالک نہیں بنایا اور تولیت کی وجہ سے اس کا حق دوسرے ورثاء سے دوچند نہ رکھا ھے اور دوسرے ورثاء کو سہام شرعیہ کے موافق دینے کی ہدایت کی ھے پس دوسرے ورثاء اپنی وراثت کا ثبوت دیکر اس وقف نامہ کی بناء پر عدالت

ع سوال کے ساتھ وقف نامہ طویلہ بھی آیا تھا جسکی نقل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (ظفر)

سے متولی کو اپنا حق دینے پر مجبور کر سکتے ہیں ـــــ رہا یہ کہ وقف دوسرے ورثاء کو محروم کرنے کیلئے کیا گیا ہے تو اس سے صحتِ وقف پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ کہ ادائیگی مہر سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے تو واقف نے وقف نامہ میں دعویٰ کیا ہے کہ ہر دو زوجہ نے دین مہر مجھکو معاف کر دیا ہے اور اس وقف نامہ پر دونوں کے نشانات انگوٹھا ہیں اسلئے مفتی اس دعویٰ کو قبول نہیں کر سکتا کہ یہ وقف دین مہر سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ہر دو زوجہ کے نشانات انگوٹھا جعلی ہیں یا جبراً لئے گئے ہیں اور اسکی تحقیق حاکم مسلم یا حکم کر سکتا ہے اور بعد تحقیق کے بھی وقف پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

قال فی الدر: وبطل وقف راهن معسر ومریض مدیون بمحیط بخلاف صحیح لو قبل الحجر فان شرط وفاء دینه من غلته صح وان لم یشرط یوفی من الفاضل عن کفایته بلا سرف اھ

قال الشامی تحت قوله: بخلاف صحیح: ای وقف مدیون صحیح فانه یصح ولو قصد به المماطلة لانه صارف ملکه کما فی النفع الوسائل عن الذخیرة «قال فی الفتح: وهو لازم لا ینقضه ارباب الدیون اذا کان قبل الحجر بالاتفاق لانه لم یتعلق حقهم بالعین فی حال صحته اھ» وبه افتی فی الخیریة من البیوع: وذکر انه افتی به ابن نجیم وسیأتی فیه کلام عن المعروضات اھ (ص ۶۱۱ ج ۳) ـــــ وکلام المعروضات ما ذکره فی الدر، بعده سئل (المفتی ابو المسعود) عمن وقف علی اولاده وهرب من الدیون هل یصح فاجاب لا یصح ولا یلزم والقضاة ممنوعون عن الحکم وتسجیل الوقف بمقدار ما شغل بالدین انتهی۔ فلیحفظ اھ وتعقبه الشامی (ص ۶۱۲ ج ۳)

واللہ اعلم

۱۶ جمادی الثانی ۴۶ھ

سوال:۔ ایک کتب خانہ وقف ہے جس کے متولیان حسبِ عملدرآمد واقف سابق متولی اس کتب خانہ سے کتب وقتاً فوقتاً قصبہ کے وقفی مدرسہ میں بغرض تعلیم و درس و مطالعہ وغیرہ مدرسین و طلباء کو مستعار دیتے ہیں اور بیرونجات بھی بھیجتے ہیں پس ایسا تصرف متولیان کا

وقف کتب خانہ سے مدرسین یا طلبہ کو مستعار کتابیں دینا جائز ہے یا نہیں۔

جائز ہے یا نہیں؟ دو بحثیں اس معاملہ میں لوگ کرتے ہیں

ع۱ یہ کہ وقف اس وجہ سے ہے کہ لوگ نفع اٹھائیں اسلئے دینا چاہئے

ع۲ یہ کہ امین کو امانت کا مستعار نہ دینا چاہئے، پس کونسا قول صحیح مان کر اس پر عمل کرنا چاہئے دیگر یہ کہ بسا اوقات مستعار لینے والے یہاں سے کتاب یا جلد بوسیدہ ہوکر خراب حالت میں آتی ہے اس کی درستی کس کے ذمہ ہے؟ یا اگر خدانخواستہ کسی سے بحالت مستعار کتاب تلف ہوجائے تو ضمان کس کے ذمہ ہے پس کن شرائط پر دینا چاہئے یا نہ دینا چاہئے؟ وقف نامہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں ع۱ بغرض ابقاء و درستی کتبخانہ قدیم و جدید عربی و فارسی دار کا وقف فرمودہ والد ماجد منمقر و منمقر موجودہ لاہر پور میں بقدر مناسب صرف کیا جائے ــــ دوسرے وقف نامہ کی عبارت حسب ذیل ہے

ع۲ خریداری و طبع و اضافہ کتب و مرمت جلد وغیرہ میں اس کتب خانہ کے جس کا ذکر وقف نامہ شوہر مقرہ میں ہے بوقتِ ضرورت حسبِ رائے متولیان صرف ہوتا رہے۔

ع۳ ان وقف نامہ جات کے علاوہ بعض اصحاب نے مدرسہ عربیہ لاہر پور کے واسطے کتب درسیات منگا کر داخل کتب خانہ کئے اور بہت سی درسیات آمدنی وقف سے شامل کتب خانہ بموجب وقفنامہ ع۲ شامل ہوتی رہتی ہیں۔

خاکسار، امیر احمد عفی عنہ از لاہر پور محلہ شحنولہ ضلع سیتاپور

۲۵ جمادی

الجواب:- اس کتب خانہ سے مدرسین و طلبہ کو اسی شہر میں جس میں یہ کتب خانہ ہے کتب مستعار دینا جائز ہے اور شہر سے باہر بھیجنا جائز نہیں اور جو کتابیں خراب و بوسیدہ واپس آئیں یا ضائع ہوجائیں ان کے متعلق اگر یہ ثابت ہوجائے کہ مستعیر نے قصداً کتاب کو خراب کیا یا حفاظت نہیں کی تو اس کا ضمان مستعیر پر ہے اور اگر اس نے قصداً ایسا نہیں کیا بلکہ بدون اس کے فعل کے اتفاقاً ایسا ہوگیا تو مستعیر پر ضمان نہیں۔

قال فی الدر: وبہ عرف حکم نقل کتب الاوقاف من محلہا للانتفاع لہا والفقہاء بذالک مبتلون فان وقفہا علی مستحق وقفہ لم یجز نقلہا وان علی طلبۃ العلم وجعل مقرہا فی خزانۃ التی فی مکان کذا ففی جواز النقل تردد، نہر (ص۵۸۱ ج۳)

قلت : والنقل منه فی هذه البلدة لیس من النقل عرفًا فان اهل المدارس یعیرون الکتب لطلبة العلم وسکونتهم فی البلدة فی امکنة شتی ولاینکره الواقفون ولا احد من العلماء وایضاً لایحصل الانتفاع بدونه فان اجتماعهم فی المکتبة باسرهم متعذر والنقل عن البلدة لایخلوا عن خطر الضیاع عادة فیمتنع الا ان یکون الناقل من مدرس هذه المدرسة اومتولی المکتبة وهو علی عزم الرجوع الی هذه البلدة ففیه مندرجة فی الجملة۔ واللہ اعلو

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۹ر جمادی الثانی ۴۹ھ

وقف کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔ زید نے پانچ اولاد ذکور حامد، محمود، راشد، مسعود، احمد اور زوجۂ ثانیہ اور ایک لڑکی بالغہ چھوڑ کر رحلت پائی اور مرض موت میں اپنی کل کتابیں متروکہ وقف علی اولاد الذکور بدون تعلیق بالموت کی اور مرنے سے تقریباً ایک ہفتہ پیشتر وقف نامہ لکھکر ظاہر کیا لیکن اس وقف پر حکم حاکم یا قاضی ابتک نہوا اور زید نے اپنے بڑے لڑکے حامد کو وقف نامہ میں متولی قرار دیا اور محمود برادر حقیقی حامد کو نائب متولی، لیکن کتابوں کو ان کے حوالہ کرکے قبضہ نہیں کرایا نہ الماریوں کی کنجیاں سپرد کیں کیونکہ وہ دونوں مکان پر نہیں تھے کتابیں اور کنجیاں حامد ومحمود کی سوتیلی ماں کے پاس چھوڑ کر رحلت کر گیا اور کسی سے یہ بھی نہیں کہا کہ فلاں شخص کو سب دیدینا۔

زید کی ملک میں ایک دوسرا مکان اس مکان سے جس میں رحلت کی تھی ایک میل کے فاصلہ پر تقریباً ۷ھ حامد کو زید نے اپنی حیات میں حالت صحت میں اس مکان کو زبانی ھبہ کرکے قبضہ کرادیا تھا جس میں حامد مع اپنے اہل وعیال کے بود وباش کئے رہتا تھا اور ہے۔

حامد چاہتا ہے کہ اس مکان سے کتابیں منتقل کرکے اپنے مکان میں لے جائے اور اسکی سوتیلی ماں اور اس کے بطن کی تین اولاد راشد، مسعود، احمد چاہتے ہیں کہ کتابیں اسی جگہ رہیں جس مکان میں وقف ہوئی ہیں اسلئے کہ انکو حامد پر اعتماد

نہیں ہے انکو اپنے انتفاع کے انقطاع کا اندیشہ ہے ورنہ تقلیل انتفاع بوجہ بعد مسافت لازمی امر ہے اس صورت میں چند سوالات ہیں :

(۱) بدون حکم حاکم اشیاء موقوفہ ملک واقف سے خارج ہوجاتی ہیں یا نہیں ؟ درصورتِ اختلاف مفتیٰ بہ قول کیا ہے ؟

(۲) وقف منجز میں، اشیاء موقوفہ متولی کو سپرد کرکے قبضہ کرادینا صحتِ وقف کیلئے شرط ہے یا نہیں ؟

(۳) اگر واقف نے کسی کو متولی قرار دیا اور کاغذ پر لکھدیا اور قبضہ نہیں کرایا تو بعد رحلتِ واقف وہ خود متولی ہوجائیگا یا نصب من القاضی کی ضرورت ہے یا وقف کی عدمِ صحت کی وجہ سے متولی قرار نہیں دیا جائیگا ؟

(۴) مرض موت میں وقف علی الاولاد کل ترکہ میں نافذ ہوگا یا ثلث میں، اگر ثلث میں نافذ ہو تو ثلثین میں حقداران اپنے حقوق کا مطالبہ کریں تو ان کو ان کا حق دینا واجب ہے یا نہیں ؟ اور اگر ورثہ میں نابالغ ہوں تو کیا انکی اجازت سے ان کا حصہ وقف ہوسکتا ہے ؟

(۵) اگر ورثاء زید ؛ مثل برادر، و زوجہ، واولاد، اسی مکان میں یا اس کے قریب ہیں جس جگہ زید نے وفات پائی اور کتابیں چھوڑی اور کتابوں سے تعلیم، تعلم، و افتاء کا کام جاری ہے، ان سے کتابوں کو بعید کرکے انتفاع سے منع کرنا یا اس میں تقلیل کرنا کیا شرعاً جائز ہے خصوصاً جب حامد و محمود سیکڑوں کوس پر کھانے کمانے میں مشغول ہوں اور چھ چھ ماہ پر مکان میں آتے ہوں ؟

(۶) وقف نامہ میں زید نے اس قصبہ سے کتابوں کو نکالنے کی ممانعت لکھی ہے کہ عاریۃً نہ دی جائے مگر اس قصبہ کے کسی محلہ کی تخصیص نہیں لکھی کہ فلاں محلہ میں رہیں پس بصورت نزاع مرتے وقت جس جگہ کتابیں چھوڑی وہیں رہنا چاہئے یا متولی کو اختیار ہے کہ جس محلہ میں چاہے لیجا کر رکھے خصوصاً دوسری صورت میں کہ اولاد اقرباء کو انتفاع میں قلت ہو؟ بینوا بالدلائل توجروا من اللہ الجلیل۔

تنقیح :۔ (۱) اس وقف علی الاولاد میں واقف نے کوئی جہت غیر منقطعہ بھی بیان کی ہے یا نہیں ؟ اور اگر کسی وقت سلسلۂ اولاد منقطع ہوجائے تو ان کتابوں

کو کیا کیا جائے ؟

(۲) یہ مریض مدیون تو نہیں تھا ؟ نیز زوجۂ اولیٰ وثانیہ کا مہر ادا ہو گیا یا دونوں نے معاف کر دیا، یا کچھ نہیں ہوا ؟

(۳) متولی ان کتابوں کو دوسرے محلہ کی طرف کیوں منتقل کرتا ہے ؟ کیا اسکو عدم انتقال کی صورت میں ذمہ داری کتابوں کی دشوار ہے ؟

جواب تنقیح :- (۱) بیان کی ہے اور کسی مدرسہ دینیہ میں دیدی جائے

(۲) مدیون نہ تھا۔ نیز مہر زوجین ادا کر چکا ہے۔

(۳) متولی حامد پہلے ہی سے دو سال الماریوں کو یہاں سے منتقل کر کے اپنے مکان میں لے گیا۔ منشا اس کی اپنے قبضہ میں اور مکان میں رکھنا ہے زوجۃ الاب اور اسکی اولاد سے عرصہ سے نزاع و مخالفت ہے جس سے انکو خطرہ ہے کہ وہ انکو استفادہ سے محروم کر دے اگر الماریاں یہاں واپس لائی جائیں اور مقفل بھی ہوں تو حفاظت ہو سکتی ہے بصورتِ مخالفت وہ صاف کہہ سکتا ہے کہ میں ذمہ دار نہیں ہوں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ اولاد زوجۃ الاب سے انکی بتعید کا خواہاں ہے کہ اسکو انپر اعتماد نہیں اور انکو متولی پر اعتماد نہیں اسلئے منتقل کرنے سے مانع ہیں تاکہ استفادہ بند نہ ہو جائے اس صورت میں منتقل کرنا جائز ہو گا یا ناجائز ؟

الجواب :- مرض الموت میں ثلث مال سے زیادہ میں وقف صحیح نہیں تو اب یہ بتلانا ضروری ہے کہ یہ کتب موقوفہ ثلث مال سے زائد تو نہیں۔ اگر زائد نہیں تو وقف صحیح ہو گیا اور صحتِ وقف کیلئے قول مفتیٰ بہ میں حکم حاکم شرط نہیں اور تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف تام ہو جاتا ہے اور متولی بھی صرف قول یا کتابت واقف سے متولی ہو جاتا ہے قبضہ شرط نہیں اور جب واقف نے ایک شخص کو متولی قرار دیدیا اور اسکی تصریح نہیں کہ یہ کتابیں اس موضع میں کس جگہ رکھی جائیں تو متولی کو قضاءً حق حاصل ہے کہ وہ جس جگہ چاہے رکھکر ان کی حفاظت کرے اگر وہ موضعِ رحلت میں رکھکر حفاظت سے معذوری ظاہر کرے تو اس کو نقل سے روکنا قضاءً درست نہیں۔ ہاں دیانۃً اس کے ذمہ لازم ہے کہ اگر نقل میں موقوف علیہم کو انتفاع دشوار ہے اور عدم نقل میں خطرہ نہ ہو تو کتابوں کو ایسے موضع میں رکھیں جہاں

سبکو انتفاع آسان ہو۔ واللہ اعلم

اور اگر یہ کتابیں ثلثِ مال سے زائد ہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۴ ذی الحجہ ۴۶ھ

کمپنی کے حصص کا وقف جائز ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ سورتی بڑا بازار کمپنی رنگون کے کچھ شیرز (حصص) خرید کر کے وقف علی الاولاد یا کسی دوسرے نیک کام مسجد وغیرہ کیلئے وقف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سورتی بڑا بازار کمپنی رنگون کی ملکیت میں بازار کی دوکانیں اور شہر کے دوسرے مکانات ہیں جس کے حصے ہر شخص خرید سکتا ہے اُن حصوں کا منافع ہر حصہ دار کو ملا کرتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ چونکہ ان حصوں کا وقف متعارف ہے اس لئے جائز ہے اگر خریدار کی ملک میں مکانات و دوکانات وغیرہ ہیں جب تو یہ وقف عین مشاع ہے اور وقفِ مشاع امام ابو یوسف رح کے نزدیک صحیح ہے اور اگر خریدار کی ملک میں مکانات و دوکانات نہیں بلکہ صرف رقم اور اس کا منافع ہے تو یہ وقف دراھم کی جنس سے ہے جو امام محمد رح کے نزدیک بوقتِ تعارف جائز ہے اس لئے بہرحال ان حصص کا وقف جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

یکم محرم ۴۷ھ

استفتاء ۱۴۳۵ کے جواب پر چند شبہات اور ان کا تفصیلی جواب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں کہ: زید نے پانچ اولاد ذکور حامد، محمود، راشد، مسعود نابالغ، احمد نابالغ، اور زوجۂ ثانیہ، اور ایک لڑکی بالغہ چھوڑ کر رحلت پائی اور مرض موت میں اپنی کل کتابیں متروکہ وقف علی اولاد الذکور بدون تعلیق بالموت کی اور مرنے سے تقریباً ایک ہفتہ پیشتر وقف نامہ لکھکر ظاہر کیا لیکن اس وقف پر حکم حاکم یا قاضی اب تک نہ ہوا اور زید نے اپنے بڑے لڑکے حامد کو وقف نامہ میں متولی قرار دیا اور محمود برادر حقیقی حامد کو نائب متولی لیکن

کتابوں کو ان کے حوالہ کرکے قبضہ نہیں کرایا نہ الماریوں کی کنجیاں سپرد کیں کیونکہ وہ دونوں مکان پر نہیں تھے کتابیں اور کنجیاں حامد و محمود کی سوتیلی ماں کے پاس چھوڑ کر رحلت کرگیا اور کسی سے یہ بھی نہیں کہا کہ فلاں شخص کو یہ سب دیدینا زید کی ملک میں ایک دوسرا مکان اس مکان سے جس میں رحلت کی تھی ایک میل کے فاصلہ پر تقریباً ہے حامد کو زید نے اپنی حیات میں حالت صحت میں اس مکان کو زبانی ھبہ کرکے قبضہ کرادیا تھا. جس میں حامد مع اپنے اہل وعیال کے بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے۔

حامد چاہتا ہے کہ اس مکان سے کتابیں منتقل کرکے اپنے مکان میں لے جائے اور اسکی سوتیلی ماں اور اس کے بطن سے تین اولاد راشد، مسعود، احمد چاہتے ہیں کہ کتابیں اسی جگہ پہ رہیں جس مکان میں وقف ہوئی ہیں اس لئے کہ انکو حامد پر اعتماد نہیں ہے انکو اپنے انتفاع کے انقطاع کا اندیشہ ہے ورنہ تقلیل انتفاع بوجہ بُعد مسافت لازمی امر ہے اس صورت میں چند سوالات ہیں :-

(۱) بدون حکم حاکم اشیاء موقوفہ ملک واقف سے خارج ہوجاتی ہیں یا نہیں؟ درصورتِ اختلاف مفتیٰ بہ قول کیا ہے؟

(۲) وقف منجز میں اشیائے موقوفہ متولی کو سپرد کرکے قبضہ کرادینا صحتِ وقف کیلئے شرط ہے یا نہیں؟

(۳) اگر واقف نے کسی کو متولی قرار دیا اور کاغذ پر لکھدیا اور قبضہ نہیں کرایا تو بعد رحلتِ واقف وہ خود متولی ہوجائیگا یا نصب من القاضی کی ضرورت ہے یا وقف کے عدم صحت کی وجہ سے متولی قرار نہیں دیا جائیگا۔

(۴) مرض موت میں وقف علی الاولاد کل ترکہ میں نافذ ہوگا یا ثلث میں اگر ثلث میں نافذ ہو تو ثلثین میں حقداران اپنے حقوق کا مطالبہ کریں تو ان کو ان کا حق دینا واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر ورثاء میں نابالغ ہوں تو کیا ان کی اجازت سے ان کا حصہ وقف ہوسکتا ہے؟

(۵) اکثر ورثاءِ زید ؛ مثل برادر، وزوجہ، واولاد اسی مکان میں یا اس کے قریب ہیں جس جگہ زید نے وفات پائی اور کتابیں چھوڑی اور کتابوں سے تعلیم و تعلم وافتاء کا کام جاری ہے ان سے کتابوں کو بعید کرکے انتفاع سے منع کرنا یا اس میں

تقلیل کرنا کیا شرعاً جائز ھے ؟ خصوصاً جب کہ حامد و محمود سینکڑوں کوس پر کھانے کمانے میں مشغول ہوں چھ چھ ماہ پر مکان پر آتے ہوں ۔

(۶) وقف نامہ میں زید نے اس قصبہ سے کتابوں کے نکالنے کی ممانعت لکھی ھے کہ عاریۃً نہ دی جائے مگر اس قصبہ کے کسی محلہ کی تخصیص نہیں لکھی کہ فلاں محلہ میں رہیں پس بصورت نزاع مرتے وقت جس جگہ کتابیں چھوڑی وہیں رہنا چاھئے یا متولی کو اختیار ھے جس محلہ میں چاھے لے جاکر رکھے خصوصاً اس صورت میں کہ اولاد اقرباء کو انتفاع میں قلت ہو ۔ بینوا بالدلیل توجروا من اللہ الجلیل ۔

تنقیح

(۱) اس وقف علی الاولاد میں واقف نے کوئی جہت غیر منقطعہ بھی بیان کی ھے یا نہیں ؟ اگر کسی وقت سلسلۂ اولاد منقطع ہو جائے تو ان کتابوں کو کیا کیا جائے ؟

(۲) یہ مریض مدیون تو نہیں تھا زوجہ اولیٰ و ثانیہ کا مہر ادا ہو گیا یا دونوں نے معاف کر دیا ، یا کچھ نہیں ہوا ۔ ؟

(۳) متولی ان کتابوں کو دوسرے محلہ کی طرف کیوں منتقل کرتا ھے کیا ان کو عدم انتقال کی صورت میں ذمہ داری کتابوں کی دشوار ھے ؟

جواب تنقیح

(۱) بیان کی ھے ، کسی مدرسہ دینیہ میں دیدی جائیں

(۲) مدیون نہ تھا ، مہر زوجین ادا کر چکا ھے

(۳) متولی حامد پہلے ہی سے دو سال الماریوں کو یہاں سے منتقل کر کے اپنے مکان میں لے گیا منشاء اس کی اپنے قبضہ میں اور مکان میں رکھنا ھے زوجۃ الاب اور اسکی اولاد سے عرصہ سے نزاع و مخالفت ھے جس سے انکو خطرہ ھے کہ وہ انکو استفادہ سے محروم کر دے اگر الماریاں یہاں واپس لائی جائیں اور مقفل ہوں تو حفاظت ہو سکتی ھے بصورتِ مخالفت وہ صاف کہہ سکتا ھے کہ میں ذمہ دار نہیں مگر واقعہ یہ ھے کہ وہ اولاد زوجۃ الاب سے انکی تبعید کا خواہاں ہے کہ اسکو ان پر اعتماد نہیں اور انکو متولی پر اعتماد نہیں اسلئے منتقل کرنے سے مانع ہیں تاکہ استفادہ بند نہ ہو جائے اس صورت میں منتقل

کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟

الجواب:- مرض الموت میں ثلث مال سے زیادہ میں وقف صحیح نہیں تو اب یہ بتلانا ضروری ہے کہ یہ کتب موقوفہ ثلث مال سے زائد تو نہیں اگر زائد نہیں تو وقف صحیح ہوگیا اور صحتِ وقف کیلئے قول مفتیٰ بہ میں حکم حاکم شرط نہیں اور تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف تام ہوجاتا ھے اور متولی بھی صرف قول یا کتابت واقف سے متولی ہوجاتا ھے قبضہ شرط نہیں اور جب واقف نے ایک شخص کو متولی قرار دیدیا اور اسکی تصریح نہیں کی کہ یہ کتابیں اس موضع میں کس جگہ رکھی جائیں تو متولی کو قضاءً حق حاصل ھے کہ وہ جس جگہ چاھے رکھکر انکی حفاظت کرے اگر وہ موضع رحلت میں رکھکر حفاظت سے معذوری ظاہر کرے تو اسکو نقل سے روکنا قضاءً درست نہیں. ہاں؛ دیانۃً اس کے ذمہ لازم ھے کہ اگر نقل میں موقوف علیہم کو انتفاع دشوار ہو اور عدم نقل میں خطرہ نہ ہو تو کتابوں کو ایسے موضع میں رکھے جہاں سب کو انتفاع آسان ہو۔ واللہ اعلم

اور اگر یہ کتابیں ثلث مال سے زائد ہیں تو سوال دوبارہ کیا جائے۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۴ ذی الحجہ ۴۶ھ

الاشکال علی الجواب

دوسرے سوال (یعنی وقف منجز میں اشیاء موقوفہ متولی کو سپرد کرکے اس پر قبضہ کرادینا صحتِ وقف کیلئے شرط ھے یا نہیں) اس کے جواب میں یہ تحریر فرمایا گیا کہ: "اور تسلیم الی المتولی بھی شرط نہیں صرف قول سے وقف ہوجاتا ھے"، اسکے متعلق یہ شبہ ھے کہ یہاں سوال کتابوں کے وقف کا ھے اور مجرد قول سے وقف کی صحت امام ابو یوسف رح کا قول ھے اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک کتابوں کا وقف جائز نہیں۔ کتابوں کا وقف امام محمد رح کے نزدیک جائز ھے اور تسلیم الی المتولی و اقرار جب تک نہ ہو امام محمد رح کے نزدیک اشیاء موقوفہ ملک واقف سے نہیں نکلتی۔

کما فی الھدایۃ: وعند محمد لا بد من التسلیم الی المتولی الی قولہ فینزل منزلۃ الزکوٰۃ والصدقۃ

وفی العالمگیریۃ: وقال محمدؒ: لا یزول (ای ملک الواقف) حتیٰ

یجعل للوقف ولیاً ویسلم الیه وعلیه الفتویٰ کذا فی السراجیة وبقول محمد رح: یفتیٰ کذا فی الخلاصه اھ

پس امام محمد رح کے قول سے جواز وقف کتب اور امام ابو یوسف رح کے قول سے بدون تسلیم واقرار وقف کے جواز کا قائل ہونا اگرچہ تلفیق حقیقی نہ ہو اور حاکم وقاضی کو اس نوع کا تصرف جائز ہے (کما فی رد المحتار مع الشامی ص ۵۱۶ ج ۳ کتاب الوقف)

مگر صورتاً تلفیق معلوم ہوتی ہے کیا اس طریقہ سے وقف کا جواز ثابت کرکے اموالِ یتامیٰ ان کی ملک سے خارج کرکے وقف میں داخل کرنا جائز ہوسکتا ہے؟ علاوہ بریں شامی وجامع الرموز، وقاضی خان وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد رح کا قول اس مسئلہ میں راجح ہے اگرچہ فتویٰ دونوں کے قول پر ہے

قال العلامة الشامی فی رد المحتار (ص ۵۰۴ ج ۳): اما اذا خلا عن القضاء فلا یزول الا بعد هذه الشروط عند محمد رح واختاره المصنف رح تبعاً لعامة المشائخ وعلیه الفتویٰ وکثیر من المشائخ اخذوا بقول ابی یوسف رح وقالوا علیه الفتویٰ اھ

وفی جامع الرموز (ص ۴۲۶ ج ۳): وقول (ای ابی یوسف رح): قوی من حیث انه اقرب من العتق وقول محمد رح اقویٰ لکونه اقرب من الآثار کما فی الکرمانی. وذکر فی الخلاصة ابوحنیفه رح: ضیق کل النفیس لذا اخذ اکثر الاصحاب بقوله وابو یوسف رح قد اوسع کل التوسیع ولذا افتیٰ بقوله: کما فی الظهریة والمضمرات ومحمد وسط بین القولین ولذا اخذ به عامة المشائخ کذا فی الخلاصة وبه یفتیٰ کما فی الکبیری.

وفی قاضی خان (ص ۳۰۴ ج ۴) امرأة وقفت داراً فی موضها علی ثلاث بنات لها آخرها للفقراء ولیس لها ملك غیر الدار ولا وارث لها غیرهن قالوا: ثلث الدار وقف والثلثا لهن یضعن ما شئن فیها وهذا قول ابی یوسف رح لان عنده وقف المشاع جائز وعلیٰ قول محمد رح لا یجوز والفتویٰ علیٰ قول محمد رح اھ

اور ظاہر ہے کہ یہ اختلاف اشتراط تسلیم وعدم اشتراط تسلیم سے پیدا ہوا ہے

اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ فتویٰ دونوں اماموں کے قول پر مساوی درجہ کا ھے تو اس صورت میں موافق قواعد کے عمل متون پر ہونا چاھئے

کما فی الشامی: من انه اذا اختلف التصحیح والفتویٰ فالعمل علیٰ ماوافق المتون (الیٰ قوله) عدم التصریح اصلاً اھ (ص ۶۶ ج ۱)

اور صاحب تنویر الابصار، وکنز، ودیگر متون میں تسلیم کو شرط لکھتے ہیں پس صورتِ مسئولہ وقفِ کتب بدون تسلیم الی المتولی وبدون افراز کے جواز کا قول کس کا ھے۔ امام ابو حنیفہ رح وامام ابو یوسف رح کے نزدیک کتابوں کا وقف سرے سے ناجائز ھے۔ کما ھو مصرح فی الھدایۃ وعالمگیریۃ، ودر المختار وغیرھا اور امام محمد رح کے نزدیک اگرچہ وقفِ کتب جائز ھے مگر بدون تسلیم الی المتولی ناجائز ھے جب ہمارے تینوں آئمہ کے نزدیک صورتِ مسئولہ میں وقف درست نہیں ہوا تو وقف کے جواز کا فتویٰ کس کے قول پہ دیا گیا کہ اموال یتامیٰ ان کی ملک سے خارج کر کے وقف میں داخل کیا جائے اور یتامیٰ کو جو نفع حاصل ہو سکتا ھے اس سے منع کیا جائے ——— وقد قال اللہ تعالیٰ: "وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ"۔ فادفعوا هذا الاشکال لیدفع ما تخلج فی البال واللہ یجزیکم جزاءً حسناً وھو جواد کریم کبیر متعال۔

الجواب لرفع الاشکال

قال فی رد المحتار (ص ۵۷۸ ج ۳): ونقل فی المجتبیٰ عن السیّر[عہ] جواز وقف المنقول مطلقاً عند محمد رح واذا جریٰ فیه التعامل عند ابی یوسف رح و تمامه فی البحر والمشهور الاول اھ

وفی الدر: والملك یزول بقضاء القاضی او بالموت اذا علق به ای بموته فالصحیح انه کوصیة تلزم من الثلث بالموت لا قبله

قلت: ولو لوارثه وان ردوه الخ (ص ۵۶۰ ج ۳ مع الشامی)

اس سے معلوم ہوا کہ منقول متعارف میں امام ابو یوسف رح سے بھی روایت جواز ہے لہذا صورتِ تلفیق کا شبہ مرتفع ھے۔ دوسرے وقف مریض میں زوال ملک بالموت اور اس وقف کا مثل وصیت ہونا ہی صحیح ھے اور اسی کو متون میں اختیار کیا گیا ھے لہذا

عہ وکتاب السیر متواتر عن محمد رح

یہ اشکال بھی صحیح نہیں کہ اموال یتامیٰ کو ان کی ملک سے خارج کرکے وقف میں داخل کیا گیا ہے الخ - کیونکہ میت اگر وصیت کرتا تو یقیناً وصیت ثلث میں نافذ ہوتی اور انفاذ وصیت من الثلث کو مصالح یتامیٰ کے خلاف ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا فکذا ھذا فانہ کالوصیۃ ولما کان ھذا الوقف جائزاً کان کالوصیۃ الجائزہ ـــــ دوسرے : یہ مال دراصل میت کا ہے یتامیٰ کا نہیں یتامیٰ کی ملک بعد میں ثابت ہوگی لھذا اسمیں رعایت جانب میت اولیٰ ہے توجب میت نے مرض وفات میں کتب کو وقف کردیا اور یہ وقف قول صحیح مفتیٰ بہ پر صحیح ہے تو حق یتامیٰ اس سے متعلق نہیں اور تلفیق بین اقوال ائمۃ المذہب الواحد جائز ہے کما اعترف بہ السائل اور صورتِ مسئولہ میں تو تلفیق بھی نہیں کما ذکرناہ آنفاً فافھم ! واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

تتمۂ مسئلہ وقف مذکورہ

سوال :- تتمۃ الجواب المذکور

قال الامام شمس الائمۃ السرخسی فی شرح السیر الکبیر لمحمد بن الحسن الامام (مطبوع دائرۃ المعارف حیدرآباد ص ۲۱۴ - و - ۲۱۵ ج ۲) ولو ان رجلاً فی یدہ افراس حبس فی سبیل اللہ الیٰ آخر المسئلۃ قال : والمراد بالافراس الحبس الموقوفۃ للجہاد وذالک جائز اما علی اصل محمد رحمۃ اللہ علیہ فظاھر لانہ یجیز الوقف فی المنقولات وعلی اصل ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ کذالک فیما فیہ عرف ظاھر کثیاب الجنازۃ والآلات التی یغسل بھا الموتیٰ فکذالک یجوز فی الافراس التی یقاتل علیھا فی سبیل اللہ اھ

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ وقفِ منقول میں امام محمدؒ اور امام ابو یوسف رح میں اختلاف اسطرح ہے کہ امام محمدؒ وقف منقول کو مطلقاً جائز کہتے ہیں اور امام ابو یوسف منقول متعارف کے وقف کو جائز کہتے ہیں جسکی مثال ثیاب جنازہ و آلاتِ غسل موتیٰ شرح سیر میں مذکور ہے اور یقیناً وقف کتب میں بھی عرف ظاہر ہے۔ زمانۂ قدیم سے اہل اسلام میں وقف کتب خصوصاً وقف مصاحف متعارف ہے پس یہ وقف بھی امام ابو یوسف رح کے قول پر صحیح ہے پس وقف کتب میں افراز و تسلیم الی المتولی کا لمشروط نہونا اور بدون اسکے وقف کو تام کہنا تلفیق ہرگز نہیں بلکہ امام ابو یوسف رح کے قول پر فتویٰ دینا ہے

عہ ففی شرح السیر ایضاً ان حفصۃ رضی اللہ عنہا سبلت مصحفاً لھا۔

اور وقف میں انہیں کا قول مفتیٰ بہ ھے اور بعد تسلیم معترض کا یہ کہنا کہ تلفیق مجتہد قاضی ہی کو جائز ھے یہ قول باطل ھے، مدعی کو اس دعویٰ پر دلیل قائم کرنا لازم ھے۔

ولا یجد الیٰ ذالك سبیلاً قال الطحطاوی فی حاشیتہ علیٰ مراقی الفلاح (ص ۱۰۳) ——— وحکایۃ الاجماع علی بطلان الملفق منظور فیھا فان الاصح من مذھب الامام مالك رضی اللہ عنہ جوازہ والمنھی عنہ تتبع الرخص من المذاھب اھ۔

اسمیں صاف تصریح ھے کہ مذاہب اربعہ کے درمیان میں بھی تلفیق وہ ناجائز ھے جو تتبع رخص کیلئے ہو اور اگر اس غرض سے نہو تو تلفیق بین المذاہب المختلفہ امام مالک کے نزدیک جائز ھے اور ظاہر ھے کہ یہ جواز کسی دلیل سے مقید بالمجتہد والقاضی نہیں بلکہ اطلاق کلام اسطرف مشیر ھے کہ مطلقاً ہر شخص کو جائز ھے اور صورتِ مسؤلہ میں اگر مان لیا جائے کہ واقف نے تلفیق کی تو اس کی منشا تتبع رخص ہرگز نہ تھا بلکہ تتبع انفع للوقف تھا فلا شک فی جوازہ خصوصاً جبکہ یہ تلفیق بین المذاہب المختلفہ بھی نہیں بلکہ تلفیق بین اقوال الائمۃ المتحدہ اصولاً ھے اور اس تلفیق کے عدم جواز پر کوئی بھی دلیل نہیں۔ الا اذا کان لتتبع الرخص فمنھی عنہ مطلقاً قال: العلامۃ ابن عابدین فی الحامدیہ: انہ لیس من الحکم الملفق الذی نقل العلامۃ قاسم انہ باطل بالاجماع لان المراد بما جزم ببطلانہ ما اذا کان من مذاھب متبائنۃ کما اذا حکم بصحۃ نکاح بلا ولی بناءً علیٰ مذھب ابی حنیفۃ رح وبلا شھود بناءً علی مذھب مالك رح بخلاف ما اذا کان ملفقاً من اقوال اصحاب المذاھب الواحد فانھا لا تخرج عن المذاھب فان اقوال ابی یوسف رح و محمد رح وغیرھما مبنیۃ علی قواعد ابی حنیفۃ رح اوھی اقوال مرویۃ عنہ وانما نسبت الیھم لا الیہ لاستنباطھم لھا من قواعدہ او لاختیارھم ایاھا کما اوضحت فی صدر حاشیتی علی الدر المختار بالامزید علیہ ویویدہ ما نقل عن الثعلبی من حکم القضاۃ الماضیین بذالك وکذا

عہ والذی مر قبل ما نصہ ولکن الطرطوسی ذکر ان فی منیۃ المصلی ما یفید جواز

ما فی الدر من کتاب القضاء فی القضاء بخلاف مذهبه ناسیاً مذهبه او عامداً حیث قال: مانصه المراد بخلاف الرائی خلاف اصل المذهب کالحنفی اذا حکم علی مذهب الشافعی رح اونحوه واما اذا حکم الحنفی بما ذهب الیه ابویوسف رح او محمد رح اونحوهما من اصحاب الامام فلیس حکماً بخلاف رأیه اه - ملخصًا ومن شاء التفصیل فلیراجعه (ص ۱۰۹ ج ۱) -

اسلئے ہمارے نزدیک یہ وقف صحیح ونافذ ہے اور اس کے ابطال میں سعی کرنا سعی فی الباطل ہے ——— رہا یہ کہ وقف جمیع کتب میں صحیح ہے یا بعض میں؟ - اس کا جواب یہ ہے کہ اگر جمیع کتب ثلث ترکہ ظاہرہ سے زائد نہ ہوں تو وقف سب میں نافذ ہے اور زائد ہوں تو قدر ثلث میں نافذ ہے زائد میں نہیں ——— رہا یہ کہ واقف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعہ کتب ثلث کے اندر ہیں اور نقود موجودہ بھی ترکہ میں ہیں جنکو ورثاء نے دبالیا سو جب تک ورثاء پر کسی دلیل شرعی سے نقود کا دبالینا ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک یہ حکم نہیں کیا جا سکتا کہ کتب ثلث کے اندر ہیں۔ ہاں، متولیان کو یہ حق ضرور حاصل ہے کہ وہ اس شبہ اور تہمت کی حالت میں ورثاء متہمین سے یمین مغلظ لیں کہ ترکہ میت کل یہی ہے جو ظاہر کیا جاتا ہے اسکے سوا کچھ نہیں اگر ورثاء نے قسم کھالی تو ترکہ ظاہر ہی کو کل ترکہ قرار دیکر اس کے ثلث میں وقف کو صحیح زائد میں غیر صحیح کہا جائیگا اور واقف کے متعلق تاویل کرلی جائیگی کہ شاید اس سے تخمین قیمت میں غلطی ہوئی اور وقف مشاع امام ابویوسف رح کے نزدیک صحیح ہے وعلیٰ قوله مدار الافتاء بذالك. واللہ اعلم

رفع الاشکال بعد الاشکال

اشکال: رفع الاشکال میں جو حوالہ قلم ہوا اس کے اندر کچھ شبہ اور باقی رہ گیا امید کہ ایک مرتبہ اور بغور ملاحظہ فرماکر جواب مرحمت فرمائیں گے، یہاں معاملہ وقف و مال یتامیٰ کا ہے جانبین میں خطرہ ہے اور جواب استفتاء میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حکم المرکب من مذهبین وعلی هذا یتخرج الحکم بوقف البناء علی نفسه فی مصر فی اوقاف کثیرة علی هذا النمط حکم بها القضاة السابقون لعلهم بنوه علی ما ذکرنا من جوابنا الحکم المرکب من مذهبین الخ (ص ۱۰۹ - ج ۱)

اسلئے پھر تکلیف دینے کی حاجت ہوئی شامی سے جو عبارت نقل کی گئی یعنی "ونقل عن المجتبیٰ الخ" اس روایت کو قاضی خان، اور صاحب ھدایہ، اور فتاویٰ سراجیہ، و نہایہ، وخلاصہ، اور فتح القدیر وغیرھا نے نہیں لیا اور صاحب بحر نے بھی محض نقل پر اکتفا کیا اس کے نزدیک بھی روایت مشہورہ معتبر ھے اور صاحب درمختار، وجامع الرموز نے بھی روایت مشہور کا اعتبار کیا ھے اور شامی نے بھی المشہور الاول زیادہ کرکے اس کے معتمد علیھا ہونے کی طرف اشارہ کردیا ھے۔

الجواب :- سبحان اللہ کیا غیر مشہور کیلئے ضعیف ہونا لازم ھے تو بجز اخبار مشہورہ کے تمام احادیث آحاد ضعیف ہوجائینگی۔

اشکال :- پس بناء بر قول مشہور تلفیق ضرور پائی جاتی ھے۔ روایت مجتبیٰ جب معتمد علیہ نہیں تو اس سے استدلال کسطرح صحیح ہوگا؟

نقل عن الفقیہ ابی اللیث : انہ قال : قال ابو نصر امر الفتیا : فانی لا اریٰ احداً ان یفتی بشئ لا یفھمہ ولا یحمل اثقال الناس فان کان مسائل قد اشتھرت وظھرت وانجلت عن اصحابنا رجوت ان یسع لی الاعتماد علیھا (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۲۶ ج ۱)

پس نزدیک ابو سف رح کے روایت عدم جواز وقفِ کتب مشہورہ ومعتمد ھے تو اس بناء پر صورت تلفیق پائی گئی پس اس کے متعلق اولاً یہ سوال ہے کہ تلفیق کا جواز بوقتِ ضرورت ھے یا بلا ضرورت بھی؟ اگر کہا جائے کہ وقف کا اثبات خود ضروری ھے تو اموالِ یتامیٰ میں بیجا تصرف اور ان کے مال کا تحفظ بھی ضروری ھے۔ فایّ الضرورتین احق للرعایۃ ـــــ ثانیاً :- تلفیق کی حاجت اس وقت ہوسکتی ھے کہ امام محمد رح کا قول مفتیٰ بہ نہ ہو جب امام محمد رح کا قول درباب اشتراط تسلیم وافراز خود مفتیٰ بہ ھے جیسا کہ عبارت مرقومہ اشکال سے ظاہر ھے۔

الجواب :- اس سے ظاہر یہ ھے کہ کثیرین نے قول ابی یوسف رح پر فتویٰ دیا ھے اور اسی کو اخذ کیا ھے اور بعض مشائخ نے محمد رح کے قول پر فتویٰ دیا ھے واذا تعارض الافتاء فالمرجع الیٰ قوۃ الدلیل۔

اشکال :- تو اسکو ترک کرکے صورت تلفیق اختیار کرنیکی وجہ کیا ھے خصوصاً

اس صورت میں کہ امام محمدؒ کا قول راجح ہو اور اصحاب متون اور شروح وفتاویٰ اسکی تصریح کرتے ہوں کہ امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔

قال فی البحر الرائق : والخلاف فیما یحتملها (ای القیمته) فمن اخذ بقول ابی یوسف فی خروجه بمجرد اللفظ وهم مشائخ بلخ اخذ بقوله فی هذه ومن اخذ بقول محمدؒ فی القبض وهم مشائخ بخارا اخذ وبقوله فی وقف المشاع وصرح فی الخلاصة من الاجارة والوقف بان الفتویٰ علی قول محمدؒ فی وقف المشاع وکذا فی البزازیة والولوالجیة، وشرح المجمع لابن الملک و التجنیس وبقوله یفتیٰ وتبعه فی غایة البیان۔

اور اشکال میں کبیری کی عبارت جامع رموز سے وقاضی خان کی عبارت بھی منقول ہے اور ظاہر ہے کہ وقف مشاع کا اختلاف اشتراط تسلیم وعدم اشتراط پر مبنی ہے ونیز وقف مشاع کے جواز کیلئے اصحاب متون قضاء قاضی شرط لکھتے ہیں؛ کما فی الکنز، وتنویر الابصار وغیرہ اگرچہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرط نہیں ہے مگر اصحاب متون کا اختیار کرنا بصورت اختلاف فتوی دلیل رجحان قول امامؒ ہے پس باوجود مفتی بہ ہونے قول امام محمدؒ کے تلفیق اختیار کرنیکی وجہ کیا ہے ؟

ثالثاً: جب یہ وقف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے اس بناء پر وقف کتب نزد امام ناجائز ہے تو وہ کتب یتیموں کا مال اور ملک ہے اور بناء بر قول مشہور نزد امام ابو یوسفؒ بھی وقف کتب ناجائز ہے اموال یتامی میں داخل ہے اور بناء بر قول امام محمدؒ بھی ناجائز ہے کہ تسلیم وافراز پایا نہیں گیا۔ اور امام زفرؒ اور امام حسنؒ وغیرہ سے کوئی قول منقول نظر نہیں آتا تو اس کا جواز ثابت کرنا دو قول کو ملاکر قاضی یا مفتی کی رائے ہوگی کہ امام ابو یوسفؒ کا قول بدون اشتراط وتسلیم وافراز وقف کا جواز اس کی نظر میں راجح ہے اور وقف کتب کا جواز موافق امام محمدؒ اسکی نظر میں راجح اور مصلحت یہ سمجھتا ہے کہ دونوں قول کو ملاکر جائز ثابت کردیا جائے اس صورت میں شبہ یہ ہے کہ اس نوع کا تصرف قاضی یا مفتی کو جائز ہے یا کہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔

قال در المختار فی کتاب القضاء : اعلم ان فی کل موضع قالوا الرای فیه للقاضی فالمراد تاضٍ له ملکة الاجتهاد (شامی ص ۴۲۰ ج ۴)۔

وايضاً فيه: المفتى وهو عند الاصوليين المجتهد اما من يحفظ اقوال المجتهد فليس مُفتٍ وفتواه ليس بفتوى بل نقل كلام كما بسطه ابن الهام

(ص ۴۲۴ ج ۴ شامی)

رابعاً: قولكم تلفيق بين اقوال ائمة المذاهب جائز ہے۔ یہاں جائز سے مراد جواز مع الوجوب ہے یا محض جائز غیر واجب اگر تلفیق واجب ہے تو وجوب کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: يجب العمل والافتاء بالقول دليلاً فاذا كان الملفق قوياً دليلاً وجب العمل به والافتاء هٰهنا كذالك فان القول بجواز وقف المنقول المتعارف قوى دليلاً وكذا القول بتمام الوقف لمجرد القول من غير حاجة الى الافراز فان الذى اشترط الافراز والتسليم انما قاله قياساً على الصدقة وهو قياس ضعيف فان فى الصدقة يد المتصدق عليه غير يد المتصدق فلا تتم الا بقبضه بخلاف الوقف فان يد المتولى فيه يد الواقف لكونه وكيلاً عنه ويد الوكيل يد المؤكل فكيف يصح قصر تمام الوقف على يد هى يد الواقف بعينه فافهم فلعلك تجده الفقه بعينه والله تعالىٰ اعلم۔

اشکال: اور اگر جائز غیر واجب ہو تو یہ بھی جائز ہونا چاہئے کہ تلفیق نہ کی جائے کسی ایک کا قول بشرطیکہ وہ بھی مفتیٰ بہ ہو لے لیا جائے اور اس پر فتویٰ دیا جائے اس صورت میں عامل کو اختیار ہونا چاہئے کہ غیر ملفق قول پر عمل کرے یا ملفق پر کیا یہ صحیح ہے؟ — مثلاً کسی نے دو مجلس میں غثیان واحد سے مُنھ بھر قئی کی اور بدون تعدیل ارکان اسی وضو سے نماز پڑھ لی امام محمدؒ کے نزدیک وضو شکست ہوا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ترک تعدیل سے نماز درست ہوئی لھذا دونوں امام کے نزدیک نماز باطل ہوئی اور اگر وضو میں امام ابو یوسف کا قول اختیار کیا جائے اور نماز میں امام محمد کا تو نماز درست ہوگی اس صورت میں کیا واجب ہے؟ کہ نماز درست ہونے ہی کا فتویٰ دیا جائے یا یہ بھی جائز ہے کہ عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے۔ بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس موقع پر عدم جواز کا فتویٰ دیکر نماز کے اعادہ کا حکم دیا جائے کہ اس کے اندر احتیاط ہے۔

الجواب: جو تلفیق تتبع رخص کیلئے ہو وہ اتفاقاً جائز نہیں۔

اشکال: کہ عدم جواز پر دونوں امام کا اتفاق ہے اور جواز ان دونوں کے قول کو ملا کر مفتی نے ثابت کیا ہے نہ ان اماموں نے علی ھذا القیاس جب وقف کتب بدون تسلیم وافراز دونوں اماموں کے نزدیک ناجائز ہے تو اس کا جواز دونوں کے قول کو ترکیب دیکر ثابت کرنا خلافِ احتیاط ہونا چاھئے کہ تینوں ائمہ کے نزدیک تو وہ مال متروکہ اموالِ یتامیٰ میں داخل ہے مفتی اس کو اموال یتامیٰ سے خارج کرتا ہے اپنی طرف سے بذریعہ تلفیق کے پس اس کے وجوب کی کونسی دلیل ہے؟ اگر ممنوع نہ ہو تو خلافِ احتیاط تو ضرور ہونا چاھئے، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو صحیح کیا ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو جب عبادات میں اِس نوع کا تصرف خلافِ احتیاط ہے تو معاملات اور حقوقِ عباد میں خصوصاً حقوق یتامی کے معاملہ میں اگر قول غیر ملفق سے فتویٰ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج ہے؟

واما قولکم: دوسرے: وقف مریض میں زوال ملک بالموت اور اس وقف کا مثل وصیت ہونا ہی صحیح ہے۔ ما معناہ أھذا فی الوقف المنجز غیر معلق بالموت او فی المعلق ان کان المراد الثانی فالسائل یسأل عن الوقف المنجز فی مرض الموت ولا یسئل عن الوقف المعلق بالموت فلا یجد بک نفعاً عبارۃ الدرر وان کان المراد الاول فدعوۃ الصحۃ غیر مسلم کیف؟ وقد قال فی الفتاویٰ الھندیۃ نافلاً عن التبیین وان نجز الوقف فی المرض فھو بمنزلۃ المعلق بالموت فیما ذکرہ الطحاوی والصحیح انہ بمنزلۃ المنجز فی الصحۃ فلا یلزم وعندھما یلزم من الثلث اھ (۴۵۶ ج ۲) ——— فلما لزم الوقف عندھما من الثلث فعند ابی یوسفؒ یصح بمجرد القول لکن عندہ لا یجوز وقف الکتب۔

الجواب: فیہ نظر کما سیأتی۔

اشکال:۔ وعند محمد لا یصح الا بعد التسلیم والافراز کما قال العلامۃ الشامی فی رد المحتار: واصلہ فی الخانیۃ حیث قال فیھا قال الشیخ الامام ابن الفضل الوقف علی ثلاثۃ اوجہ، اما فی الصحۃ،

اوفى المرض، اوبعد الموت فالقبض والافراز شرط فى الاول كالهبة دون الثالث لانه وصية واما الثانى فكالاول وان كان يعتبر من الثلث كالهبة فى المرض وذكر الطحاوى انه كالمضاف الى ما بعد الموت وذكر السرخسى ان الصحيح انه كوقف الصحة حتى لا يمنع الارث عند ابى حنيفةؒ ولا يلزم الا ان يقول فى حيوتى وبعد مماتى اه وبه علم ان المراد بالقبض قبض المتولى وهو مبنى على قول مجتهد باشتراط التسليم والافراز كما مر بيانه اه فهذا الوجه الثالث الذى ذكرتم لصحة الوقف بدون التسليم والافراز انما هو للوقف المعلق بالموت والسوال من المنجز وفى المنجز لا بد من التسليم والافراز عند محمد وعليه الفتوى كما مر سابقاً

الجواب: قلت: عليه فتوى البعض وافتى الاخرون بقول ابى يوسف وهو الحق عندنا لكون قول ابى يوسف هو الماخوذ به فى باب الوقف۔

اشكال: فما بقيت صورة للجواز الا ان يلفق قول ابى يوسفؒ بقول محمدؒ وقد مرت الاشكالات فيه مرة ثانية فى هذا القرطاس فاجيبوا اجركم الله۔

الاعتذار

سلسلة الكلام لا سيما بين من قراء الكتب ودرسها لا نهاية لها ولا غاية ولسان البنان وبيان اللسان لا يمنعها مانع ولا ترد هما آية والظاهر من اعتراض المعترض السائل جموده على رأيه وظنه فاللازم لمن لا يتكلم الا فيما يعنيه ان يصرف عنان البيان ويخلى بينه وبينما رأه بعلمه وعنه والحق عندنا ما اشرنا اليه اولاً لان الرواية التى نقلها الشامى عن المجتبى مذكورة فى شرح السير للامام شمس الائمة السرخسى وذكرها شمس الائمة جاز ما بها فهى وان كانت غير مشهورة ليست بضعيفة فلا يلزم ان يكون غير المشهور ضعيفاً كما لا يخفى وانما مدار الضعف على ضعف الناقل او ذكره بصيغة التمريض وكل ذالك

لیس بموجود فکیف یجوز ادعاء الضعف فی هذه الروایة لاسیما وهی قویة بالدلائل الحدیثیة فان وقف الافراس وحبسها فی سبیل الله لم یزل من لدن رسول الله صلی الله علیه وسلم الی زمان الخلفاء المتقدمین منهم والمتاخرین وهلم جرا وکذا وقف المصاحف فقد ثبت فی الصحیح قول یزید بن عبید کنت آتی مع سلمة بن الاکوع فیصلی عند الاسطونة التی عند المصحف ولمسلم انه کان یتحری موضع المصحف یسبح فیه وذکر ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی فیه اه قال الحافظ، هذا دال علی انه کان للمصحف موضع خاص به اه (ص ۴۷۷ ج ۱)

قلت: وکان هذا المصحف وقفاً وکذا المصاحف السبعة التی بعث بها عثمان رضی الله عنه الی البلاد بعد ما جمع القرآن ورتبه سُوَراً وهذا یدلک علی ان وقف الکتب متعارف من زمن الصحابة فکیف یظن بابی یوسف ان یقول ببطلان وقف المنقول مطلقاً بل الصحیح ما ذکره السرخسی ان محمد یقول بجوازه مطلقاً وابو یوسفؒ بجوازه فیما فیه عرف ظاهر کثیاب الجنازة وآلات غسل الموتی ونحوها اه فهذا هو المعتمد عن ابی یوسفؒ عندنا لقوة الدلیل فلا تلفیق عندنا اصلاً وان سلمنا فالمنهی عنه من التلفیق ما کان لتتبع الرخص ولا یخفی ان ذلک معدوم فی الصورة المسئول عنها فان التلفیق ان کان فیها فلرعایة الوقف وصیانته عن الابطال ولورائی السائل کتاب الوقف والقضاء لعلم ان المعتمد فی البابین قول ابی یوسفؒ مطلقاً وقوله هو المفتی به فی البابین وان کان بعض المشائخ اخذ بقول محمدؒ فی بعض الفروع ولکن الترجیح فی الاغلب بقول ابی یوسفؒ فیه نأخذ ونفتی وهو الحق عندنا

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ر صفر المظفر ۴۷ھ

ارض موقوفہ یا مملوکہ کی مٹی بلا اجازت استعمال کرنیکا حکم

سوال: (۱) ارض موقوفہ خواہ مقبرہ ہو یا مدرسہ وغیرہ وہاں کی مٹی باجازت یا بلا اجازتِ متولی کسی کو اپنے ذاتی کام میں لگانا

جائز ہے یا نہیں اور اسمیں قلت وکثرت کا فرق ہے یا نہیں ؟

(۲) بلا اجازت اگر کسی کے یہاں سے کھودی ہوئی مٹی لائی جائے تو اتنی ہی مٹی اس کے بدلے میں دینے سے رہائی ہوجائیگی یا معافی لینا اور مالک کو مطلع کرنا بھی ضروری ہے بعضے لوگ بڑے رئیس ہوتے ہیں دو چار ڈھیلے کے متعلق ان کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے اسکی احسن تدبیر کیا ہے ؟ اور بصورت کفایت تبادلہ میں ایک ہی رنگ اور ایک ہی قسم کی مٹی دینی چاہئے یا نہیں ؟

احقر اطہر علی مدرس جامعہ ملیہ شہر کملا ضلع تیرہ

الجواب

(۱) ارض موقوفہ کی مٹی کو استعمال نہ کرنا چاہئے نہ با اجازت اور نہ بلا اجازت نہ قلیل نہ کثیر هذا هو الاحوط و ان کان القلیل الذی لا یضر بالارض فیه مندوحة بین الاباحة و لکن المنع اولیٰ سدًا للذریعة

(۲) مٹی کی قلیل مقدار ارض مملوک سے اٹھا لینا جائز ہے اور قلیل وہ ہے جس سے عرفاً منع نہ کیا جاتا ہو۔ واللہ اعلم

۲۳ رجب ۴۷ھ

اگر واقف متولی کے عزل یا سلسلۂ تولیت میں تغیر وتبدل کے اختیار کو باطل کردے تو کیا اس کا یہ اختیار باطل ہوجائیگا یا اس شرط کے بعد بھی اسکو اختیار حاصل رہے گا یا آئندہ تولیت کا ایک خاص ترتیب سے کوئی سلسلہ تجویز کیا اور یہ شرط لکھدی کہ اس میں کبھی تغیر وتبدل نہ کرونگا اور تغیر وتبدل کے اختیار کو باطل کرتا ہوں ۔ آیا اس شرط سے واقف کو متولی کے عزل کا یا سلسلۂ تولیت میں تغیر وتبدل کا اختیار باطل ہوجائیگا یا باقی رہیگا ؟ بینوا توجروا ۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی واقف نے اپنے وقف کا کسی کو متولی مقرر کیا اور یہ شرط بھی لکھدی کہ اسکو کبھی معزول نہ کرونگا اور عزل کے اختیار کو باطل کرتا ہوں

الجواب :۔ یہ شرط لغو وباطل ہے واقف کو عزلِ متولی وتغیر وترتیب کا حق حاصل ہے ۔

قال فی العالمگیریة : وان شرط ان یلبسه فلان ولیس لی اخراجه

فالتولية جائزة وشرط منع الاخراج باطل كذا فى محيط السرخسى ولو ان الواقف شرط الولاية لنفسه وشرط ان ليس لسلطان او قاضٍ عزله فان لم يكن هو مأموناً فى ولاية الوقف كان الشرط باطلاً وللقاضى ان يعزل ويولى غيره كذا فى قاضى خان اھ (ص ج ۳ ص ۲۲۰)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ رجب سنہ ۴۷ھ

وقف مشروط کی ایک صورت کا حکم سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک وقف نامہ تحریر کیا جس میں منجملہ دیگر شرائط مروجہ کے ایک شرط حسب ذیل کا اضافہ کیا کہ اگر اراضی موقوفہ میں تعلیم عربی وقرآن کا انتظام نہ کیا گیا تو یہ وقف کالعدم سمجھا جائیگا اور واقف یا وارثان واقف کو حق استرداد وقف حاصل ہوگا صورت مسئولہ بالا میں آیا یہ شرط وقف کی صحت میں کچھ خلل انداز تو نہیں اور تعلیق مذکور کی صورت میں وقف صحیح ہوگا یا نہیں؟

تنقیح

(۱) اس سوال کے جواب کیلئے وقف نامہ کی بجنسہ نقل کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ شرط مذکورہ سوال مفید تعلیق وقف ہے یا تقیید مطلق

(۲) یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ تحریر وقف نامہ سے پہلے واقف نے زبانی بھی وقف کیا تھا یا نہیں؟ اور زبانی وقف میں یہ شرط تھی یا نہیں؟

(۳) اگر وقف تحریراً ہوا تو یہ شرط مذکور فی السوال ایک ہی مجلس میں ذکر وقف کے ساتھ اضافہ کی گئی یا پہلے وقف کی عبارت لکھدی گئی بعد میں شرائط کا یا شرط مذکور کا اضافہ ہوا؟

(۴) اور یہ شرط خود واقف نے بڑھائی یا محرر نے بڑھادی اور واقف نے بدون دیکھے سنے دستخط کردیئے۔

سوال دوبارہ قائم کیا جائے اور ان تنقیحات کو اس میں حل کیا جائے اور وقف نامہ کی نقل بھیجی جائے تو جواب جلد دیا جائے گا

انشاء اللہ۔

والسلام

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۰ رجب ۴۷ھ

نقل مطابق اصل وقف

(جو کہ پچاس روپیہ کے اسٹامپ پر ہے جس میں سے ایک تیس روپیہ کا اور ایک بیس روپیہ کا)

منکہ راؤ عبدالعزیز خان خلف راؤ مہتاب علی خان قوم راجپوت ساکن زمیندار قصبہ رائے پور پرگنہ فیض آباد تحصیل وضلع سہارنپور کا ہوں، میں نے بخوشی ورضاء وبحالت صحت نفس وثبات عقل خود بلا اکراہ واجبار دیگرے ہمہ گی وتمامی اپنی جائداد مع جملہ حق حقوق متعلقہ اس کے مملوک ومقبوضہ وزرخرید بذریعہ بیع نامہ مورخہ ۲۷ مئی سنہ ۱۹۰۷ء محلہ لوہانی سرائے واقع شہر سہارنپور مشتہر سابق ننو بٹھیاری اور مشتہر حال راؤ بلڈنگ دو حصوں میں کرکے چھوٹا حصہ بذریعہ وقف نامہ مورخہ امروزہ کے بنام برخورداران محمد سعید خان سلمہ وعبدالمجید خان سلمہ وقف علی الاولاد کر دیا ہے اور بڑا حصہ مالیتی دس ہزار روپیہ مفصلہ ذیل بغرض کارِ خیر وحصولِ تعلیم دینیات بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کو اس غرض سے وقف کرتا ہوں کہ اس مقام میں مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کی علیحدہ قائم کی جائے اور اس مدرسہ کو مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کی مستقل شاخ قرار دیا جائے اور اس کا حساب آمد وخرچ مستقل طور سے علیحدہ رکھا جائے لھذا اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ شرائط حسبِ ذیل کا پابند رہونگا خلاف ورزی نہیں کرونگا۔

(۱) یہ کہ میں نے جائیداد مندرجہ ذیل مالیتی دس ہزار روپیہ بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور میں اس غرض سے وقف کر دیا ہے کہ اس میں علیحدہ ایک مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور قائم کر دی جائے اور جو ممبر یا منتظم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کے ہونگے وہی اس شاخ مذکورہ کے ممبر یا منتظم ہونگے

(۲) یہ کہ میں نے قبضہ مالکانہ اپنی جائداد منفصلہ ذیل سے اٹھا کر قبضۂ ملکیتِ خداوندی میں بذریعہ مولوی عنایت الہٰی صاحب متولی ومہتمم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم کے

کر دیا ہے۔

(۳) جائیداد موقوفہ زیر اہتمام و انتظام مولوی عنایت الہٰی صاحب متولی و مہتمم مدرسہ موصوف کے ہوگی اور بعد انکے بعد جو ان کا جانشین مہتمم مدرسہ عربیہ مظاہر علوم میں ہوگا وہی متولی جائیداد موقوفہ کا ہوگا۔

(۴) متولی کا فرض ہوگا کہ جائیداد موقوفہ کے اندر ایک جزو میں مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کو قائم کریں جس میں تعلیم دینیات عربی و قرآن شریف حسب نصاب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور طلبہ کو دی جائے گی اور مدرسہ قائم کردہ علیحدہ ایک مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کی ہوگی۔

(۵) متولی موصوف جائیدادِ موقوفہ کی آمدنی و خرچ کا حساب باضابطہ رکھیگا اور مقرر و ارثان مقر اور دیگر اہل اسلام کا یہ حق ہوگا کہ متولی وقف سے حساب کی دیکھ بھال کریں کسی متولی کو حساب دکھلانے میں کسی قسم کا عذر نہ ہوگا۔

(۶) متولی تغلب یا تصرف بیجا کسی قسم کا نہ کر سکے گا اگر متولی کی جانب سے ایسا ثابت ہو تو ممبران و منتظمانِ مدرسہ کو اختیار ہوگا کہ ایسے متولی کو تولیت سے علیحدہ کر کے دوسرا لائق متولی مقرر کریں۔

(۷) کسی متولی وقف کو جائیدادِ موقوفہ کے منتقل کرنیکا حق نہ ہوگا بلکہ جائیداد موقوفہ ہمیشہ کو ملکیتِ خداوندی میں رہیگی اور تعلیم دینیات مذکورہ ذیل ہمیشہ کو اسی عمارت میں رکھی جائیگی متولی کو یہ شاخ کسی دوسری عمارت میں منتقل کرنیکا حق نہ ہوگا۔

(۸) اگر مقر یا وارثانِ مقر جائیداد موقوفہ کی دعویدار کسی قسم کی کریگا تو وہ ذمہ دار خرچہ مدرسہ مذکور کا ہوگا۔

(۹) متولی کا فرض ہوگا کہ جس وقت دستاویز ہذا رجسٹری ہو جائے اسی وقت سے ایک مدرس عربی دینیات اور ایک مدرس حافظ قرآن شریف کا مقرر کر کے تعلیم طلبہ جاری کریں اور باقی آمدنی مرمت جائیداد و تعمیر درسگاہ وغیرہ شاخ مذکور کے عام اخراجات میں صرف ہوتی رہیگی اگر ایسا نہیں ہوگا تو مقر کو اور وارثانِ مقر کو اختیار ہوگا کہ وقف کو کالعدم کر کے جائیداد موقوفہ کو واپس لے لیں۔

(۱۰) منجملہ ان پاخانوں اور غسل خانوں کے جو منتظمات مدرسہ جائیداد موقوفہ میں قائم کرینگے

ان میں سے ایک پاخانہ اور ایک غسل خانہ فریقین کے مشترکہ استعمال میں رہیگا۔ اور حقوق آمد و رفت از دروازہ صدر تا محاذ دیوار غربی قبر ننو بٹھیاری مشترکہ فریقین رہے گی اور مکانات و دروازہ شمالاً و جنوباً مع مکانات بالائی اور بارہ ۱۲ فٹ اراضی عرض میں اور ستر ۷۰ فٹ اراضی طول میں جو اس وقت افتادہ ہے پس پشت پر چار دوکانیں مع آثار شمالاً جنوباً کے محاذ میں جنکو خالص محمد سعید خان صاحب سلمہ و عبد المجید خان سلمہ کے نام وقف علی الاولاد کیا ہے انکو حق ہے کہ جس وقت جو چاہیں اس پر عمارت بنا دیں اور بارہ ۱۲ فٹ اراضی کے جانب جو اراضی افتادہ تا محاذ دیوار پچھم ننو بٹھیاری ہے وہ فریقین کے مشترکہ استعمال میں آئیگی اور عارضی طور سے اراضی مذکور میں کوئی موٹر یا گاڑی یا گھوڑا وغیرہ کی سواری کھڑی کرنیکا فریقین کو حق ہوگا۔

(۱۱) منتظمان و ممبران و متولی مدرسہ کا یہ فرض ہوگا کہ حق داخلہ طلبہ سہارنپور و ضلع سہارنپور کا شاخ مذکور میں ہمیشہ مقدم رکھا جائیگا۔ اس واسطے یہ دستاویز وقف نامہ تحریر کردی کہ سند ہو، فقط تفصیل بڑا حصہ وقف بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور ہمہ گی و تمامی ایک قطعہ احاطہ سکنائی شرق رویہ محلہ لوہانی سرائے واقع شہر سہارنپور مشتہر سابق ننو بٹھیاری و مشتہر حال راؤ بلڈنگ مع مکانات اندرونی ہر قسم ایک کہنی دو کہنی ایک منزلہ و دو منزلہ مع کل دوکانات بیرونی شرق رویہ خورگلاب و زینہ ہائے پختہ شرق رویہ مع چھجہ ہائے و صحن پیشی دوکان مذکور ہر دو کہنی مع مکانات بالائی مع صحن اندرونی و بیرونی مع درختان ہر قسم و دو چاہ پختہ اندرون احاطہ مذکور مع ملبہ ہر قسم متعلقہ مکانات و دوکانات مذکور مع اراضی تختی و پائخانہ ہائے اندرون احاطہ مذکور واقعہ آبادی شہر سہارنپور مع گوشہ ہائے دیوار غربی احاطہ مذکور در شیوبوری سواد سہارنپور چک موضع سہارنپور پیوستہ پٹڑی کریگی نالہ مع حق راہ آمد برآمد باستثنائے اراضی صدر دروازہ و ہر دو کوٹھری ہائے بغلی و چار دوکانیں متصل کوٹھری ہائے مذکور جس میں سے دو صدر دروازہ مذکور سے جانب شمال میں اور دو جانب جنوب میں اور کمرہ بالائی صدر دروازہ مع صحن ہر دو جانب شمال و جانب کمرہ مذکور و چار دوکانیں مع اراضی جانب غرب متصل دوکانیں و صدر دروازہ مذکور جو اس وقت افتادہ ہے عرض میں بقدر ۱۲ فٹ شرقاً اور طول میں ۷۰ فٹ جنوباً شمالاً ہے۔

حدود اربعہ

شرقی منہ الباب و راستہ آمد برآمد ازان بعد نالی و سڑک پختہ سرکاری و پرنالہ نالئے خصی جائیداد موقوفہ جو اسطرف جاری ہیں غربی مکانات رعایا ذوالفقار خان جس میں پرنالہ نالئے

خصی جو جائیداد موقوفہ جاری ہیں جنوبی دروازہ ہائے احاطہ موقوفہ و آبچک ازاں بعد پٹڑی کریگی نالہ حدود آب و پرنالہ ہائے خصی جائیداد موقوفہ جو اس طرف جاری ہیں شمالی آبچک مشترکہ مکانات واحاطہ موقوفہ و مکانات امراؤ سنگھ و پرنالہ ہائے خصی جائیداد موقوفہ جو اسطرف جاری ہیں.

المرقوم ۲۳ر نومبر سنہ ۱۹۲۸ء بقلم رام چند قبالہ نویس تحریری

(نوٹ) پرت اول کے سطر پانچ میں نشان دیکر حاشیہ پر وقف علی الاولاد مذکور ہے۔

العبد عبدالعزیز خان
گواہ شد

چودھری محمد خان پسر عزیز علی خان
جنڈالہ ضلع کرنال بقلم خود
گواہ شد

محمد اکرام الدین پسر شیخ مسینا ساکن
بقلم خود و مہتمم مدرسہ حفظ القران
نوگانواں۔ ضلع سہارنپور۔
گواہ شد

راؤ علی احمد خان پسر فیاض علی خان
بقلم خود، ساکن رائے پور
گواہ شد

عبدالرحیم خان بقلم خود پسر عاشق حسین خان۔

جواب تنقیح

(۱) حسبِ طلب وقف نامہ کی اصل ارسال خدمت ہے

(۲) وقف نامہ سے پہلے ارادہ وقف تھا وقف کا حال وقف نامہ کی تحریر سے معلوم ہوا

(۳) مسودہ واقف نے دیکھکر دستخط کئے واقف لکھا پڑھا آدمی تھا۔

(۴) وقف نامہ سے واضح ہے۔

از احقر جمیل الرحمٰن امروہی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہے اور یہ شرط جو واقف نے لکھی ہے کہ اگر اس مکان میں شاخ مدرسہ مظاہر علوم قائم نہ کی گئی تو واقف یا اسکے ورثاء کو واپسی وقف کا اختیار رہوگا یہ شرط باطل ہے اگر اہل مدرسہ اس شرط پر عمل نہ کریں جب بھی یہ مکان و جائیداد وقف ہی رہیگی۔ واقف یا وارثان واقف کو وقف کی واپسی کا اختیار حاصل نہ ہوگا اور فتویٰ باب الوقف میں ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے۔

قال فی الھندیۃ رسالۃ شمس الائمۃ محمود الاوزجندی: عمن وقف علی اولادہ وقال لھم ان عجزتم عن امساکہ فبیعوہ قال: لو کان ھذا شرطاً فی الوقف کان باطلاً وھذا یجب ان یکون قول محمدؒ واما علی قول ابی یوسفؒ یجوز الوقف ویبطل الشرط اھ (ج ۳ ص ۲۱۷)

اور یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ وقف نامہ کی شرط نے وقف کو مشروط کر دیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شرط سے وقف مشروط نہیں ہوا کیونکہ الفاظ وقف کے ساتھ اس کا اتصال نہیں بلکہ وقف ان لفظوں سے تام ہو چکا کہ "بڑا حصہ مالیتی دس ہزار روپیہ بغرض کار خیر حصول تعلیم دینیات بحق مستقل شاخ مدرسہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور اس غرض سے وقف کرتا ہوں الخ" اس عبارت میں واقف نے صرف اپنی غرض کا اظہار کیا ہے اور اس غرض کے ساتھ وقف کر دیا ہے اس کے ساتھ یہ نہیں لکھا کہ اگر اس غرض کا تحقق نہ ہو تو وقف کے ابطال کا مجھے حق ہوگا یا یہ کہ اس غرض کے ساتھ وقف مشروط ہے ورنہ وقف ہی نہ ہوگا اور غرض کا بیان کرنا اسلئے ہوتا ہے کہ متولیان حتی الامکان اس غرض کے ایفاء کا اہتمام کریں اور جس وقت ایفاء غرض دشوار ہو تو اس کے مثل کسی دوسرے کار خیر میں وقف کو صرف کریں غرض کا لکھنا مطلقاً وقف کو مشروط نہیں کرتا پھر اس کے بعد جو واقف نے شرائط لکھی ہیں تو ان کو اس عنوان سے نہیں لکھا کہ یہ صحتِ وقف کی شرائط ہیں یا صحتِ وقف ان شرائط سے مشروط ہے بلکہ اس عنوان سے یہ شرائط لکھی ہیں کہ میں شرائط حسب ذیل کا پابند رہونگا پس ان شرائط سے جو اس عنوان کے بعد مذکور ہیں وقف مشروط نہیں ہوا اور باتفاق جملہ ائمہ وقف صحیح ہو گیا اور جو شرط خلافِ وقف ہے وہ باطل ہو گئی ملاحظہ ہو "عالمگیریہ (ص ۲۳۲ ج ۲)

الباب السابع فی ما یتعلق بالصک من قولہ رجل وقف ضیعۃ لہ وکتب صکاً واشھد شھوداً الخ۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۶ شعبان ۴۷ھ

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۲۷ شعبان ۴۷ھ

واقف کی ماں اگر حاجتمند ہو تو آمدنی وقف علی الفقراء میں وہ دوسرے حاجتمندوں سے مقدم ہے

سوال : زید نے اپنی جائیداد وقف علی الاولاد کی اس موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے کچھ رقم ان سے اپنی برادری کی حاجتمند بیوہ عورتوں کیلئے مقرر کردی بعد انتقالِ زید والدۂ زید نے اپنا ترکہ اولاد زید کو ھبہ کردیا والدۂ زید کی کچھ ذاتی جائیداد بھی ہے جو اسکی ضروریات کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ جو آمدنی والدۂ زید نے اپنے پوتوں کو ھبہ کردی ہے اسکو شامل کرکے بھی انکی ضروریات پوری نہیں ہوتی ہیں ایسی حالت میں اگر اولاد زید اپنی ذاتی قلت آمدنی وکثرت خرچ کی بناء پر اس موقوفہ جائیداد کی وہ رقم جو واقف نے اپنی برادری کی حاجتمند بیوہ عورتوں کیلئے مقرر کی ہے اپنی دادی کو دیں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر کچھ دیدیا ہے تو شرعاً گناہ ہوا یا نہیں اور واقف کو ثواب پہنچے گا یا نہیں

سائل۔ سعید احمد خان برہرہ ڈاک خانہ بلام ضلع اٹیہ

الجواب : واقف کی ماں اگر حاجتمند ہو تو دوسری بیوہ عورتوں سے وہ مقدم ہے اسکو وقف مدبیوگان سے دے سکتے ہیں واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ جمادی الاول ۴۸ھ

میت مسلم کے ایصال ثواب کیلئے ہندو کے وقف کی ایک صورت کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں یہ قاعدہ ہے کہ کچھ زمین پیرنال کے نام سے بڑے پیر صاحب کے نام پر دیکر کسی کو اس کا متولی کردیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ متولی اس زمین کا ہر سال کی آمدنی کو اپنے اخراجات میں بھی لائے اور بقیہ سے بڑے پیر صاحب کی درگاہ بنا کر اسمیں چراغ جلائے اور فقراء کو کھلائے اسی رسم کے موافق عرصہ چار سو سال کا ہوا کہ کسی ھندو نے ایک زمین کو پیرنال کے طریقہ پر دیکر ایک مسلمان کو اس کا متولی کردیا اور مندرجہ بالا شرائط تحریر کردی کہ متولی ہر سال کی آمدنی سے خود بھی کھائے اور درگاہ بنا کر چراغ جلائے اور فقراء کو کھانا کھلائے نیز قانوناً اس میں زمین دینے والوں یا ان کے وارثوں کو یہ بھی حق ہے کہ اگر متولی شرائط مندرجہ بالا کے موافق خرچ نہ کرے تو وہ اس متولی کو علیحدہ کرسکتے ہیں البتہ یہ زمین دینے والے

خود اس زمین پر قبضہ نہیں کر سکتے اور نہ لگان وصول کر سکتے ہیں نیز متولی کو یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ وہ حق تولیت کسی کے ہاتھ بیچ دے لیکن مشتری تولیت کو بھی اصل متولی کی طرح مندرجہ بالا اخراجات میں اسکی آمدنی کا صرف کرنا لازم ہوگا

اب سوال یہ ہے کہ وہ زمین نسلاً بعد نسل چار سو برس سے اس متولی کے وارثوں میں چلی آرہی ہے اور وارثان متولی مندرجہ بالا اخراجات میں اس آمدنی کو خرچ کرتے رہے ہیں لیکن موجودہ متولی نے چراغ کے اخراجات کو بند کر دیا ہے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو جمع کر کے کھلا دیتا ہے باقی آمدنی خود کھا جاتا ہے کیا متولی کا اخراجات میں تغیر جائز ہے یا نہیں؟ نیز فقراء کو اس زمین کی آمدنی سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

وقفِ کا فریں اصل یہ ہے کہ جو غرض انکے اور اہل اسلام کے نزدیک قربت ہو اسکے لئے وقف صحیح ہے اور اگر اس کے ساتھ ایسی اغراض شامل کی جائیں جو اہل اسلام کے نزدیک قربت نہیں تو اُن اغراض میں آمدنی وقف کا صرف کرنا جائز نہیں پس میتِ مسلم کے ایصالِ ثواب کیلئے وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ قربت متفق علیہا ہے اور درگاہ وغیرہ بنانیکے واسطے وقف صحیح نہیں متولی کو درگاہ بنانا جائز نہیں صرف فقراء پر کھانا تقسیم کر دیا کرے

قلت: وکون ایصال الثواب بالمال قربۃ نافعۃ متفق علیہ بین الائمۃ وکذالك الوقف علی رجل معین وعقبہ صحیح لکونہ قربۃ متفق علیہا والکل فی الاحکام الاوقاف للخصاف فقط۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۳۰ جمادی الاول ۴۸ھ

اس کے متعلق صریح جزئیہ تو نہیں ملا قواعد سے جواب لکھدیا گیا پس جو کچھ وہ متولی بلا کسی رسم شرک و بدعت کے کھلائے وہ فقراء کو کھانا جائز ہے اور متولی نے جو خلاف شرع امور مثل چراغ جلانے کے ترک کر دیا ہے اسکی وجہ سے متولی پر مواخذہ نہیں ہے زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو دوسرے مدارس میں سوال بھیجدیا جائے فقط

عبد الکریم گمتھلوی

یکم جمادی الثانی ۴۸ھ

وقف علی الاولاد کی ایک صورت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ذیل کی صورت میں کہ مسماۃ لاڈو بیگم کے ورثاء میں سے کوئی اولاد نہیں اور اس کا شوہر اور والدین بھی فوت ہوگئے اور کوئی عصبہ قریب بعید کے نہیں۔ ایک بہن وارث ہے مسماۃ لاڈو بیگم بیمار ہوگئی تھی بعد بیمار ہونیکے اسی بیماری میں اپنی جائیداد غیر منقولہ کو وقف علی الاولاد کے نام سے وقف کیا اور مسماۃ واقفہ نے وقف نامہ لکھوا کر اپنی حقیقی بہن نور بیگم جو اس وقت زندہ ہے اس کا نام اس کا انگوٹھا وقف نامہ پر لگوادیا اور وقف نامہ لکھتے وقت مسماۃ نور بیگم نے کوئی انکار یا ناراضگی ظاہر نہیں کی اور انگوٹھا لگاتے وقت بھی انکار نہیں کیا بعد اس تصرف کے اسی بیماری میں تقریباً تین ماہ کے بعد مسماۃ لاڈو بیگم فوت ہوگئی کچھ دنوں بعد مسماۃ نور بیگم واقفہ کی حقیقی بہن نے عدالت میں درخواست دی کہ میں اپنی بہن مسماۃ لاڈو بیگم مرحومہ کی وارث ہوں مجھکو اس کا ترکہ ملنا چاہئے اور جو میں نے وقف نامہ پر انگوٹھا لگایا ہے اول تو مجھے اس وقت اپنی بہن کا دل خوش کرنا منظور تھا دوسرے میں اس وقت جائیداد کی مالک نہ تھی میرے انگوٹھا لگانے سے میرا حق فوت نہیں ہوا میں تو بعد وفات مسماۃ لاڈو بیگم کے بحق وراثت مستحق ترکہ ہوئی ہوں اور مسمی امیر محمد خان نے جسکو نصف آمدنی جائیداد مسماۃ لاڈو بیگم نے بلحاظ وقف علی الاولاد کے مستحق کیا تھا اس نے عدالت میں درخواست دی ہے کہ مسماۃ لاڈو بیگم واقفہ کی جائیداد میں میرا حصہ نصف مجھ کو میرے نام سے سرکاری کاغذات میں درج کردیا جائے اور مجھ کو اس پر قابض کردیا جائے مسمی امیر محمد خان کہتا ہے کہ مسماۃ نور بیگم کا مسماۃ لاڈو بیگم واقفہ کی جائیداد میں کوئی استحقاق نہیں رہا۔ کیونکہ وقف کرتے وقت اس نے انکار نہیں کیا اور اپنی مرضی سے انگوٹھا بھی لگادیا ایسی صورت میں مسماۃ نور بیگم حقیقی ہمشیرہ مسماۃ لاڈو بیگم واقفہ مرحومہ کی جائیداد مذکورہ بالا کی بطور وراثت مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو اس جائیداد میں اسکو کتنا حصہ مل سکتا ہے اور مسمی امیر محمد خان جسکو واقفہ مرحومہ نے نصف آمدنی کا بطور وقف علی الاولاد مستحق کیا ہے جائیداد مذکورہ کے تقسیم کرانیکا اور نصف اراضی پر قابض ہونیکا حق ہے یا نہیں؟ مسماۃ واقفہ نے وقف نامہ پر لکھدیا ہے کہ میرے فوت ہونیکے بعد ہر ایک فریق آپس میں جائیداد مذکورہ کو تقسیم کرلیں اور اپنے اپنے حصہ پر قابض ہوجائیں ایسی صورت

میں جائیداد موقوفہ پر جو اللہ کی ملک میں ہوگئی ہے تقسیم کر کے فریقین قابض ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

تنقیح

اس سوال کے متعلق چند امور وضاحت طلب ہیں۔

(۱) لاڈو بیگم کا شوہر اس سے پہلے انتقال کر گیا یا بعد میں اگر بعد میں انتقال کیا تو یہ بھی بتلایا جائے کہ وہ اس وقف پر بعد انتقال لاڈو بیگم رضامندی ظاہر کرتا تھا یا ناراضی یا ساکت تھا ؟

(۲) عصبہ بعید کا نہ ہونا بعید ہے اسلئے مکرر تحقیق کامل کر کے لکھیں

(۳) لاڈو بیگم کو کیا مرض تھا اور کتنے دن سے تھا اور کس درجہ کا تھا یعنی اس مرض میں گھر کا کام کر سکتی تھی یا نہیں ؟ اور چلتی پھرتی تھی یا نہیں ؟

(۴) وقف کرنیکے بعد وہ مرض زائل ہو گیا تھا یا موت تک برابر مریض رہی ؟

(۵) نور بیگم نے لاڈو بیگم کے انتقال کے بعد وقف پر رضامندی ظاہر کی ہے یا نہیں یعنی ایسا واقعہ ہوا ہے کہ اول رضامندی ظاہر کی بعد میں درخواست دی یا انتقال کے بعد اول ہی سے ناراض رہی یا بعد انتقال کچھ دنوں خاموش رہی بعد میں درخواست دی جو واقعہ ہوا صاف لکھا جائے۔

(۶) اب جائیداد کس کے قبضہ میں ہے

(۷) مسماۃ لاڈو بیگم نے اس جائیداد موقوفہ کے علاوہ اور کیا ترکہ چھوڑا ہے اور اس ترکہ کو اس جائیداد سے کیا نسبت ہے یعنی آدھا ہے یا تہائی یا کم زیادہ

(۸) وقف نامہ کی پوری نقل روانہ کر دیں فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ از خانقاہ امدادیہ
تھانہ بھون۔ ۱۳ ربیع الثانی ۴۵ھ

جواب تنقیح

(۱) شوہر مسماۃ لاڈو بیگم کا مسماۃ کے فوت ہونے سے پانچ سال پہلے فوت ہو گیا۔

(۲) عصبات کے متعلق جہاں تک کوشش کی کوئی عصبہ بعید معلوم نہیں ہوا۔

واللہ اعلم بالصواب

(۳) مسماۃ موصوفہ کو مرض اسہال، بخار، کھانسی تھا۔ فوت ہونے سے تقریباً پانچ ماہ پیشتر اسی مرض میں مبتلا تھیں اسقدر ضعف ہوگیا تھا کہ بلا دوسرے آدمی کی امداد کے اٹھنا بیٹھنا نہیں کر سکتی تھی اور نہ کوئی کاروبار کر سکتی تھی۔

(۴) مسماۃ کے فوت ہونے تک وقف کے بعد مرض سابقہ زائل نہیں ہوا بلکہ روز بروز ترقی پر رہا وقف کی تحریر مکمل کرنے کے وقت زبان سے بات صاف نہیں معلوم ہوتی۔ اور بہت کم سنتی تھی۔

(۵) مسماۃ نور بیگم وقف کرنے سے درخواست دینے تک دل سے ناراض رہی بعد مرنے مسماۃ لاڈو بیگم کے بھی دل سے تو ناراض رہی لیکن زبان سے اتنے عرصے تک ناراضی کا اظہار نہیں کیا اور نہ اپنی رضا ظاہر کی اور نہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے انکی رضامندی ثابت ہوتی۔ مرنے کے بعد تقریباً درخواست دینے تک ایک ماہ کا عرصہ گذرا۔

(۶) جائیداد پر قبضہ مسماۃ نور بیگم کا ہے اور تحصیل وصول مسماۃ نور بیگم کے داماد مسمّی امانت اللہ خان جو اس گاؤں کا نمبردار ہے کرتا ہے۔

(۷) جائیداد متنازعہ فیہ موقوفہ کی مالیت تخمیناً آٹھ ہزار ہے اور اس کے علاوہ کچھ جائیداد مسماۃ مرحومہ نے مسماۃ نور بیگم کے داماد امانت اللہ خان کو اسی مرض موت میں ہبہ کر دی ہے اور ان کا قبضہ کرا دیا ہے اس موہوبہ جائیداد کا تخمینہ مالیت بھی تقریباً آٹھ ہزار ہے اور ان دونوں جائیداد کے علاوہ کچھ جائیداد غیر منقولہ اسی مرض موت میں مسماۃ مرحومہ نے اپنی بہن مسماۃ نور بیگم کو ہبہ کر دی اور قابض کر دیا جس کا تخمینہ مالیت ڈیڑھ ہزار ہے اور کچھ مال از قسم زیورات علاوہ ان تینوں جائیداد کے جس کا تخمینہ غالباً پانچ سو روپیہ ہے مسماۃ نے مرض موت میں کچھ اپنے ہاتھ سے ذوی الارحام کو ہبہ کر دیا اور کچھ اپنی بھانجی کو دے گئیں اس غرض سے کہ کسی مصرف خیر میں صرف کئے دینا وہ ابتک موجود ہے بطور امانت کے۔

(۸) نقل وقف نامہ حسب طلب ارسال خدمت ہے اسمیں یہ تفصیل ہے ابتداء میں جو مضمون وقف نامہ میں لکھا گیا اس میں بعض مضمون مسماۃ مرحومہ کی رضا کے خلاف لکھا گیا جب مسماۃ کو وہ مضمون سنایا گیا تو اس نے اپنی رضامندی کے موافق اسکی تکمیل دوسرے قطعہ پر کرا کے اسکو مکمل رجسٹری کرا دیا لھذا اصل وقف نامہ اور

اس کا تتمہ دونوں کی نقل ارسال خدمت ہے

الجواب

فی الدر المختار فی شرائط الوصیة : (و) کون (الموصٰی له حیا وقتها (و) کونه (غیر وارث) وقت الموت اھ ملخصاً

وقال الشامی : (قوله غیر وارث) ای ان کان ثمه وارث آخر والا تصح الخ (شامی ص ۶۳۷ ج ۵)

وفیه ایضاً بعد ورقة : ولا تعتبر اجازتهم حال حیاته اصلاً بل بعد وفاته۔ وقال الشامی : تحته ای لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عند الموت فکان لهم ان یردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت وتمامه فی المنح

وفی البزازیة : تعتبر الاجازة بعد الموت لا بعدہ هذا فی الوصیة اما فی التصرفات المفیدة لاحکامها کالاعتاق وغیره اذا صدر فی مرض الموت واجازة الوارث قبل الموت لا روایة فیه عن اصحابنا قال الامام علاؤ الدین السمرقندی : اعتق المریض عبده ورضی الورثة قبل الموت لا یسعی العبد فی شئ وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا علی الجارح یصح ولا یملك المطالبة بعد موت المجروح اھ

اس سے معلوم ہوگیا کہ وقف مذکور پر جب مسماۃ نور بیگم اپنی ہمشیرہ کے مرض موت میں رضامندی ظاہر کرچکی ہے تو اب اسکو اس میں سے وراثت نہ ملیگی البتہ جو جائیداد خود اسکو یعنی نور بیگم کو دی گئی ہے وہ اسکی ملک ہے کیونکہ دوسرا کوئی وارث نہیں جو اس ھبہ پر اعتراض کرے فقط

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۳۰ ربیع الثانی ۴۵ھ

عہ ھکذا فی الاصل والصواب لا قبله

اور صورت مسئولہ میں دونوں نو اسے زمین وقف کو برضامندی تقسیم کرسکتے ہیں لزوماً وجبراً تقسیم نہیں کرسکتے لما فیہ من ایہام الملك

قال فی الکنز: ولا یقسم وان وقفه علی اولاده اھ۔ وذکر فی البحر فی ذالك اقوالاً: وقال ابن عابدین فی حاشیته: وقد یوفق ایضاً بان ما فی الخصاف محمول علی قسمة الجبر وما فی الاسعاف علی قسمة التراضی ولذا قال: ولمن ابی منهم بعد ذلك ابطاله اھ (ص ۲۰۸ ج ۵)

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲ر جمادی الاولی ۴۵ھ

وقف زمینِ اجارہ اور اس پر مسجد بنانے کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین (رحمکم اللہ تعالیٰ) اس مسئلہ میں کہ ایک سرکاری زمین ہے جو پچیس سال کے واسطے سرکار اپنے رعایا کو کرایہ پر دیتی ہے اور بعد اس مدت کے گذر جانے اس شخص کو اگر وہ چاہے پھر دیدیتی ہے۔ یہ سرکاری قاعدہ ہے جب تک سرکار کو اس زمین کی سخت ضرورت نہیں ہوتی اس شخص سے چھینتی نہیں اسی زمین پر وہ شخص ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے اگر اس پر مکان بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے اور اگر اسکو دوسرے کے ہاتھ بیچنا چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے اور اسی شہر میں جتنی زمینیں ہیں سب ایسی ہی ہیں اس ارض مذکورہ کو اگر سرکار واپس لینا چاہے تو اس کے عوض میں دوسری زمین دیکر واپس لیتی ہے دیگر شہروں میں دوسری زمینیں ہیں۔

ایک تو اس قسم کی زمین جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسری فری ہول زمین جس کا خزانہ معاف ہے لیکن اسکو بھی سرکار اس کے عوض میں دوسری زمین دیکر واپس لے سکتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی خزانہ والی زمین میں ایک مکان بھی تھا، مع مکان کے اس زمین کو مسلمانوں نے خرید کر وقف کردیا ہے اور اسپر ایک مسجد بنائی ہے جس میں پنجگانہ نمازیں جماعت کے ساتھ ہو رہی ہیں اور جمعہ کی نماز بھی خوب اچھی طرح سے ہو رہی ہے اور روز بروز مسجد مذکور کی جماعت بفضلہ تعالیٰ ترقی پر ہے اور جو

سرکاری خزانہ قبل از بناءِ مسجد اسی زمین کیلئے مقرر تھا وہ ابتک معاف نہیں ہوا ہے سالانہ تین روپیہ تک واقفین زمین ادا کر دیا کرتے ہیں اور کوشاں ہیں کہ خزانہ معاف ہوجائے آیا یہ وقف صحیح ہوا یا نہیں ؟ اور ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

بینوا توجروا

الجواب

چونکہ یہ زمین وقف کرنے والوں کی ملک نہیں ہے اسلئے زمین کا وقف صحیح نہیں ہے اور بیچنے کا اختیار جو سرکار کی طرف سے ہے یہ درحقیقت بیع زمین کی نہیں بلکہ حق متاجری ہے غرض یہ کہ صورتِ سوال سے ہم نے یہ سمجھا ہے کہ اس زمین کی مالک سرکار ہی رہتی ہے اس واسطے نہ ہمارے نزدیک یہ زمین وقف ہوئی اور نہ یہ مسجد شرعاً مسجد کہلائیگی البتہ اگر کسی طریقہ سے بطور بیع یا ھبہ یہ زمین مسلمانوں کو ھمیشہ کے واسطے ملجائے اور اس کے بعد پھر اسکو مسجد قرار دیں تو مسجد ہوجائیگی جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ تمام تر گفتگو زمین کے متعلق تھی باقی رہی عمارت سو وہ بہرحال وقف ہوچکی ہے گو اکثر فقہاء نے وقف البناء بدون الارض کو غیر صحیح کہا ہے، لیکن درمختار نے صحیح کہا ہے اور آجکل یہی قول قابل فتوی ہے کیونکہ اس زمانہ میں تعامل بدل گیا ہے یعنی پہلے اس کا دستور نہ تھا اسواسطے اس کو صحیح نہیں کہتے تھے اور اب دستور ہوگیا ہے اسلئے صحیح کہنا لازم ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ منقول کا وقف جب صحیح ہوتا ہے جبکہ اس کا دستور ہو پس درحقیقت یہ اختلاف مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ دستور کا اختلاف ہے یعنی جن فقہاء نے بوجہ دستور نہ ہونے کے اس وقف کو غیر صحیح کہا ہے ان کا یہ قول خود بتلا رہا ہے کہ اگر کسی زمانہ میں اس کا رواج ہوجائے تو وقف صحیح ہوجائیگا پس آج کل رواج ہوگیا ہے اور زمین کرایہ پر ہے اس واسطے استعمال کا حق ہے پس نماز پڑھنا اس جگہ جو صورۃً مسجد ہے جائز ہوا اگر کسی وقت سرکار نے زمین لے لی تو پھر اس کا ملبہ کسی دوسری مسجد میں صرف ہوسکتا ہے۔ اب وقف البناء بدون الارض کے متعلق فقہاء کی عبارتیں نقل کرتا ہوں تاکہ اس تحریر کی موافقت ظاہر ہوجائے۔

فی الدرالمختار: (بنی علی ارض ثم وقف البناء) قصداً (بدونها ان الارض مملوکة لا یصح) وقیل: صح وعلیه الفتوی ـــــ سئل قارئ

الهداية عن وقف البناء والفراس بلا ارض فاجاب: الفتوىٰ على صحة ذالك ورجحه شارح الوهبانية واقره المصنفؒ معللاً بانه منقول فيه تعامل فيتعين به الافتاء (شامی ج ۳ ص ۳۰۴)

گو شامیؒ نے دوسری جزئیات کی بناء پر اسمیں قید لگائی ہے کہ یہ حکم ارض محتکرہ کا ہے اور محتکرہ وہ زمین ہے جو ہمیشہ کے واسطے کرایہ پر دی ہوئی ہو اور بادشاہ اسکو کبھی بھی نہ لیتا ہو لیکن جب اصل مدار تعامل پر ہے تو جس قسم کی زمین پر بنائی ہوئی عمارت کو وقف کرنیکا تعامل ہو جائیگا۔ اسی کو صحیح کہا جائیگا۔ واللہ اعلم

اور غور کرنے سے صورتِ مسئولہ کے متعلق ایک بات اور ذہن میں آئی وہ یہ کہ جب عمارت بنانیکے واسطے اینٹ چونہ وغیرہ خریدا اسی وقت وہ سب سامان وقف ہو چکا اور وقف ہونیکے بعد دیوار وغیرہ بنائی گئی ہے بخلاف اس صورت کے جس میں علامہ شامیؒ نے اختلاف کیا ہے کیونکہ اس صورت میں عمارت بنانیکے بعد وقف کرنا مفروض ہے اور اینٹ وغیرہ منقولات میں وقف صحیح ہونیکے لئے کوئی شرط ایسی نہیں ہے جو صورتِ مسئولہ میں بنائی گئی ہو پس واضح ہو گیا کہ آجکل اکثر چھاؤنی وغیرہ میں جو عارضی اجازت معین یا غیر معین مدت کے واسطے لیکر سرکاری زمین میں مسجد بنا لیتے ہیں یہ مسجد تو نہیں ہوتی مگر دیوار وغیرہ وقف ہو جاتی ہیں اور نماز پڑھنا ان مساجد میں جو کہ محض صورۃً مساجد ہیں جائز ہے گو ثواب مسجد کا نہ ملیگا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۳۰ ر جمادی الاول ۵۰ھ

وقف میں کوئی مستحق نکل آئے تو وقف باطل ہو جائے گا یا نہیں

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک بستی میں قریب پندرہ سولہ سال سے نور محمد نامی ایک شخص کی زمین میں ایک مسجد تیار کی گئی، نور محمد نے یہ زمین اسی وقت مسجد کیلئے وقف بھی کر دی تھی لیکن یہ زمین نور محمد کی موروث نہ تھی بلکہ حاجی محمد ہاشم سے خریدی اور حاجی محمد ہاشم نے محمد زرین کی والدہ سے اور اس نے اسعد اللہ کے بعض وارثین سے خرید کی تھی اب اس محلہ کے ایک شخص اسعد اللہ مرحوم کے وارثین

میں سے اسی مسجد کی زمین میں ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ کا مستحق نکل گیا۔ لھذا سوال یہ ہے کہ اس استحقاق کی وجہ سے وقف مذکور باطل ہوجائیگا یا نور محمد کے وارثین سے بقدر استحقاق ضمان لیکر وقف باقی رکھا جائیگا بر تقدیر اول تمام مسجد کا وقف باطل ہوگا اور باقی زمین میں مسجد باقی رکھی جائیگی۔ بینوا توجروا

تنقیح

اس سوال کے متعلق امورِ ذیل دریافت طلب ہیں انکا جواب آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ مسئلہ بتلادیا جائیگا۔

(۱) کیا اس کے شرعی ورثاء سب بالغ ہیں اور کیا وہ سب ضمان پر راضی ہیں؟

(۲) نور محمد اور حاجی ھاشم اور اصل بائع یہ سب تاحال زندہ ہیں یا بعض کا انتقال ہوچکا مفصل لکھیں

(۳) جس شخص نے دعویٰ کیا ہے وہ اس وقت جبکہ جگہ فروخت کی گئی اور مسجد بنائی گئی کیوں خاموش رہا و نیز یہ بھی تحریر کریں کہ فروخت کے وقت وہ موجود تھا یا نہیں؟

(۴) کیا اس کا استحقاق گواہوں سے ثابت ہے؟

(۵) یہ ٹکڑا کس طرح اس بیع میں شامل ہوگیا تھا؟

(۶) استحقاق کسی معین حصہ میں ثابت ہوا ہے یا غیر معین یعنی کسی جانب دیوار مسجد تھوڑی سی ہٹا کر بنالی گئی ہے یا بیچنے والے نے اپنے حصہ سے زائد بیچدی اسکو مصرح لکھا جائے اور زیادہ وضاحت کے واسطے لکھا جاتا ہے کہ استحقاق کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ بائع کی زمین الگ تھی اور مدعی استحقاق کی زمین الگ بائع نے کسی طریق پر مدعی کی زمین کا حصہ شامل کرکے فروخت کردیا — دوسری صورت یہ کہ بائع کو مثلاً سو گز زمین وراثت میں پہنچتی تھی مگر اس نے کسی وجہ سے ۱۰۴ گز فروخت کردی اب مدعی اپنا حصہ طلب کرتا ہے ان دونوں صورتوں میں سے جو واقعہ ہوا ہو اسکو لکھیں۔ والسلام

جواب تنقیح

(۱) نور محمد کے تمام ورثاء شرعی فی الحال بالغ ہیں اور ضمان پر راضی ہیں

لیکن مدعی قدر قلیل پر راضی نہ ہوگا۔

(۲) نور محمد کا انتقال ہو چکا ہے اور حاجی ہاشم اور انکی بائعہ محمد زرین کی والدہ اور محمد زرین کی والدہ کی بائعہ مور بی بی، شورش بی بی، محرم بی بی، عزت اللہ، حشمت اللہ اور نور محمد ہیں اور یہ سب اسعد اللہ کے وارثین ہیں اور فقط ایک شخص شیخ محمد نامی اسعد اللہ کا وارث ہے وہ اس بیع میں شریک نہیں اور اصل بائعوں میں سے تاحال فقط مور بی بی زندہ ہے اور بائع ثانی محمد زرین کی والدہ اور بائع ثالث یعنی حاجی ہاشم تاحال زندہ ہیں

(۳) جب جگہ فروخت کی گئی اور مسجد بنائی گئی اس وقت اسکو علم نہیں تھا کہ اس کا بھی اس میں حق ہے کیونکہ اس کا حصہ بہت کم تھا بعد کو مسئلہ پوچھنے سے یہ معلوم ہوا کہ اسکو بھی حصہ ملیگا اور فروخت کے وقت وہ موجود تھا۔

(۴) چونکہ یہ شخص اسعد اللہ کے وارثین میں سے ہے اور جس زمین میں مسجد بنائی گئی اصل میں اسعد اللہ کی تھی لھذا اس کا استحقاق دلیل شرعی سے ثابت ہے

(۵) چونکہ تمام بائع اصل جو ۲ میں مذکور ہو چکے ہیں اسعد اللہ مرحوم کے وارث تھے اور مدعی استحقاق بھی اسی مرحوم کا ایک وارث تھا۔ اور سب نے سوائے مدعی کے متفق الرائے ہو کر موروثہ زمین قبل القسمۃ محمد زرین کی والدہ کے پاس فروخت کر دی اور مدعی استحقاق کو اسمیں شریک نہیں کیا اور نہ اس کا حصہ الگ کیا لھذا اس کا حصہ بیع میں شامل ہو گیا تھا۔

(۶) چونکہ ارض موروثہ کی تقسیم نہیں ہوئی لھذا جو حصۂ مدعی استحقاق کے مسجد میں واقع ہوا غیر معین رہا تمثیل کی دونوں صورتوں میں سے یہاں ثانی صورت واقع ہوئی پہلے سب بائع کو مناسب تھا کہ مدعی کا حصہ الگ کر کے بیچتے انہوں نے الگ نہیں کیا

دوسری گذارش یہ ہے کہ اگر ضمان دیا جائے تو کس وقت کے حساب سے دیا جائیگا؟ اگر وہ ضمان لینے پر راضی نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے؟ والسلام

الجواب

جب ماشاء اللہ نور محمد کے سب ورثاء عاقل بالغ ہیں اور شیخ محمد کے حصہ کا

ضمان دینے پر آمادہ ہیں تو تمام مسجد کے متعلق سوال لاحاصل ہے بس فقط شیخ محمد کے حصہ کا تصفیہ کرنا ہے سو اسکی صورت یہ ہے کہ اولاً اس کا حصہ تقسیم کرکے معین کیا جائے[عہ]۔ اگر اس کا حصہ[۱] اس سمت میں ہے جس سمت میں تعمیر نہیں ہے یعنی دروازہ وغیرہ کی طرف تب وہ خالی زمین اس کو دیدی جائے اور اگر اس حصہ میں وہ قطعہ آئے جسپر خود مسجد کی عمارت ہے یا متعلقات مسجد غسلخانہ حجرہ وغیرہ بنا ہوا ہے تو پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ اس خالی حصہ کی کیا قیمت ہے ؟ اور عمارت کی کیا قیمت ہے اگر[۲] عمارت کی قیمت زمین کی قیمت سے زیادہ ہو تو اس شخص کو زمین کی قیمت دیدی جائے (اور قیمت میں اس کے مانگنے کا اعتبار نہیں بلکہ موجودہ نرخ کے اعتبار سے دی جائیگی) اور اگر[۳] زمین کی قیمت عمارت کی قیمت سے زیادہ ہو تو اس شخص کو حق ہے کہ اپنا حصہ خالی کرالے یا اپنی مرضی کے موافق قیمت وصول کرلے اگر یہ آخری صورت یا پہلی صورت واقع ہو تو بقیہ زمین اور دوسری صورت میں تمام زمین کو وارثانِ نور محمد مرحوم مسجد رکھیں

کما فی الدر المختار: (بنی احدھما) ای احد الشریکین (بغیر اذن الاخر) فی عقار مشترک بینھما (فطلب شریکه رفع بنائه قسم العقار (فان وقع) البناء (فی نصیب الباني فبھا) ونعمت (والا ھدم) اھ

وقال الشامی تحته: او ارضاه بدفع قیمته (عن الھندیه ج۵ ص۲۶۱)

وایضاً فی الدر: (ومن بنی او غرس فی ارض غیره بغیر اذنه امر بالقلع الرد) لو قیمة الساحة اکثر کما مر وقال صاحب رد المحتار: ولو قیمتھا اقل فللغاصب ان یضمن له قیمتھا ویأخذھا، درر عن النھایة، وھذا علی قول الکرخی وقدمنا الکلام علیه آنفاً اھ (ص ۱۸۹ ج ۵)

اور علامہ شامیؒ نے قول کرخی کے خلاف ہر حال میں ہدمِ بناء پر فتویٰ ہونا نقل کیا ہے

عہ اسکے متعلق ضروری تنبیہ آگے ملاحظہ فرمائیں عہ تقسیم کی صورت یہ ہے کہ جس قدر شیخ محمد کا حصہ ہے اُتنے اُتنے حصے تمام زمین کے ہر چار طرف کرلئے جائیں اور پھر قرعہ ڈالا جائے جو اس کے نام پر نکلے گا وہ اس کا ہے اور اگر فریقین کسی عادل کو حَکَم تسلیم کرلیں یا کوئی مسلمان حاکم با اختیار تقسیم کرے تو ان کو اختیار ہے کہ بلا قرعہ جسطرف چاہیں اس کا حصہ معین کردیں۔

لیکن اسکی جو وجہ بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں قول کرخی کو اختیار کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے وجہ یہ لکھی ہے کہ مطلقاً ھدم میں باب ظلم کو مسدود کرنا ہے و نیز تحریر فرمایا ہے

ویمکن ان یفرق بین ھذا وبین مسئلة اللؤلؤة (ای اذا ابتلعت دجاجة لؤلؤة) ونحوھا بانه امر اضطراری صدر بدون قصد معتبر واما الغصب فھو فعل اختیاری مقصود اھ ملخصاً (ص ۱۹۷)

اور ظاہر ہے کہ صورتِ مسئولہ میں کسی نے قصد غصب نہیں کیا ہے

واللہ اعلم بالصواب

تتمہ: اور اگر عمارت مسجد کی نور محمد نے اپنے روپیہ سے نہیں بنائی بلکہ چندہ سے بنی ہے تو اس تقسیم وغیرہ کے معاملہ میں عام مسلمانوں کی رائے بھی شامل ہونا ضروری ہے اس کا وارثان نور محمد تنہا تصفیہ نہ کریں۔

تنبیہ ضروری: چونکہ وارثانِ نور محمد مرحوم مسجد کو اپنی ملک میں داخل کرنے کے خواہاں نہیں ہیں اس واسطے اس پر گفتگو نہیں کی کہ ان کو اس کا حق ہے یا نہیں ؟ فقط ـــــ تصفیہ کی صورت لکھدی ہے اور بعد تصفیہ کے جب وہ کل یا باقی کو مسجد رکھیں گے تو وہ بہر حال مسجد رہیگی خواہ انکی طرف سے ابتداءً مسجد کو دینا ہو خواہ انکے مورث کی طرف سے ہو چکی ہو کما ھو الظاہر

ولیکن اگر اس کا حکم معلوم کرنا ہو کہ نور محمد کی طرف سے یہ مسجد بن چکی ہے یا اس کے وارثان کی طرف سے بنیگی تو تنقیح ذیل کا جواب تحریر کیا جائے۔

تنقیح

نور محمد کے متعلق سوال میں جو یہ لکھا ہے کہ نور محمد نے اسی وقت یہ زمین مسجد کیلئے وقف کردی تھی اسکی کیا صورت ہوئی ؟ کیا اس نے زبان سے یہ کہا تھا کہ میں نے یہ جگہ وقف کردی یا فقط یہ کہا تھا کہ یہاں مسجد بنالو اور اس نے خود مسجد بنائی تھی یا دوسروں کو بنانے کی اجازت دی تھی۔ اور اگر وقف کا لفظ استعمال کیا تھا تو مسجد بننے سے پیشتر کیا تھا یا بعد میں سب امور مفصل لکھے جائیں۔ فقط والسلام۔

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون۔ ۱۹ رجب سنہ ۵۰ھ

تقسیم جائیداد موقوفہ مع شرائط وقف بین المتولین

سوال :۔ عرض یہ ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک موقوفہ جائیداد کے ایک ساتھ متولی ہیں جو والد صاحب نے وقف کی ہے اس میں ایک معینہ رقم بیوگان، و یتامیٰ کیلئے رکھی ہے باقی متولیان کیلئے اب ہم دونوں بھائی یہ چاہتے ہیں کہ اس جائیداد موقوفہ کے نصف حصہ کا انتظام و اہتمام ایک بھائی کرے اور وہی اس حصہ کا نمبردار بروئے قانونِ عدالت قرار پاجائے اور اس حصہ کے بقدر جو خیرات ہے وہ بھی اسکے ذمہ رہے اور بقیہ منافع اس حصہ کا جو ہے وہ بعد ادخال مال گذاری وہی بھائی اپنے اوپر صرف کرے اور دوسرا نصف حصہ جو ہے اس کا اہتمام و انتظام دوسرا بھائی کرے اور وہی دوسرا بھائی اس دوسرے حصہ کا نمبردار از روئے قانون قرار پائے۔ اور اسکی مال گذاری اور اس حصہ کے بقدر جو خیرات ہے وہ بھی اس دوسرے کے ذمہ رہے اور بقیہ منافع جو اس دوسرے حصہ کا رہے بعد مال گذاری کے بہارت کے وہ دوسرا بھائی اپنے اوپر صرف کرے اسلئے ہم دونوں بھائیوں نے اس جائیداد موقوفہ کے دو قرعے بنائے ہیں اور ان دو قرعوں کے متعلق یہ اقرار نامہ رجسٹری کرانا چاہتے ہیں کہ

(۱) قرعہ ۱ کا منتظم اور محصل لگان اور ذمہ دار مال گذاری و مصارف خیرات ایک بھائی رہیگا۔ اور قرعہ ۲ کا اسی طرح دوسرا بھائی رہیگا۔

(۲) ایک بھائی کو دوسرے کے قرعہ میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) اگر ایک بھائی اپنی طرف کی رقم خیرات نہ کرے تو دوسرا اس کا ذمہ دار نہ ہوگا

(۴) اگر درخواست نمبرداری نامنظور ہوئی اور ایک ہی بھائی از روئے قانون گورنمنٹ ان دونوں قرعوں کا نمبردار رہا تو بھی نجی طور پر ایک بھائی دوسرے کے قرعہ میں مداخلت نہ کریگا مگر سوائے دو صورتوں کے :

(۱) اگر پٹی دار اپنے حصہ کی مال گذاری ادا نہ کرے۔

(۲) اگر نمبردار پٹی دار کے قرعہ کے تحصیل کرے۔

السائل :

جلیل احمد، سعید احمد علی گڑھی۔

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے

کما فی الدر المختار: فلا یقسم الوقف بین مستحقیہ اجماعًا، درر، وکافی، وخلاصہ وغیرھا؛ لان حصتھم لیس فی العین وبہ جزم ابن نجیم فی فتاواہ، وفی فتاوی قاری الھدایۃ: ھذا ھو المذاھب و بعضھم جوز ذالک قال الشامی: ھذا ضعیف لمخالفۃ الاجماع اھ (ج ۳ ص ۵۷۰)

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۳ر جمادی الاولیٰ ۵۱ھ

ایضاً ایضاً ایضاً | سوال :- عرض ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک موقوفہ جائیداد کے ایک ساتھ ہی متولی ہیں جو ہم دونوں کے والد صاحب مرحوم نے وقف کی ہے اس میں ایک معین رقم بیوگان و یتامیٰ کے لئے رکھی ہے باقی ہم متولیان کیلئے اس وقت وقف کے اندر نمبردار و محصل لگان میرے چھوٹے بھائی ہیں چونکہ اس وقف میں ہم دونوں بھائی بیک وقت متولی تجویز کئے گئے ہیں کہ دونوں ایک ہی زمانہ میں متولی رہیں گے اور اس صورت کے متعلق کہ جبکہ دونوں میں اختلاف ہو یہ کچھ نہیں لکھا کہ اسکی رائے کو ترجیح ہوگی اور اختلاف برابر ہو رہا ہے اور یہی وجہ دوسری جائیداد موقوفہ کے جو اس موقوفہ جائیداد کے علاوہ ہے تقسیم کی ہے اور اس حالت میں انتظام وقف کا دشوار ہے اس لئے ہم دونوں بھائیوں نے چاہا ہے کہ اس جائیداد موقوفہ کے نصف حصہ کا انتظام و اہتمام ایک بھائی کرے اور وہی اس نصف حصہ کا نمبردار بروئے عدالت قرار پا جائے اور جتنی رقم کل خیرات کی لکھی ہے اس کا نصف اس نصف جائیداد موقوفہ کے منافع میں سے منہا کر کے بقیہ اپنے صرف میں لائے اسیطرح اس حصہ کی مال گذاری کا بھی وہی ذمہ دار ہے اور اسی طرح دوسرا نصف جو ہے اس کا اہتمام ہم میں سے دوسرا بھائی کرے اور وہی دوسرا بھائی اس دوسرے حصہ کا نمبردار بروئے قانونِ عدالت قرار پا جائے اور جتنی رقم کل خیرات کی لکھی ہے اس کا نصف اس نصف

جائیداد موقوفہ کے منافع میں سے منہا کرکے بقیہ اپنے صرف میں لائے اسی طرح اس حصہ کی مال گذاری کا بھی وہی ذمہ دار ہے اس غرض سے ہم دونوں بھائیوں نے دو قرعہ اس جائیداد موقوفہ کے بنائے ہیں اور ان کے متعلق حسب ذیل اقرار نامہ رجسٹری کرانا چاہتے ہیں گویا مقصود کام کی تقسیم ہے۔

نقل اقرار نامہ

(۱) قرعہ ۱ کا منتظم اور محصل لگان اور ذمہ دار مال گذاری ومصارف خیرات فلاں ایک بھائی رہیگا۔ اور قرعہ ۲ کا فلاں دوسرا بھائی۔

(۲) ایک بھائی کو دوسرے کے قرعہ میں کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) اگر درخواست جداگانہ نمبرداری کی نامنظور ہوئی اور ایک ہی بھائی قانوناً نمبرداران دونوں قرعوں کا رہا تو بھی ایک بھائی دوسرے کے قرعہ میں مداخلت نہ کریگا مگر سوائے دو صورتوں کے۔

صورت اول: اگر پٹی دار اپنے حصہ کی مال گذاری نہ ادا کرے

صورت دوم: اگر نمبردار پٹی دار کے قرعہ کی تحصیل وصول کرے ـــ اور شرائط بابت تولیت موافق وقف نامہ معروضہ بالا رہیں گے جو حسب ذیل ہیں۔

نقل شرائط متعلقہ تولیت مندرجہ وقف نامہ

(۱) ایک یہ کہ تاحیات خود منمقر خود متولی جائیداد موقوفہ کا رہیگا اور اس کا اہتمام وانتظام حسب منشاء وقف نامہ ہذا کریگا اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض پر صرف کریگا جو وقف نامہ ھذا میں درج ہیں

(۲) بعد وفات منمقر کے برخورداران جلیل احمد وسعید احمد خان میرے پسران مشترکاً متولی ہوں گے اور انتظام واہتمام جائیداد موقوفہ حسب منشاء وقف نامہ ہذا کرینگے جو وقف نامہ ہذا میں درج ہیں۔

(۳) اگر خدانخواستہ برخورداران مذکورین سے ایک فوت ہوجائے تو دوسرا متولی حی القائم تنہا متولی رہیگا اور اہتمام وانتظام جائیداد موقوفہ کا حسب منشاء شرائط وقف نامہ ہذا کریگا اور آمدنی جائیداد موقوفہ ان اغراض پر صرف کریگا جو وقف نامہ ھذا میں درج ہیں۔

(۴) بعد وفات ہر دو متولیان مذکورہ بالا کے انکی اولاد ذکور میں جو سب سے بڑا ہوگا وہ متولی ہوگا اور اسیطرح سلسلہ تولیت نسلاً بعد نسل چلا جائیگا اور متولی وقت حسب منشاء وقف نامہ ہذا آمدنی جائیداد موقوفہ کو خرچ کریگا اور اگر خدانخواستہ انکی اولاد میں سے کوئی نہ رہے تو میرے خاندان پدری میں سے جو سب سے بڑا ہوگا وہ متولی ہوگا اگر میرے پدری خاندان میں کوئی نہ رہے تو قوم شیروانی میں جو اھل ہوگا وہ متولی ہوگا۔

لھذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا اقرارنامہ اور اسکی رجسٹری جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مقصود کام کی تقسیم ہے کیونکہ بوجہ اختلاف ہر دو متولیان بغیر کام کی تقسیم کے انتظام دشوار ہے

الجواب

تقسیم وقف تو کسی حال میں جائز نہیں بلکہ بالاجماع ممنوع ہے البتہ رفعِ اختلاف کی دو صورتیں ہیں: انمیں سے ایک جو مناسب ہو کی جائے

اول یہ کہ ایک متولی دوسرے کو اپنا وکیل بنا دے بس اس صورت میں ایک ہی متولی کا تصرف صحیح ہو جائیگا۔

وفی رد المحتار (ص ۶۸۹ ج ۵): ولو وکل احدھما صاحبہ جازت نقلہ ابو السعود

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نوبت مقرر کر لی جائے یعنی چند روز؛ مثلاً سال دو سال کے واسطے ایک شخص متولی رہے اور اس کے بعد اتنی ہی مدت دوسرا شخص متولی رہے۔ کما ھو المصرح فی الشامی ایضاً (ص ۵۶۸ ج ۳)

اور ان دونوں صورتوں میں بھی یہ بات ہے کہ توکیل اور مہایات لازم نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ اختیار رہتا ہے کہ دونوں میں سے جو چاہے اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ کما صرح بہ الشامی ایضاً (ص ۵۶۹ ج ۳) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مؤرخہ ۶ شعبان ۵۱ھ

مسئلہ وقف **سوال:** السلام علیکم یا علماء دین ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اما بعد گذارش یہ ہے کہ عرصہ دو سال کا ہوا کہ میں عبد الحکیم نے اپنا مسکونہ مکان اور قطعہ زمین صحرائی ہر دو بلا شرکت غیرو نصف حصہ دوکان کا جو میری ملک تھا ہر سہ اشیاء مدرسہ امدادیہ کے نام وقف کردی اور وقف کی صرف یہ شرط رکھی تھی کہ مکان فروخت نہ کیا جائے اور تمام اختیارات ترمیم وتنسیخ کے متولی صاحب وقف کو حاصل ہیں نیز اگر متولی صاحب مکان قطعاً توڑوانا چاہیں تو صرف اس جگہ کو مسجد بنانیکے لئے توڑوا سکتے ہیں ایسا نہیں کہ مکان کا ملبہ مصرف میں لے لیں اور زمین خالی رہ جائے اور دوکان وزمین کے متعلق متولیان وقف کو فروخت کا حق بھی حاصل ہے اگر متولیان چاہیں زمین ودوکان فروخت کرکے اس کا روپیہ مدرسہ میں صرف کریں لیکن یہ وقف نامہ بوجہ کسل ولا اعتدالی کے رجسٹری نہیں کرایا اور نہ متولیان کو قبضہ کرایا۔ بعدہ عبد الحکیم کو کچھ روپیہ کی ضرورت پیش آئی تو زمین مذکور ایک سو پچاس روپیہ میں فروخت کرکے تکمیل تام کرادی اور نصف حصہ دوکان مذکور اپنے شریک کو تیس روپے میں فروخت کرکے تکمیل تام کرادیا۔ لیکن وقت فروخت ہر دو اشیاء یہ نیت قائم رہی کہ یہ ایکسو اسّی (۱۸۰) روپیہ مدرسہ کو ادا کرونگا جب کبھی میرے پاس ہوگا اب اس کو اپنی ضرورت میں صرف کرلوں چنانچہ صرف کرلیا اور ابتک ادا نہیں کرسکا۔

(۲) مکان مذکورہ اپنی زوجہ ونابالغ بچہ کے نام مشترکہ ھبہ کردیا اور ہم سب اس وقت بھی اسی مکان میں رہتے تھے مثل پہلے کے اور یہ صرف اس خیال سے کردیا کہ عبد الحکیم کے ذمہ ایک ڈگری تھی جو شرعاً واجب الاداء نہیں تھی تو یہ خوف ہوا کہ اگر مکان عبد الحکیم کے نام رہا تو ڈگری دار اسپر ڈگری قائم کردیگا۔ اس وجہ سے مکان مذکورہ فوراً زوجہ اور نابالغ بچہ کے نام ہبہ کردیا اور اس وقت مدرسہ کے نام اسلئے وقف نہیں کیا کہ شاید ڈگری دار عذرداری کرکے وقف ملتوی نہ کرادے جب عبد الحکیم ڈگری سے سبکدوش ہوگیا تب صرف مکان کا جدید وقف نامہ مرتب کیا ۸، اسٹامپ پر اور اس وقف نامہ پر عبد الحکیم نے بھی خوشی سے دستخط کئے اور اسکی زوجہ نے بھی خوشی سے نشانِ انگوٹھا کیا اور نابالغ کا نشانِ انگوٹھا کراکے متولی وقف کے پاس روانہ کیا متولی وقف کو کل حال معلوم نہ تھا یا دنہیں کہ کیا لکھ کر وقف نامہ واپس کردیا۔ اب وہ وقف نامہ گم ہوگیا

زوجہ نے اپنے شوہر سے (برضاء زوجین) طلاق لیکر عقد ثانی کر لیا نابالغ بچہ زوجہ کے پاس ہے وقت طلاق رجدائی یہ معاملہ کسی کے نہ یاد رہا نہ کوئی تذکرہ اس کا آیا۔ اب عبدالحکیم کا اسکی زوجہ پہ کوئی اختیار نہیں لھذا اس معاملہ میں شریعت عبدالحکیم کو کیا حکم دیتی ہے ارشاد ہو تاکہ تعمیل کی جائے ؟

السائل. عبدالحکیم عرف غلام مرحوم

الجواب وھو الموفق للصواب

واقعات مذکورہ کی بناء پر دوکان اور زمین کا وقف صحیح نہ ہوا تھا.

کما فی رد المحتار عن الخصاف : لو قال: علی ان لی اخراجھا من الوقف الیٰ غیرہ او علیٰ ان اھبھا واتصدق ثمنھا او علی ان اھبھا لمن شئت او علی ان ارھنھا متی بدا لی واخرجھا عن الوقف بطل الوقف (ج ۳ ص ۵۵۶)

و فی احکام الاوقاف : قلت : فان قال: علی ان لی ان ابیعھا واصرف ثمنھا فیما رأیت من ابواب البر قال : الوقف باطل من قبل انہ قد اشترط اخراج ھذہ الارض عن حال الوقف (ص ۱۵۷)

پس ان کی بیع جو سائل نے کی ہے وہ صحیح ہو گئی اور اس کے ذمہ اس رقم کا مدرسہ میں داخل کرنا لازم نہیں اور مکان کا وقف صحیح ہو چکا تھا اسلئے بیوی اور بچہ کے نام ہبہ کرنیکا اختیار نہ تھا لھذا وہ ھبہ باطل اور لغو ہے و نیز اس ھبہ میں یہ بھی کوتاہی ہوئی کہ تقسیم کر کے قبضہ نہیں دیا گیا اگر وقف نہ ہو چکتا تب بھی اس صورت میں ہبہ صحیح نہ ہوتا پس سائل کے ذمہ ضروری ہے کہ ہبہ کی رجسٹری کو بیکار کرنے اور وقف کو مصرف وقف میں صرف کرنیکی سعی کرے۔ فقط

واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۵۲ھ

عہ ھکذا فی الاصل و لعلہ ابیعھا۔

علماء وطلباء علوم دینیہ پر وقف کی ہوئی آمدنی کو طلبۂ علوم دنیویہ پر صرف کرنا

سوال :- ڈپٹی صاحب نے مدرسہ کے متعلق ایک کمیٹی تجویز کی ہوئی ہے اس میں احقر بھی شریک ہے بعض اوقات کچھ مشورہ دینا پڑتا ہے اسمیں یہ لحاظ ہوتا ہے کہ شریعت کے خلاف مشورہ نہ ہو، جناب ڈپٹی صاحب کی زیادہ توجہ دنیوی تعلیم کی طرف رہتی ہے اردو، جغرافیہ، تاریخ، فارسی، انگریزی، اس وقت بعض وجوہ سے کوئی جدید تجویز ان کی طرف سے نہیں ہے. البتہ فارسی درجہ میں بجائے قدیم فارسی کے منشی کامل کا کورس مدرسہ میں شروع ہوا ہے ڈپٹی صاحب کے خیال میں دنیوی تعلیم ثواب کی بات ہے اس معنیٰ پر کہ قوم کی ہمدردی ہے، قوم کا نفع ہے، احقر کا خیال ہے کہ ثواب عبادت پر ملتا ہے اور عبادت جب ہے کہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہو موجودہ صورت میں خدا کی رضا کا اصلاً خیال نہیں ہے اس بناءپر احقر ایسے مشورہ دینے سے احتراز کرتا رہتا ہے. اب حضرت اقدس کی خدمت میں عرض ہے کہ وقف نامہ لفافہ میں موجود ہے اسکو ملاحظہ فرمایا جائے.

اور ڈپٹی صاحب کے خیالات اور تجاویز کے متعلق عرض ہے کہ واقف مرحوم کی غرض دنیوی تعلیم میں پوری ہوتی ہے یا نہیں؟ مثلاً اس وقت مدرسہ میں منشی کامل کا کورس شروع ہے پڑھنے والے سرکاری اسکولوں کے ملازم ہیں دین سے وہ ناواقف ہیں نہ دین کا ان کو شوق. صرف دنیوی ترقی کیلئے پڑھتے ہیں اس کا ثواب واقف مرحوم کے والدین کو ملیگا یا نہیں؟ نفی کی صورت میں جو وقف کا روپیہ اس تعلیم پر صرف ہوتا ہے اس کا ضمان مجوز پر آئیگا یا نہیں؟

(۲) اور مدرس کو ایسی صورت میں تنخواہ لینی جائز ہوگی یا نہوگی؟

(۳) وقف کے روپیہ سے مدرسین کے نیچے بچھانیکے لئے دری یا دوسرا کوئی فرش جس سے صرف نمائش اور خوبصورتی ہو کوئی نفع جسمانی روحانی نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

عبارت وقف نامہ خط کشیدہ

مصارف تعمیر مدرسہ ومسجد وچاہ ومصارف علماء وطلباء ودیگر مصارف خیر کے بہ نظر ایصال ثواب بروح والدین ماجدین اسکو مع جمیع توابع اور لواحق اسکی کے بلا اکراہ واجبار حسبۃ للہ وطلباء لمرضاتہ وقف کیا. یہ ناجائز یا بیجا طور پر خرچ

نہ کریں اور اگر کچھ خلاف اس کے کرینگے تو اس کا وہ صرف ناجائز شرعاً وعدالتاً ہوگا۔ اور ایسا متولی خائن واجب العزل ہوگا اور حاکم وقت اسکو معزول کرکے میری ہی اولاد میں سے دوسرے کو متولی کردیں۔

الجواب

وقف نامہ کی عبارت سے متبادر یہ ہے کہ واقف نے یہ وقف مدرسہ ومسجد و علماء و طلباء علوم دینیہ کیلئے کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ منشی کامل یا مولوی فاضل کے پڑھنے والے کو طلباء علوم دینیہ نہیں کہا جاتا اسلئے ایسے کورس پر وقف کی آمدنی کا صرف کرنا واقف کی غرض کے خلاف ہے اور مجوز اس صرف بیجا کا ضامن ہوگا ــــ رہا یہ کہ اس میں قوم کا نفع اور قوم کی ہمدردی ہے تو گو اس نیت سے ثواب مل جائے مگر وقف کی آمدنی کو اس نیت سے بھی اس میں صرف کرنا جائز نہیں ورنہ پھر اسی نیت سے صنعت وحرفت وغیرہ کی تعلیم بھی چند روز کے بعد مدرسہ میں داخل ہوگی اور اسکو وقف کے تحت میں کوئی بھی داخل نہیں کرسکتا۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۷ر شوال ۴۸ھ

بیشک کورس مذکورہ فی السوال کے طلبہ ومدرسین پر وقف میں سے اور مدرسہ دینیات کی آمدنی سے صرف کرنا جائز نہیں ہے ــــ اور وقف نامہ میں مصارف خیر اور بنظر ایصال ثواب کا لفظ اس امر پر صراحۃً دال ہے کہ اسکی آمدنی ان امور میں خرچ ہوسکتی ہے جو از قبیل عبادت ہیں نہ ان دنیوی امور میں جنکو عبادت سے کوئی تعلق ہی نہیں البتہ وہ کتب فارسی جو خود دینی ہوں یا مقدمہ ہوں علوم دینی کا خیر میں بلاشبہ داخل ہیں واللہ اعلم

ب ضمیمہ ۲، جواب ۲ : اس صورت میں جس طرح مہتمم کو اس مدرس کی تنخواہ دینا جائز نہیں ہے اسی طرح اس مدرس کو تنخواہ لینا بھی آمدنی وقف ہے اور اس چندہ سے جو کہ مدرسۂ دینیات کیلئے آیا ہو جائز نہیں ہے

جواب ۳ : دری تو ضروریات میں داخل ہوسکتی ہے لیکن ایسا فرش جو کہ محض نمائش کے واسطے ہو ضرورت میں ہرگز داخل نہیں ہے بلکہ دیوار مسجد پر نقش

کرنے کے حکم میں ہے جس کے متعلق کتب فقہ میں تصریح ہے کہ متولی پر ضمان آتا ہے۔

واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۸ رشوال ۴۸ھ

الاجوبۃ کلھا صحیحۃ
اشرف علی عفی عنہ
ثامن رشوال ۴۸ھ

مسئلہ وقف **سوال:**۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) جانوروں کو پانی پلانے کیلئے ایک بڑا حوض گاؤں کے کنارہ پر بنا ہوا ہے اس میں پانی بھرنے کیلئے ایک شخص کو شاہی زمانہ اور اس کے بعد موجودہ ریاست بڑودہ کے راجہ کی طرف سے ایک زمین ملی ہوئی تھی اسپر قرض ہوجانیکی وجہ سے شخص مذکور نے گاؤں والوں کو فروخت کردی اور گاؤں والوں نے اسی مقصد کیلئے خرید کی جسپر آج تک عملدرآمد ہورہا تھا اب ایک سخی سیٹھ نے گاؤں میں نل لگوایا ہے ان کا مقصد ہے کہ مذکورہ حوض بھی اسی نل سے بھرا جائے اسلئے زمین وغیرہ جو حوض بھرنے کیلئے ہے اُسے واٹر ورکس کمیٹی کے حوالہ کردی جائے جس میں عوام متفق نہیں مگر اکثروں کا خیال ہے کہ واٹر ورکس کمیٹی کو حوالہ نہ کی جائے بلکہ دوسرے کاموں میں صرف کی جائے تو کیا مذکورہ زمین اور اسکی رقم دوسرے کام میں صرف کرسکتے ہیں؟

(۲) معطی کی اصل نیت اس حوض بھرنے میں ہی صرف کرنیکی تھی اور اس وقت بھی ایک جماعت یہی کہتی ہے کہ اس کام میں صرف کی جائے اور ظاہر ہے کہ جب نل لگ چکے ہیں تو حوض بھرنے کا کام بھی یہی واٹر ورکس کمیٹی ہی کریگی اگر نہیں کرتی تو جانوروں کو تکلیف ہوگی واٹر ورکس کمیٹی حوض پر کچھ کام کرنا چاہتی تھی مگر گاؤں والوں کی نیت بدل جانیکی وجہ سے اس نے اپنا کام ملتوی کردیا ہے جس سے جانوروں کو تکلیف ہونیکا قوی اندیشہ ہے لھذا جواب ارشاد فرمائیے

سائل: یوسف میمان

تنقیح

(۱) جس کو ریاست بڑودہ کی طرف سے یہ زمین حوض میں پانی بھرنے کیلئے

ملی ہوئی تھی وہ اس زمین کا مالک تھا یا محض متولی ؟

(۲) اور گاؤں والوں میں سے جن لوگوں نے یہ زمین خریدی ہے وہ خریدار اس وقت موجود ہیں، یا ان کے ورثاء موجود ہیں، اور ورثاء سب بالغ ہیں، یا ان میں نابالغ بھی ہیں ؟

(۳) خریدنے والوں نے اس زمین کو حوض بھرنے کیلئے وقف کردیا تھا ؟ یا اسکو اپنی مِلک میں باقی رکھا تھا ؟ ان سوالات کے جواب کے بعد حکمِ شرعی بتلایا جاسکتا ہے .

ازتھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

جواب تنقیح

(۱) صورت یہ تھی کہ پہلے مسلمان بادشاہوں کی طرف سے زمین گاؤں والوں کو مواشی کو پانی پلانے کیلئے ملی تھی جس طرح اور بھی بعض رفاہ عام یا مذہبی کاموں کیلئے اسی زمانہ میں اسلامی حکومت کی طرف سے مختلف قسم کے اوقاف ہوتے تھے اور بعض اب بھی ہیں لیکن بعد کو ریاست بڑودہ نے اس زمین پر ٹیکس قائم کردیا، اور ٹیکس کیلئے ایک شخص[۱] کے نام پر زمین کردی کہ وہ ٹیکس ادا کرے اور پانی بھرنے کا انتظام اس زمین کی آمدنی سے کرے، اس شخص نے اپنے نام پر ہونیکی وجہ سے اُس زمین پر قرض لینا شروع کیا، اس حالت کو دیکھکر گاؤں والوں نے کچھ رقم چندہ کرکے اس زمین کو بار دین سے چھڑایا. یہ رقم اصل قیمت زمین سے بہت کم تھی اسلئے خریدنے کا اطلاق اسپر تقریباً درست نہیں پھر یہ کہ گاؤں والوں نے اس زمین کو اس طرح چھڑاکر چار متولیوں کے سپرد کیا اور وہ ابتک اسکی آمدنی پانی ہی کیلئے صرف کرتے رہے، غرض جسکو یہ زمین ریاست بڑودہ کی طرف سے ملی تھی وہ اس زمین کا مالک نہیں بلکہ محض متولی تھا وہ دبلی قوم کا ایک شخص تھا جو مزدور ہمیشہ ہوتے ہیں اور بطور نوکر، غلام کام کرتے ہیں یہ زمین بھی اسکو اسی طرح سپرد ہوئی تھی کہ بطور مزدور کام کرے یعنی پانی بھرا کرے اور زمین کی آمدنی سے ٹیکس دے اور اسی سے اپنا

[۱] قانوناً یہ ہے کہ ٹیکس قائم کرنے کے وقت کسی ایک شخص کے نام پر زمین کا ہونا ضروری ہے .

گذارا کرے

(۲) جن لوگوں نے روپیہ جمع کرکے اس زمین کو قرض سے چھڑایا تھا اُن میں سے بعض مرگئے ہیں اور بعض زندہ ہیں جو سب بالغ ہیں اور مرنے والوں کے وارث بھی سب بالغ تقریباً چالیس سال کی عمر کے ہیں۔

(۳) خریدنے والوں نے اس زمین کو پانی بھرنے کیلئے باقی رکھا تھا اور چار متولیوں کو مقرر کیا تھا کہ اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام کریں چنانچہ ایک متولی کا انتقال ہوگیا۔ اور دوسرے اس وقت موجود ہیں جو ابتک اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام کرتے ہیں

الجواب

صورت مسئولہ میں بظاہر یہ زمین سلطان اسلام کی طرف سے رفاہ عام کے لئے وقف تھی۔ اور ریاست بڑودہ نے بھی اس وقف کو باطل نہیں کیا بلکہ اسی مصرف میں باقی رکھا اور برائے نام ایک مصلحت سے شخص معین کیلئے نامزد کردیا تھا پھر بستی والوں نے چندہ کرکے بار قرض سے چھڑایا اور چند متولیوں کے حوالہ اس کا انتظام کردیا، یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ بستی والوں نے اسکو بطور وقف ہی کے رکھا، پس ضروری ہے کہ اس زمین میں کوئی ایسا تصرف نہ کیا جائے جس سے ابطال وقف کا اندیشہ ہو پس اگر رائٹر ورکس کمیٹی کے حوالہ کرنے میں بطلان وقف کا خطرہ ہو تو اسکو کمیٹی کے حوالہ کرنا جائز نہیں اور اس خطرہ سے اطمینان ہو تو جائز ہے کیونکہ کمیٹی وہی کام کریگی جس کیلئے زمین وقف کی گئی تھی۔

قال المحقق فی الفتح: قد یثبت الوقف بالضرورة بان یوصی بغلة الدار للمساکین ابداً فان هذه الدار تصیر وقفاً بالضرورة والوجه انها کقوله اذا مت فقد وقفت داری علی کذا اھ (ج ۵ ص ۴۱۶) عه

قلت: فلیس التلفظ بلفظ الوقف شرطاً فلا اشکال فی اثبات الوقف فی الصورة المسئولة بدون التصریح بالوقف۔ واللہ اعلم

نعم الجواب وھو انشاء اللہ تعالیٰ عین الصواب

کتبہ۔ اشرف علی عفی عنہ۔ ۱۴ رجب ۵۵ھ

ظفر احمد عفا عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ ۱۴ رجب ۵۵ھ

عه کذا فی الشامیة ج ۴/۳۴۰ مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة۔

تنبیہ :- بعد میں یہ سوال دوبارہ آیا جس میں دوسرے شخص نے یہ ظاہر کیا کہ یہ زمین ریاست کی طرف سے اس شخص مذکور کو تملیکاً دی گئی تھی کہ اسکی آمدنی سے پانی کا انتظام مویشی کیلئے کیا کرے پھر گاؤں والوں نے اس زمین کو شخص مذکور سے خرید لیا اور وقف نہیں کیا اس پر جواب دیا گیا کہ یہ زمین گاؤں والوں کی ملک ہے وہ اس میں جسطرح چاہیں تصرف کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ

وقف تمام ہونے کے بعد اپنے یا اعزہ کیلئے حصہ مخصوص کرنا

سوال ۷:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مخیر سیٹھ نے ۱۹۱۹ء میں سترہ ایکڑ زمین قبرستان کیلئے وقف کی اور قبرستان کی زمین میں سے کوئی قطعہ اپنے لئے یا اپنے اعزہ کیلئے مخصوص نہیں کیا، ابتداء میں بعض نے ان کو مشورہ بھی دیا تو انہوں نے تخصیص سے صاف انکار کر دیا مگر اب وہ اپنے اور اپنے اعزہ کیلئے ایک قطعہ اس میں سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں؟

الجواب

جب واقف نے ابتداء وقف میں اپنے لئے یا اپنے اعزہ کیلئے کوئی قطعہ مخصوص نہیں کیا تو اب ان کو تخصیص کا حق حاصل نہیں البتہ اگر وقف نامہ میں کوئی شرط ایسی موجود ہو جس سے آئندہ کیلئے حق تخصیص محفوظ رکھا گیا ہو تو اس شرط کو ظاہر کر کے سوال کیا جائے۔

قال فی الہندیۃ: اذا شرط فی اصل الوقف ان یستبدل بہ ارضاً اخریٰ اذا شاء ذالک فیکون وقفاً مکانہا فالوقف والشرط جائز ان عند ابی یوسفؒ ولو کان الوقف مرسلاً لم یذکر فیہ شرط الاستبدال لم یکن لہ ان یبیع ویستبدل بہا وان کان الوقف ارضاً سنحۃ لا ینتفع بہا کذا فی فتاویٰ قاضی خان (ص ۲۱۶، ۲۱۷- ج ۳)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ رجمادی الثانی ۵۶ھ

وقف سے متعلق ایک استفتاء واسئلہ دیگر

سوال :- خلاصۂ استفتاء اول

مجھ سے مشورہ لیکر جناب دلدارخان صاحب نے میاں عبداللطیف عرف ماٹھو سے تحریک فرمائی کہ مدرسہ اشرف العلوم کیلئے ایک مکان اور مسجد بنا دیجئے انہوں نے منظور کر لیا تو میں نے امپرومنٹ ٹرسٹ کی زمینوں میں سے ایک جگہ تجویز کی اور کوشش کر کے اس محکمہ سے دو ثلث قیمت کی رعایت منظور کرائی اس سعی میں مدرسہ سے رقم صرف ہوئی آخر کار کامیابی ہوئی اور بیع نامہ اس طرح لکھا گیا کہ ،، کانپور امپرومنٹ ٹرسٹ اس زمین کو رعایتی قیمت پر عبداللطیف عرف ماٹھو متولیٔ مدرسہ اشرف العلوم کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ اس زمین میں مدرسہ ہی قائم کیا جائے اور اگر یہ زمین کسی اور مصرف میں لائی گئی تو امپرومنٹ ٹرسٹ نے جو رعایت کی ہے وہ بقدر اسکی بقیہ قیمت زمین بھی لینے کا حقدار ہوگا وغیرہ وغیرہ،، بعد رجسٹری بیع نامہ کی فیس مدرسہ سے دی گئی اور اس زمین پر مکان جو بنا اس کا نقشہ مدرسہ کی رقم سے تیار ہوا نیز اسکے پھاٹک میں لوہے کی پٹڑی وغیرہ بھی مدرسہ کے خرچ سے لگائی گئی اور میں دوران تعمیر ماٹھو کے مشورہ سے معماروں کی نگرانی بھی کرتا رہا اور ماٹھو کی اجازت سے اس مکان میں جلسہ بھی ہوا اسکے اشتہار میں ماٹھو کو مسودہ دکھلا کر یہ الفاظ شائع ہوئے ،، مدرسہ اشرف العلوم کے طلبۂ فارغ التحصیل کی دستار بندی کا جلسہ مدرسہ ھذا کی اس جدید عمارت میں ہونا قرار پایا ہے جو عبداللطیف ماٹھو نے مدرسہ ھذا کیلئے تعمیر کرائی ہے اس کے بعد ماٹھو نے خانصاحب کی معرفت میرے پاس کہلا کر بھیجا کہ مدرسہ میں تعلیم شروع کر دیں، اسپر وہاں مدرسہ منتقل ہوگیا مگر چار روز کے بعد مدرسہ خالی کرنے پر مجبور کیا گیا ہم نے مجبوراً خالی کر دیا اور ماٹھو کے خلاف نالش دائر کر دی اور ماٹھو نے وہ زمین اور عمارت یتیم خانہ کے نام وقف کر دی ہے اس پر مجھ سے کہا گیا کہ دو ہزار روپے لیکر صلح کر لوں مگر میں نے انکار کر دیا۔ اب دریافت طلب امور ذیل ہیں کہ :

(۱) آیا صورتِ بالا میں یہ زمین و تعمیر جس میں ماٹھو کی رقم کثیر اور تحویل مدرسہ کی رقم قلیل صرف ہوئی یہ مدرسہ اشرف العلوم کے حق میں وقف ہوگئی یا نہیں ؟

(۲) یہ وقف نامہ جو یتیم خانہ کے حق میں لکھا گیا یہ شرعاً صحیح ہے یا باطل ؟

(۳) یہ صلح جو میرے سامنے پیش کی گئی آیا اس کے قبول کرنیکا بحیثیت متولی و مہتمم مدرسہ مجھے حق ہے یا نہیں؟

(۴) یہ جماعت جس نے مدرسہ اشرف العلوم کی مخالفت میں سرگرم کوششیں کیں یہ ظالم ہے یا عادل؟

(۵) اور یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی ہوگئی تو آیا اسکی تولیت یا اور کوئی حق ماٹھو کا رہا یا مدرسہ کی مخالفت کی وجہ سے ان کا یہ حق بھی جاتا رہا۔ فقط

سائل، محمد عثمان مہتمم و متولی مدرسہ اشرف العلوم
قلی بازار کانپور
۳۱ مارچ ۱۹۳۶ء

الجواب

(۱) چونکہ یہ زمین جس کا سوال میں ذکر ہے مدرسہ اشرف العلوم کے واسطے خریدی گئی ہے، بیعنامہ میں اسکی تصریح موجود ہے پھر ماٹھو صاحب نے اس میں مدرسہ کا سامان اور طلبہ کو لے آنیکی اجازت دی اور اس میں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا، اور اشتہار عام کے ساتھ اس زمین اور عمارت کو مدرسہ اشرف العلوم کی جدید عمارت کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اسمیں مدرسہ کا جلسہ بھی کیا گیا تو اب اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عمارت مدرسہ اشرف العلوم کی عمارت ہے اور مدرسۂ مذکورہ کیلئے وقف ہو چکی ہے۔

(۲) جب یہ زمین و عمارت مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے تو اب یتیم خانہ کیلئے اس کا وقف بالکل باطل ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس زمین و عمارت کو مدرسہ ہی کے واسطے بحالہا قائم رکھیں اور اس میں پوری کوشش کریں، اور جو شخص وقف بدلنے کی سعی کریگا گناھگار ہوگا۔

(۳) یہ صلح ہرگز جائز نہیں

(۴) یہ جماعت سراسر ناحق پر ہے۔

(۵) یہ عمارت اور زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو چکی ہے اگر متولی اسکو دوسرے مصرف میں منتقل کرنا چاہتا ہے تو وہ خیانت کی

وجہ سے تولیت سے معزول ہوجائیگا۔ واللہ اعلم

ان کان السوال ذالك فالجواب كذالك
کتبہ، اشرف علی
۱۱۔ محرم الحرام ۵۵ھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۰، محرم الحرام ۵۵ھ

خلاصہ استفتاء دوم

شیخ عبد اللطیف عرف ماٹھو نے ایک قطعہ زمین اس نیت سے خریدی کہ اس میں عمارت بنا کر مدرسہ اشرف العلوم کے نام وقف کردیا جائے گا۔ قبل از تکمیل عمارت نیت بدل گئی اور بجائے مدرسہ موصوفہ کے یتیم خانہ کے نام وقف کردیا، اراکین مدرسہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ

(۱) عبد اللطیف نے مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف کرنیکی نیت سے اس زمین کی خریداری کی تھی۔

(۲) تکمیل عمارت سے پہلے چار دن تک کچھ طلبہ رہے تھے

(۳) عمارت میں ایک جلسہ دستار بندی مدرسہ کے فارغین طلبہ کا کیا گیا تھا اور ایک مطبوع اشتہار کے ذریعہ اعلان کیا گیا تھا کہ دستار بندی کا جلسہ مدرسہ کی نئی عمارت میں ہوگا جسکی تردید عبد اللطیف نے نہیں کی

یہ اراکین مدرسہ کا بیان ہے لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ انہوں نے بدون رضامندی عبد اللطیف کے قفل توڑ کر چار دن تک عمارت پر قبضہ کیا تھا پھر خالی کرالی گئی۔ جلسہ دستار بندی کی اجازت نہیں لی گئی تھی بلکہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے وعظ کی اجازت لی تھی جو عبد اللطیف نے دیدی تھی اور مطبوعہ اشتہار کے الفاظ مذکورہ کی نیت عبد اللطیف کی طرف غلط ہے بلکہ انکو اشتہار کی خبر تک بھی نہیں یہ تو واقعہ ہے اب اس کے متعلق دریافت طلب یہ ہے کہ

(۱) عبد اللطیف کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اراکین مدرسہ کا قفل توڑ کر چار دن تک اس عمارت میں رہنا جائز قبضہ تھا یا ناجائز؟

(۲) اگر قبضہ جائز تھا تو کیا یہ قبضہ وہی قبضہ ہے جو جائیداد موقوفہ کیلئے ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) کیا اراکین مدرسہ کا اپنی طرف سے اعلان کرنا اور جلسہ و وعظ کا منعقد کرنا (جس کے متعلق عبداللطیف کا بیان ہے کہ میری نظر سے کسی قسم کا اشتہار یا مسودہ نہیں گذرا) ان باتوں سے موقوفہ جائیداد کیلئے جس قبضہ کی ضرورت ہے وہ پایا گیا یا نہیں؟

(۴) امام ابو یوسفؒ جنکا مسلک یہ ہے کہ صرف "قول" سے وقف ہوجاتا ہے اسکی بناء پر عبداللطیف کے بیان میں کوئی ایسا لفظ ہے جس سے وقف ثابت ہوتا ہو یا نہیں؟ (عبداللطیف کا بیان اور ان کی تائید میں دلدار خان کا بیان ہمراہ استفتاء منسلک ہے).

(۵) کسی جائیداد کو کسی خاص مصرف میں وقف کرنیکی نیت سے خریدنا اور مالک نے ابھی تک اسکو وقف نہ کیا ہو، تو کیا وہ محض نیت ہی سے اس مصرف میں وقف ہوجائیگی؟

(۶) یتیم خانہ کیلئے جو وقف ہوچکا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جائیداد کے مالک کی اجازت کے بغیر قفل توڑ کر قبضہ کرنا ناجائز ہے

(۲) جب قبضہ ہی سرے سے ناجائز ہے تو اس قبضہ سے جائیداد موقوفہ کیلئے جو قبضہ ضروری ہے وہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے؟

(۳) ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ جس قبضہ کی ضرورت ہے وہ واقف کی طرف سے ہونا چاہئے.

(۴) ایسا کوئی لفظ نہیں ہے

(۵) محض نیت سے وقف نہیں ہوتا.

(۶) یتیم خانہ کیلئے وقف کرنا بالکل صحیح ہے.

واللہ اعلم

احقر- عبدالحفیظ ملیح آبادی

مدرسہ الہیات کانپور

۲۲ر محرم ۱۳۵۵ھ

www.ahlehaq.org

خلاصۂ بیان شیخ عبد اللطیف عرف ماٹھو

(۱) ماٹھو کو مدرسہ اشرف العلوم کا متولی غلط طریقہ سے بیعنامہ میں لکھوادیا
(۲) نقشہ کی قیمت مولوی عثمان صاحب نے نہیں دی۔
(۳) تعمیر ہدایت اللہ کے سپرد تھی مولوی عثمان کبھی چلے جاتے ہونگے
(۴) پھاٹک میں لوہا لگانے کا جو ذکر ہے وہ بالکل غلط ہے
(۵) فارغ التحصیل لڑکوں کا جلسہ بالکل غلط ہے میرے علم میں کوئی مسودہ اشتہار وغیرہ کا نہیں آیا اور نہ میں نے مطبوعہ اشتہار دیکھا۔
(۶) میں نے کبھی خان صاحب سے نہیں کہا کہ مولوی صاحب مدرسہ کی جدید عمارت میں تعلیم شروع کردیں مدرسہ میں منتقل ہونا بالکل غلط ہے تالا توڑ کر ایک رات ایک یا دو لڑکے رہے ہوں گے۔
(۷) میں نے کبھی کوئی بات خانصاحب سے نہیں کہی کہ لڑکے مدرسہ میں آجائیں بلکہ خانصاحب نے آکر مجھ سے کہا کہ لڑکے تکلیف میں ہیں دو کمرے دیدیجئے عمارت ابھی نامکمل تھی، میں نے اجازت دیدی۔

خلاصۂ بیان حاجی دلدار خان

مجھ سے اور عبد اللطیف سے مشورہ ہوا کہ کوئی مدرسہ کی عمارت بنوادو تاکہ تمکو اس کا ثواب ملے اس کے بعد مولوی محمد عثمان کو بلا کر کہا گیا کہ تم زمین کی کوشش کرو مولوی محمد عثمان نے زمین منتخب کی اور کوشش کرنے کے بعد ٹرسٹ نے دینے کا وعدہ کرلیا اس کے بعد عبد اللطیف نے کچھ روپیہ بطور بیعانہ کے دیا وہ محمد عثمان نے جاکر وہاں جمع کیا اور بقایا جب رجسٹری کا وقت آیا تو عبد اللطیف نے روپیہ میری معرفت دیا اور کہا کہ محمد عثمان کے نام بیعنامہ کیا جائے اس کے جواب میں میں نے کہا کہ جو روپیہ دے اس کے نام بیعنامہ ہوگا چنانچہ وہ بیعنامہ عبد اللطیف کے نام کرادیا متولی کی حیثیت سے مجھے علم ہے کہ عمارت میں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کا وعظ ہوا مجھے یاد نہیں کہ میں شریک ہوا یا نہیں؟ مگر اس کے بعد مدرسہ کا اس میں کوئی نہیں رہا کچھ عرصہ کے بعد عبد اللطیف نے مجھ سے کہا کہ اگر کچھ لڑکے وہاں آکر اللہ اللہ کریں تو مجھے فائدہ ہوگا میں نے عثمان کو بلا کر کہا کہ لڑکوں کو وہاں بھیجدو

ابھی عمارت مکمل نہیں تھی۔ دروازہ وغیرہ نہیں لگے تھے عبداللطیف نے چابی دینے میں کچھ ٹال مٹول کی تو میں نے عثمان سے کہا کہ تم تالا کھول کر داخل ہوجاؤ عثمان اور کچھ طلبہ وہاں داخل ہوگئے اس کے چار دن کے بعد عبداللطیف نے مجھے ڈاکٹر عبدالصمد کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ عثمان تالا توڑ کر داخل ہورہے ہیں اسلئے مدرسہ خالی کروادیجئے میں نے عثمان کو بلا کر کہدیا اور مدرسہ خالی ہوگیا اور مدرسہ بند کرکے چابی عبداللطیف کے پاس بھیجدی ڈاکٹر عبدالصمد نے جب یہ حالت دیکھی کہ عبداللطیف کی نیت مدرسہ کو دینے کی بالکل نہیں ہے اور محمد عثمان نے نالش دائر کردی تو اس فتنہ کو دفع کرنے کیلئے مجھ سے کہا کہ کوئی فیصلہ کیا جائے مگر مولوی عثمان صلح پر راضی نہیں ہوئے میں نے جب دیکھا کہ عبداللطیف کی نیت بدل گئی اور اسکی علالت خطرناک ہے۔ اندیشہ ہوا کہ یہ عمارت غیر لوگوں کے پاس بُرے مصرف میں لگے گی تو میں نے مشورہ دیکر یتیم خانہ کے نام وقف کرادی۔

جواب بار دوم از خانقاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقول وبہ استعین۔ ان دونوں فتووں میں جو اختلاف ہے اسکی بناء اختلاف فی السوال ہے اسلئے بیاناتِ مشمولہ میں غور کرنے کی ضرورت ہوئی تاکہ اصل واقعہ منقح ہوکر ایک فتویٰ راجح ہوجائے۔ یہ کاغذات تین بیانوں پر مشتمل ہیں۔ ایک مولوی محمد عثمان صاحب مرحوم کا جو اُن کے استفتاء کے ضمن میں درج ہے دوسرا بیان شیخ عبداللطیف عرف ماٹھو کا، تیسرا بیان حاجی دلدار خان صاحب کا یہ دونوں آخر الذکر بیان فتویٰ دوم کے ساتھ منسلک ہیں اور دوسرا استفتاء انہیں پر مبنی ہے ہر سہ بیانات میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو کچھ بھی اختلاف ہے وہ واقعات مابعد الشراء مثل رہائش طلبہ وجلسہ وغیرہ میں ہے اور خود زمین خریدنے کی نوعیت جسپر اصل مدار ہے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ کا اسمیں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ بیان ۱ میں صاف تصریح ہے کہ زمین مدرسہ کے واسطے خریدی گئی تھی نہ کہ عبداللطیف کی ذات کیلئے اور بیان ۳ میں بھی اسکو صاف طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور بیان ۲ میں بھی اس نے انکار نہیں کیا بلکہ صرف یہ جرح کی ہے

کہ "ماٹھو کو مدرسہ اشرف العلوم کا متولی غلط طریقہ سے بیعنامہ میں لکھوادیا"، اور ظاہر ہے کہ اس جرح سے اصل مدعا میں فرق نہیں آتا نیز یہ جرح بے معنی بھی ہے کیونکہ اگر وہ پیشتر سے متولی نہ تھے اور اس بیعنامہ کے وقت ان کو متولی بنادیا تو اس میں کوئی غلطی نہیں اور غالباً اس زمین کے متعلق محکمۂ متعلقہ میں خریداری کی درخواست وغیرہ کے کاغذات دیکھے جائیں تو خاص براہ راست مدرسہ کا خریدار ہونا زیادہ واضح ہوجائے اور معلوم ہی ہے کہ دراصل شرعاً بیع وشراء ابتدائی ایجاب وقبول کا نام ہے رجسٹری پر مدار نہیں اگر اس نوعیت کو دوسرے استفتاء میں ظاہر کردیا جائے تو کانپور وغیرہ سے بھی وہی جواب ملتے جو یہاں سے مولانا ظفر احمد صاحب نے تحریر فرمایا تھا مگر سائل نے دوسرے استفتاء میں یہ ظاہر کیا کہ زمین عبداللطیف کی ذات کیلئے خریدی گئی اور مدرسہ میں تعمیر کے بعد وقف کا صرف ارادہ تھا اس تغیر فی السوال کے بعد جواب مختلف ہونا ضروری تھا ——— یہ حقیقت ظاہر ہونے کے بعد صاف واضح ہوگیا کہ درحقیقت یہ مکان ابتداء ہی سے براہِ راست مدرسہ اشرف العلوم کا ہے کیونکہ شیخ عبداللطیف نے زمین کی خریداری کیلئے جو روپیہ دیا تھا وہ مدرسہ کے حق میں ھبہ تھا اس کے کچھ حصہ پر مولوی عثمان صاحب متولی مدرسہ کا قبضہ ہوا تھا اور بقیہ حصہ پر حاجی دلدار خان کا (جیسا کہ بیان ۳ میں مفصل مذکور ہے) اور گو حاجی صاحب موصوف مدرسہ کے متولی نہ تھے مگر اس کار خیر میں متولی کے مشورہ اور اجازت سے سعی بلیغ کے سبب گویا مدرسہ کے عامل تھے اسلئے ان کا قبضہ بھی حکماً متولی کا قبضہ قرار دیا جائیگا کما لا یخفیٰ ——— چونکہ اس قبضہ کے بعد ھبہ تام ہوگیا تھا اور روپیہ مدرسہ کی ملک ہوگیا تھا۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریۃ کتاب الوقف الفصل الثانی:
رجل اعطی درھماً فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد او مصالح المسجد صح لانہ ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکاً بالھبۃ للمسجد واثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح فیتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیۃ[1]

اس بناء پر یہ زمین مدرسہ کی طرف سے مدرسہ کے روپیہ سے خریدی گئی

[1] ھندیۃ ج۲ ص ۴۶۰ مطبع رشیدیہ کوئٹہ۔

اور شیخ عبداللطیف کی ملک میں یہ زمین بالکل داخل نہیں ہوئی۔ اب رہا قبضہ تعمیر مکان کا سو فقہاء نے تصریح فرمائی ہے "المتولی بناءہ وغرسہ للوقف ما لم یشھد انہ لنفسہ قبلہ (درمختار وغیرہ)" اسلئے یہ تعمیر مدرسہ ہی کیلئے ہے کیونکہ شیخ عبداللطیف حسب بیان ۱ و ۳ متولی تھا اور اس نے تعمیر سے قبل یہ ظاہر نہ کیا تھا کہ میں ذاتی مکان بنا رہا ہوں بلکہ عجب نہیں کہ تحقیق سے مدرسہ کیلئے بنانے کی تصریح کرنا بھی ثابت ہو جائے مگر اسکی ضرورت نہیں الغرض یہ زمین اور مکان ابتداء ہی سے مدرسہ اشرف العلوم کا ہے شیخ عبداللطیف کو اس سے ملکیت کا تعلق کبھی نہیں ہوا اس لئے اسکی طرف سے وقف کی تصریح اور قبضہ دلانے کی تحقیق کی حاجت نہیں۔

اور جب شیخ صاحب اس کے مالک نہ تھے تو یتیم خانہ کیلئے اس کے وقف کرنیکا بطلان یعنی صحیح نہ ہونا ظاہر ہے محتاجِ دلیل نہیں۔ اور انتقال مصرف وغیرہ کے باب میں اوقاف مدرسہ اور املاک مدرسہ کا ایک ہی حکم ہے اس واسطے اگر اس زمین و مکان کا وقف ہونا فرضاً ثابت بھی نہ ہو تب بھی حکم مذکور نہ بدلیگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

احقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۶ رصفر سنہ ۱۳۵۵ھ

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ زمین مدرسہ اشرف العلوم کیلئے وقف ہو تب بھی، اور اگر مدرسہ کیلئے وقف نہ ہو مگر مدرسہ کی ملک ہو تب بھی یہ حکم مشترک ہے کہ یہ زمین کسی حال میں شیخ عبداللطیف کی ملک نہیں اس لئے ان کو دوسری جگہ اس کے دینے کا کچھ حق نہیں ہر حال میں مدرسہ ہی کا ہے۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ
۶ رصفر سنہ ۱۳۵۵ھ

احکام المساجد والمدارس

مسجد کی آمدنی سے غسالۂ میت کو اجرت دینا جائز یا نہیں؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین صورتِ ذیل میں کہ شملہ کی آبادی کا کچھ حصہ تو گنجان آباد ہے اور باقی حصہ دور دراز تک غیر گنجان آباد ہے اور شملہ کے باشندے مستقل طور پر شملہ کے متوطن کم ہیں زیادہ تر ملازمت وغیرہ کی وجہ سے مقیم رہتے ہیں خاص کر کے موسم گرما میں زیادہ اجتماع ہوجاتا ہے ان صورتوں میں اگر کسی کے یہاں میت ہوجاتی ہے تو کنبہ و برادری نہ ہونے اور غیر گنجان ہونیکی وجہ سے بہت دقت ہوتی ہے کوئی عورت مرجاتی ہے تو غسالہ میسر نہیں آتی، اور اگر لاوارث ہوتی ہے تو اسکو مسجد میں لاکر رکھ دیتے ہیں اسلئے کہ مساجد گنجان آبادی کے وسط میں ہیں، شملہ کے باشندوں کا خیال ہے کہ شملہ کی تین چار مساجد جو صاحب جائیداد ہیں ایک غسالہ کو بھی نوکر رکھ لیں اور مساجد کے متولی مشترکہ طور پر مساجد کی جائیداد سے غسالہ کو تنخواہ دیا کریں وہ غسالہ لاوارث عورت کو غسل دینا اپنی ملازمت سمجھے مساجد کے اوقاف کسی خاص شرط کے ساتھ وقف نہیں ہیں بلکہ چندہ وغیرہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جسطرح امام و مؤذن و بہشتی وغیرہ کو ہر مسجد فرداً فرداً تنخواہ دیتی ہے تو غسالہ کو مشترکہ طور پر مساجد کی جانب سے نوکر رکھنا اور اسکو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

عبداللطیف خان منتظم جامع مسجد
شملہ لوئر بازار

الجواب

مساجد کی آمدنی سے غسالہ کو نوکر رکھنا اور تنخواہ دینا جائز نہیں اس کیلئے مستقل چندہ کرنا چاہئے۔

قال فی الخلاصة: وهل يشترى المتولى الجنازه؟ قال: لا، وان كان الواقف ذكر فى الوقف ان القيم يشترى جنازة وان

اشتری ضمن لان الجنازة لیست من مصالح المسجد اھ (ص ۴۲۲ ج ۴)

قلت: والتعلیل یعم الغسالة ایضاً۔ عہ

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۶ر جمادی الاولیٰ سنہ ۴۰ھ

ہندو کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم

سوال:۔ بحوالہ نصوص یہ تحریر فرمایا جائے کہ اگر کوئی ھندو مسجد بنوادے تو مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ عمارت نماز کیلئے مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟

السائل۔ محمد کفایت اللہ۔ مکان ۲ محلہ مہمند ھدف شاھجہانپور

الجواب:۔ فی کتاب احکام الاوقاف للفقیہ العلامۃ الامام ابی بکر الخصاف رح قلت: ـــــ فما تقول فی الذی یجعل داراً لہ مسجداً للمسلمین و بناہ کما تبنی المساجد و اشھد علیہ و اخرجہ عن ملکہ و اذن للناس ان یصلوا فیہ قال: ھذا عندنا قربۃ الی اللہ عزوجل یتقرب بہ المسلمون فاما اھل الذمۃ فلیس ھذا قربۃ عندھم الا ترٰی انہ لو اوصیٰ ان تبنی دارہ مسجدا بعد موتہ ان ذالک لا یجوز وکذالک لو اوصیٰ الذمی ان یحج عنہ بالف درھم کان ھذا باطلاً لا یجوز من قبل ان ھذا لیس مما یتقرب بہ اھل الذمۃ الی اللہ تعالیٰ ـــــ قلت: فما تقول ان اوصیٰ الذمی ان تبنی دارہ مسجدًا لقوم باعیانھم او لاھل محلۃ لاعیانھم قال: استحسن ان اجیز ھذا من قبل ان ھذا وصیۃ لقوم باعیانھم (ص ۳۳۶ و ۳۳۷)

وفیہ ایضاً: قلت: ارایت النصرانی اذا وقف ارضاً لہ او داراً لہ وجعل غلتھا تنفق فی مرمۃ بیت المقدس و فی ثمن زیت لمصابیحہ و فیما یحتاج الیہ قال ھذا جائز من قبل ان ھذا قربۃ عند المسلمین وعندھم۔ قلت: وکذالک الیھود قال: ھم فی ذالک بمنزلۃ

عہ کذا فی الھندیۃ: ج ۲ ص ۴۶۳:

النصاریٰ قلت فما تقول فی المجوس هل یکونون فی ذالك بمنزلة النصاریٰ والیهود قال: لا احسب ان المجوس یتقربون بذالك ولا یرونه قربة والجمله فی هذا ان کل ما کان قربة عند اهل دین من الادیان وهو عند المسلمین قربة ان ذالك جائز نافذ علی ما حده الواقف وشرطه (ص ۳۴۱ و ۳۴۲)

وفیه ایضاً:- (ص ۳۳۷) قال ما کان عند المسلمین قربة الی الله تعالیٰ وما کان عند اهل الذمة قربة فاجتمع فی ذالك الامر ان من المسلمین ومنهم انفذتُه وامضیتُه وما کان عند اهل الذمة قربة ولیس هو قربة عند المسلمین لم یجز وکذالك ما کان عند المسلمین قربة ولم یکن عند اهل الذمة قربة لم یجز ذالك الا ما ذکرنا مما خص به قوماً باعیانهم اهـ

وفی عالمگیریة: حربی دخل دار الاسلام بامان ووقف جاز من ذالك ما یجوز من الذمی اهـ (ص ۱۹۹ ج ۳)

حسبِ تصریحاتِ فقہاء جو مسجد کہ ہندو نے بنوادی ہے اس کا حکم مسجد کا نہیں پس اگر زمین وعمارت دونوں اسی ہندو کے ملک ہوں تب تو اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملیگا گو نماز صحیح ہے اور اگر زمین مسلمانوں کی ہو جسکو انہوں نے مسجد کیلئے وقف کردیا ہو اور صرف عمارت ہندو نے بنوادی ہو اس صورت میں وہ عمارت تو مسجد کا حکم نہیں رکھتی لیکن زمین کیلئے مسجد کا حکم دیا جائیگا لھذا اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بھی ملیگا لیکن مسجد کے ساتھ ملکِ کافر کا تعلق پھر بھی رہیگا پس اس کے مسجد بنانیکے (صورتِ اولیٰ میں) اور مسجد کامل بنانیکے لئے (صورتِ ثانیہ) اس ہندو سے یہ کہنا چاہئے کہ وہ یہ عمارت وزمین (بصورت اول) یا صرف عمارت (بصورتِ ثانیہ) کسی ایک غریب مسلمان کو یا بہت سے غریب مسلمانوں کو ھبہ کردے اور وہ قبول کرکے اور قبضہ کرکے اُسے وقف کردیں اسطرح وہ شرعاً مسجد ہوجائیگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

غرۃ شوال ۴۰ھ

(نوٹ) یہ جواب اس بناء پر تھا کہ ہمارے علم میں یہ بات تھی کہ ہندوؤں کے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کچھ ثواب کا کام نہیں مگر اس کے بعد احتیاطاً سائل سے یہ پوچھا گیا کہ وہ ہندوؤں کے مذہب کی تحقیق کر کے بتلائے کہ ان کے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کسی درجہ میں ثواب ہے یا نہیں؟ سائل نے حسب ذیل جواب دیا

احقر نے پانچ ہندو پنڈتوں سے دریافت کیا سب نے یہی کہا کہ ہمارے مذہب میں بھی مسجد کا بنانا اور اسکی خدمت وتعظیم کرنا ثواب کا کام ہے منجملہ ان کے ایک پنڈت سے تحریری جواب بھی حاصل کیا ہے ملاحظہ فرما کر اصل سوال کے جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

محمد کفایت اللہ۔ از شاہجہان پور محلہ مہمند ھدف

سوال از پنڈت صاحبان

آپکے مذہب میں مسجد بنانا یا اسکی خدمت کرنا کسی درجہ میں ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ اگر آپ کے مذہب میں خاص مسجد کا نام لیکر کچھ ثواب نہ بتلایا ہو تو کیا کوئی ایسا قاعدہ کلیہ بھی ہے جس کے تحت میں مسجد کا بنانا اور اسکی خدمت کرنا ثواب کا کام ہو جائے مثلاً کسی کتاب میں بھی یہی لکھا ہو کہ جس جگہ پرمیشور (خدا) کا نام لیا جاتا ہو اور اسکی عبادت کی جاتی ہو وہ جگہ متبرک ومعظم ہو جاتی ہے اس کا ادب کرنا چاہئے بحوالہ کتاب جواب تحریر کیا جائے۔ فقط

محمد کفایت اللہ از شاہجہان پور محلہ مہمند ہدف

چونکہ بروقت لکھے جانے ہندو پھرم متاثرموں کے اور بموجودگی مہارشیوں کے سوائے ھندو مذھب کے دیگر مذھبوں کا نام ونشان نہ تھا اسی لئے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں مسجد وگرجا کے نام سے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا لیکن بقول گوشافی تلسمی داس ایشور خدا ہر موقع پر کسی نہ کسی صورت میں حاضر وناظر ہے لہذا ہر مذھب ودین کا ایک دوسرے کے عبادت گاہ کو مدد پہونچانا لازمی امر ہے اور ثواب کا کام ہے۔

ترویدی سہائے سنگھٹا پاٹ شالہ سنسکرت پک ادھیا۔ شاہجہانپور چنگی

بعد کا جواب

پس اس تحقیق کی بناء پر اب جواب یہ ہے کہ جو مسجد ہندو نے بنوادی ہے اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی ہے اور اسکو مسلمانوں کیلئے وقف کردیا ہے اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب بھی ملیگا اور اس کے لئے مسجد کے احکام ثابت ہونگے.

واللہ تعالےٰ اعلم

۲۷ رشوال سنہ ۴۰ھ

مسجد کی دوکانیں ہندوؤں کو کرایہ پر دینا۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے اور اس کے صحن کے نیچے چند دوکانیں ہیں اور اس کے علاوہ مکانات جسکو بانیٔ مسجد نے وقف کرکے وقف نامہ تحریر کردیا ہے متولیٔ حال نے مسجد کی دوکانوں کا ٹھیکہ اور ان مکانوں کا ٹھیکہ دس سال کا ایک ہندو کو دیدیا ہے اور اس سے قرض لیا ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ بحوالۂ عبارت کتاب تحریر فرمایا جائے۔

السائل: عبدالغنی جوتہ فروش محلہ شاہ گنج شہر الہ آباد

الجواب

واذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کانا وقفا علیہ صار مسجداً اھ (رد المحتار)

وفیہ ایضًا: بقی لو جعل الواقف تحتہ بیتاً للخلاء ھل یجوز کما فی مسجد محلۃ الشحم فی دمشق لم اره مصرحاً نعم سیأتی فی کتاب الوقف انہ لو جعل تحتہ۔ سرداباً لمصالہ جاز اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد کی دوکانیں آمدنی مسجد کیلئے بنائی جائیں تو جائز ہے اور ان کو کرایہ پر دینا بھی جائز ہے خواہ کسی مسلمان کو دی جائیں یا کافر کو، لیکن فقہاء نے عمارات وقف کو مدت دراز کیلئے ایک شخص کو کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے اور لکھا ہے کہ تین سال سے زائد کیلئے کسی عمارت

وقف کو کرایہ پر نہ دیا جائے کیونکہ زیادہ مدت کیلئے کرایہ پر دینے میں ضیاع وقف کا اندیشہ ہے لھذا متولی مسجد کا دس سال کیلئے دو کانوں کا ٹھیکہ پر دینا کراھت سے خالی نہیں، یہ تو اس وقت ہے جبکہ متولی نے مسجد کیلئے قرض لیا ہو اور اس وجہ سے دو کانیں دس سال کے واسطے ٹھیکہ پر دی ہوں اور اگر اس نے اپنے ذاتی کاموں کیلئے ہندو سے قرض لیا اور اس خوشامد میں مسجد کی دو کانیں اسکو ٹھیکہ پر دیدیں تو یہ بالکل حرام ہے اس حالت میں متولی وقف میں خائن ہے کہ اپنی ضرورتوں کے لئے وقف کو استعمال کرتا ہے۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۸ر شوال سنہ ۱۳۴۰ھ

مسجد کی دو کانوں کی کڑیاں مسجد کی دیوار پر رکھنا جائز نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ پس پشت مسجد دو منزلہ واقع مظفر نگر بازار نواب گنج میں تین دو کانات متعلقہ مسجد ٹین پوش ہیں انکو واسطے اضافۂ آمدنی مسجد کے پختہ بنانا اور کڑیاں ڈالنا منظور ہے وہ کڑیاں دیوار بجنب مسجد میں نصب ہونگی بروئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

سائل۔ نصیر الدین۔ ساکن مظفر نگر

الجواب

مسجد کی دیوار پر دو کانوں کی کڑیاں ڈالنا جائز نہیں اگرچہ وہ دو کانیں مسجد ہی پر وقف ہوں، مسجد کی دیوار کی پشت پر دوسری دیوار اٹھا کر اس پر کڑیاں ڈال سکتے ہیں۔

قال فی الدر: ولو بنی فوقه بیتاً للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع، ولو قال: عنیت ذالك لم یصدق، تاتارخانیة، فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد اهـ قال العلامة الشامیؒ تحت قوله، ولو علی جدار المسجد مع انه لم یأخذ من هؤلاء المسجد شیئاً اهـ - ونقل فی البحر قبله ولا یوضع الجذع علی

جدار المسجد وان کان من اوقافه اھ (ص ۵۷۳ ج ۳)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۱، محرم ۱۳۴۱ھ

مسجد کی زمین میں کھودے ہوئے کنویں کو بند کرکے دوسرے کنویں کی تعمیر کا حکم

سوال:- ایک شخص نے کسی دوسرے قریہ کی ایک مسجد کے نزدیک زمینِ موقوفہ مسجد میں مسجد والوں کی اجازت سے ایک کنواں بصرف خود کھودوادیا تھا اب باقتضائے مصلحت صحن بڑھانے کی ضرورت ہوئی جس سے وہ کنواں بیچ میں واقع ہوتا ہے اور صف میں خلل واقع ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اگر اسکو پاٹ کر دوسری جگہ مسجد والے دوسرا کنواں کھودیں تو اول شخص کا صدقہ جاریہ موقوف ہوگا یا نہیں اور وہ ثواب سے محروم ہوگا یا نہیں؟ میں نے جواب موقوف ہوگا کہا ہے مگر وہ حضور کی رائے کا خواستگار ہے جو ارشاد ہو۔ خدائے تعالیٰ حضرت کو قائم رکھے۔ بندہ بخیریت اور خدام والا کی خیریت کا خواستگار ہے زیادہ حد ادب۔

محمد اسحاق عفی عنہ۔ ڈھاکہ پانچ بھائی گھاٹ لائن ۲۹

۴- صفر ۔۔۔۔

الجواب

قدیم کنویں کو پاٹ دینا جائز نہیں کیونکہ ابطال منفعت وقف ہے اور دوسرے کنویں کے بنانے میں مسجد کا ضرر ہے کہ رقم فضول لگے گی اور کنویں کا فرش کے بیچ میں واقع ہونا کچھ مضر نہیں اس فصل کو گوارا کیا جائیگا شرعاً اسکی اجازت ہے۔ واللہ اعلم۔ کذا قال حضرت العلامۃ مولانا حکیم الامۃ فاضت انہارہ فیوضھم ——— حررہ خویدکم الضعیف ظفر احمد عفا اللہ عنہ وکرمہ وھو یھدی الی جنابکم تحائف تحیات یخجل عبیدھا روائح الجنان ویزری سناھا بقلائد ویدعوا اللہ بطول بقائکم وبستاق بصمم فوادہ

الی لقائکم۔ والسلام علیکم وعلی جمیع من لدیکم۔

مسجد کے قدیمی دروازہ کو ہندو بند نہیں کر سکتا

سوال :- ۷۸۶

ہاترس محلہ گولی گنج

جناب قبلہ وکعبہ فیض بابرکات عالی جناب حکیم الامت حضرت مولانا صاحب مدظلہ

گذارش یہ ہے کہ چند اشخاص ایک ہندو کے زیر اثر اور ملازم بھی ہیں، انکی رائے یہ ہے کہ دروازہ قدیمی مسجد کا بند ہو جائے اور غسل خانہ وحجرہ توڑ کر راستہ لے لیا جائے۔

(۲) نیز چند اشخاص جو کہ غریب ہیں اور وہ حسب دلخواہ تو یہ چاہتے ہیں کہ قدیمی راستہ قائم رہے دروازہ صدر ہی قائم رہے لیکن تحریک میں اظہار نہیں کرتے خاموش ہیں علاوہ ازیں چند اشخاص اس امر پر بہت زور دیتے ہیں کہ راستہ صدر دروازہ مسجد ایک ہندو کے واسطے بند نہ کیا جائے اور دروازہ صدر ہی قائم رہے خواہ راستہ کی جانب سے مل جائے، پس جملہ صاحبوں کی دست بستہ التجا ہے کہ حکم شرعی بہت جلد مرحمت فرما دیں۔ فقط جملہ مسلمانان ہاترس

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں یعنی نقشہ مندرجہ صدر میں سرائے تھی اور سرائے کے اندر ایک مسجد قائم ہے اس سرائے کو یا استثناء مسجد تمام وکمال زید ہندو نے بکر ہندو سے خرید لیا اور مسجد کی ہر چہار جانب جدید عمارت بناتا ہے اور راستہ قدیمی شرقی جو جانب سڑک پختہ واقع ہے اور اب موجود ہے اس کو بالکل بند کرتا ہے بلکہ صدر دروازہ قدیمی مسجد کا بند کرتا ہے اور اُتّر کی طرف سے حجرہ وغسل خانہ قدیمی مسجد کو توڑ کر دروازہ اور راستہ جدید دیتا ہے اسمیں علماء دین شرعاً کیا حکم فرماتے ہیں۔

سوال دیگر :- جو صدر دروازہ مسجد کا پورب کی جانب قدیمی ہے وہ دروازہ قائم رہے اور گھما کر اُتّر کی جانب کو موڑ سے راستہ دیا جائے اور غسل خانہ وحجرہ قائم رہے تو کہاں تک حکم شرعی نافذ ہے فقط

جملہ مسلمانان ہاترس

الجواب

اس ہندو کو دروازہ قدیمی مسجد کے بند کرنیکا کسی طرح کوئی حق نہیں نہ پہلی صورت سے نہ دوسری صورت سے مسلمانوں کو اس سے مزاحمت کا حق حاصل ہے، البتہ اگر مسجد کی کوئی مصلحت ہو اور اہل محلہ سب مسلمان اس پر راضی ہوں کہ مسجد کی مصلحت سے قدیم دروازہ کو بند کر کے نیا کھولا جائے تو حسب مصلحت مسجد کے دروازہ کا بدلنا جائز ہے باقی مسلمان اہل محلہ کے سوا کوئی دوسرا مسلمان بھی دروازہ قدیم کے بند کرنیکا حق نہیں رکھتا۔ ہندو کو تو کیا حق ہوتا ہے۔

قال فی الدر: اراد اهل المحلة نقض المسجد وبناءه احكموا من الاول ان الباني من اهل المحلة لهم ذالك والا لا (بزازية)

وفی رد المحتار: ولاهل المحلة تحويل باب المسجد اهـ (ص ۵۷۲ ج ۳)

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۶ رصفر ۴۱ھ

ویران مسجد کی جگہ کو مدرسہ میں شامل کرنا جائز نہیں

سوال ۴۔ بسبب تنگی مکان مسجد سابق چھوڑ کر دوسری جگہ مسجد تعمیر کی گئی، اب یہ مسجد سابق کی جگہ تصرفِ مدرسہ وغیرہ میں لانا جائز ہے یا نہیں، یا کیا کرنا لازم ہے؟

المستفتی، محمد خان میاں صاحب

الجواب

جائز نہیں، کچھ آدمی نماز و اذان سے اسکو بھی آباد رکھیں۔

وفی البحر الرائق: قال محمدؒ: اذا خرب المسجد وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه فانه يعود الى ملك الواقف وقال ابو يوسفؒ: هو مسجد ابداً الى قيام الساعة لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيها اولا وعليه الفتوىٰ، كذا فی الحاوی القدسی اهـ من فتاوی العلامة عبد الحی (ص ۳۳۰ ج ۱)

وفيه ايضاً: قال الشرنبلالی "فی سعادة الساجد بعمارة المساجد"،

فی یتیمة الدهر سئل علی بن احمد عن مسجد خرب ومات اهله و محلة اخریٰ فیها مسجد هل لاهلها ان یصرفوا وجه المسجد الخراب الی هذا المسجد قال: لا انتهیٰ، واذا علمت هذا فما ذکر فی الدر و فتاویٰ قاضی من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیه الفتویٰ کما هو فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانة المفتین۔ ومشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتیٰ به من عدم نقل بناء المسجد اه۔ قال العلامة عبد الحی بانغریبه وقد صرح العلامة المختار بن الزاهد فی المجتبیٰ بان فتویٰ اکثر مشائخ الاحناف علی عدم جواز نقل المسجد

واللہ اعلم (ص ۲۳۰ ج ۱)

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ر جمادی الثانیہ ۴۱ھ

ویران مسجد کی اشیاء مدرسہ میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

سوال:۔ سابق مسجد کا ٹین، ستون وغیرہ جو اب بیکار ہے بیچ کر یا بعینہٖ وہ چیزیں کسی مدرسہ میں یا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

نہیں، بلکہ اسی مسجد کی تعمیر درست کرنی چاہئے اور اسکی چیزیں اسی میں لگانی چاہئے۔

فی البحر الرائق: قال محمد اذا خرب المسجد ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه فانه یعود الی ملک الواقف وقال ابو یوسفؒ: هو مسجد ابداً الیٰ قیام الساعة لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الیٰ مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیها او لا وعلیه الفتویٰ کذا فی الحاوی القدسی اه من فتاوی العلامة عبد الحی (۲۳۰-ج۱)

وفیه ایضاً: قال الشرنبلالی فی "سعادة الساجد بعمارة المساجد"

فی یتیمۃ الدھر سئل علی بن احمد عن مسجد خرب و مات اھلہ ومحلۃ اُخریٰ فیھا مسجد ھل لاھلھا ان یصرفوا وجہ المسجد الخراب الیٰ ھذا المسجد قال: لا انتھیٰ واذا علمت ھذا فما ذکر فی الدر و فتاویٰ قاضی خان من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیہ الفتویٰ کما ھو فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانۃ المفتین وقد مشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتیٰ بہ من عدم نقل بناء المسجد اھ ـــــ قال العلامۃ عبد الحی بانقریبہ وقد صرح العلامۃ المختار بن الزاھد فی المجتبیٰ بان فتویٰ اکثر مشائخ الاحناف علی عدم جواز نقل المسجد۔

واللہ اعلم (ص ۲۳۰-ج-۱)

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ر جمادی الثانیۃ ۴۱ھ

مسجد کی چیزیں مسجد سے باہر لیجاکر استعمال کرنا حرام ہے

سوال:۔ مسجد کا بچھونا باہر لیجاکر مجلس مہمانی یا قرآنی، یا میلاد خوانی میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد کی چیزیں مسجد سے باہر لیجاکر استعمال کرنا حرام ہے

قال فی الخلاصۃ: لان البواری لیست من المسجد حقیقۃ لکن لھا حکم المسجد ـــــ وقال ایضاً: ولا یحمل الرجل سراج المسجد الیٰ بیتہ ویحمل من بیتہ الی المسجد اھ (ص ۲۲۹ ج ۱) لہ

قلت: وقدمر فی قول ابی یوسفؒ انہ لا یجوز نقل المسجد ونقل مالہ الی مسجد آخر فالیٰ غیر المسجد بطریق الاولیٰ،

واللہ اعلم

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ر جمادی الثانیۃ ۴۱ھ

لہ کذا فی فتاویٰ الھندیۃ ج ۲ ص ۴۶۲۔

مسجد کے چراغ کیلئے دی جانے والی رقم دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کی جا سکتی

سوال :۔ بہ نیت چراغ مسجد میں پیسہ دیتے ہیں۔ اس پیسہ سے دوسرا کام جیسے بچھونا، ستون خریدنا یا مؤذن و امام کا مشاہرہ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

جب پیسہ دینے والا چراغ مسجد کا نام لیتا ہے تو دوسرے مصرف میں اس رقم کو صرف کرنا جائز نہیں، اگر چراغ کیلئے ضرورت کم ہو اور دوسرے کام کیلئے رقم کی ضرورت ہو تو پیسہ دینے والے سے بصراحت اجازت لینی چاہیئے کہ اگر تیل کی ضرورت نہ ہو تو ہم اس رقم کو دوسرے مصارف مسجد میں صرف کر دیں یا نہیں ؟ اگر وہ اجازت دے دے تو پھر اس رقم کو صرف کرنا جائز ہو جائیگا۔

و فی الخلاصة : رجل قال : جعلت حجرتی لدهن سراج المسجد ولمؤذن علی هذا صارت الحجرة وقفاً علی المسجد اذا سلمها الی المتولی ولیس للمتولی ان یصرف غلتها الی غیر الدهن اھ (ص ۴۴۲ ج ۴)

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲ر جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ

منہدم مسجد کے اسباب کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مسجد خام بنوایا تھا مگر فی الحال منہدم ہونے لگی تو زید نے اس مقام پر مسجد خام توڑوا کر مسجد پختہ کی بنیاد ڈالی مسجد پختہ تعمیر کرانا چاہتا ہے اور جو سامان پختہ مسجد میں لگانے کے قابل نہیں ہے جیسے لکڑی، کپڑا وغیرہ، اب سامان مسجد خام فروخت کر کے مسجد پختہ میں لگانا درست ہے یا نہیں ؟ یا بانی مسجد غیر سے قیمت زائد دیکر لے سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہ فروخت کیا گیا تو سامان مسجد خام بہر کیف ضائع و ہلاک ہو جائیگا۔

عبد العزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ لہوا

بسم اللہ خان ضلع بستی ڈاکخانہ بھنڈریا بازار

الجواب

اگر دوسری مسجد پختہ اسی جگہ اور اسی مقام پر بنائی جا رہی ہے جہاں مسجد خام

واقع تھی تو اس صورت میں مسجد خام کا فاضل اسباب بیچکر مسجد پختہ کی مرمت میں صرف کرنا جائز ہے اور اگر پختہ مسجد اسی مقام پر نہیں بنائی گئی تو مسجد خام کا اسباب بعینہٖ یا بعد فروخت کے اسکی قیمت کا پختہ مسجد میں لگانا درست نہیں بلکہ مسجد خام کو درست کر دینا لازم ہے۔

قال العلامة عبد الحیؒ فی فتاواہ، فی السراج المنیر: ولا یحل ان یهدم المسجد لیبنیه احکموا الا ان یخاف ان ینهدم فیجوز لاهل هذه المحلة لا لغیرهم اذا بذا من مال انفسهم لا من مال الوقف الا بامر القاضی اھ (ص ۲۰۳ ج ۱)

وفیه ایضاً: در بحر الرائق است: قال محمد: اذا خرب المسجد ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه فانه یعود الی ملك الواقف وقال ابو یوسفؒ: هو مسجد ابداً الی قیام الساعة لا یعود میراثا ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیها اولا وعلیه الفتوی کذا فی الحاوی القدسی اھ ونقل العلامة عبد الحیؒ عن "سعادة الساجد لعمارة المساجد" للشرنبلالی ما نصه واذا علمت هذا فما فی الدرر وفتاوی قاضی خان من جواز نقل المسجد اذا خرب خلاف ما علیه الفتوی کما هو المذکور فی الحاوی وخلاف الصحیح المذکور فی خزانة المفتین وقد مشی الشیخ الامام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتی به من عدم نقل بناء المسجد اھ (ص ۲۳۰ ج ۱)

وفی المجتبی: واکثر المشائخ علی قول ابی یوسفؒ ورجح فی فتح القدیر قول ابی یوسفؒ اھ فتاوی مذکور (ص ۴۲۹ ج ۴) عفه

وفی الخلاصة: لو علق قندیلاً (و بسط حصیراً وبواری فی المسجد ثم خرب المسجد واستغنی عنه عادت هذه الاشیاء الی ملك صاحبه. والصحیح من مذهب ابی یوسفؒ انه لا تعود الی ملك متخذها بل یتحول الی مسجد آخر او یبیعها قیم المسجد لاجل المسجد اھ (ص ۴۲۴ ج ۴)

عفه هکذا فی الشامیة ج ۴ ص ۳۶۰ - افتخار

قلت : وهذا یؤذن بالفرق بین بناء المسجد حیث لا یحول و بین القنادیل والحصیر حیث یجوز تحویلها عند ابی یوسفؒ ایضاً۔

واللہ اعلم

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

اس مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم جسکی عمارت دریا کی طغیانی کی وجہ سے باقی نہ رہتی ہو۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین بجواب اینکہ ایک مسلمان وصیت کر کے مراکہ میری فلاں زمین میں سے اسقدر اراضی واگذار کرا کے وہاں مسجد بنادی جائے اس کے مرنے کے بعد اسکے حسب ارادہ زمین حاصل کر کے گاؤں کے مسلمانوں نے وہاں ایک چبوترہ بنا دیا جو مسجد کے نام سے مشہور ہوگیا اور کچھ مدت لوگ وہاں نماز بھی پڑھتے رہے چونکہ وہ زمین جوئے آب کے کنارہ پر تھی جو موسم برسات میں طغیانی کیا کرتی ہے چنانچہ طغیانی آنے سے وہ چبوترہ آب برد ہوگیا مسلمانوں نے وہاں پختہ مسجد بنانا چاہا مگر پانی کے خطرات سے بنا نہ سکے، شخص فوت شدہ کے وارثوں نے مشورہ کیا اور اسی زمین کے عوض اتنی ہی زمین اور جگہ دینی چاہی ہے اور سابقہ زمین کو اپنے تصرف میں لینا چاہا جس پر وہ کاشت کرینگے یا مویشی باندھینگے اور دوسری جگہ مسجد بنوادی جائیگی تو کیا عند الشرع نام بردہ وصیت شدہ زمین کو غیر مسجد تصرف میں لانا اور اس کے عوض دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اگر مسجد سابقہ زمین پر تعمیر کی جائے تو پانی کی وجہ سے اس کا نقصان یقینی ہے، پانی کی روک تھام بھی ہوسکتی ہے مگر صرف کثیر سے ہوسکتا ہے جس کا متحمل کوئی نہیں۔

الجواب :۔ ایسی صورت میں مسجد اول کا سامان منتقل کر کے دوسری مسجد میں لگا دینا جائز ہے اور زمین کا مبادلہ بھی جائز ہے۔ وھذا فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ واما عند ابی یوسفؒ فلا ، واللہ اعلم۔

کسی شخص نے اپنے گھر کے دروازہ پر مسجد بنائی اب اس کو توڑ کر دوسری جگہ مسجد بنانا چاہتا ہے۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ، اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنے گھر کے دروازہ پر ایک مسجد

بنائی تھی اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا اس مسجد کو نئے سرے سے مضبوط کر کے بنوا کے وفات پایا اب اس کے لڑکے بوجہ متصل ہونے مسجد کے ان گھروں سے جو انکے زنانے بود و باش کرتے ہیں دوسری ایک مسجد قریب سو ہاتھ کے فاصلہ پر چندہ کر کے بنوائیں اور قدیم مسجد کے گھر کو توڑ کر بیچ ڈالیں اور نئی مسجد میں نماز پڑھنے شروع کر دئے اب عرض یہ ہے کہ قدیم مسجد کو چھوڑ کر نماز نئی مسجد میں درست ہے یا نہیں؟ اور قدیم مسجد کی بناء کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر جائز ہونیکے اس کے ثمن کو کیا کیا جائیگا مع حوالہ کتب جواب رقم فرمائیں

محمد عبد الغنی مدرس صوفیہ نوریہ پوسٹ بہرزار ہاٹ
ضلع چاٹگام

الجواب

یہاں یہ امر قابل دریافت ہے کہ اس مسجد کا دروازہ شارع عام پر ہے خواہ کوچہ ہی ہو یا یہ مسجد بانی کے مکان کے احاطہ میں ہے اور اس کا دروازہ احاطہ مکان کے اندر ہے؟

اب جواب ملاحظہ فرمائیے۔ اگر اس کا دروازہ اس طرح پر ہے کہ بانی کے مکان کا دروازہ بند ہونیسے مسجد کا دروازہ اس کے اندر نہ آتا ہو بلکہ دروازہ ایسے رُخ پر ہے جس سے بعد بند ہونے دروازہ مکان بانی کے بھی لوگ مسجد میں بے تکلف آسکتے ہیں یعنی دروازہ شارع عام یا کوچہ کی طرف کھلا ہوا ہے یا دروازہ احاطہ مکان بانی کے اندر ہی ہے لیکن بانی اور اسکے اہل و عیال کی ایک جماعت معتد بہا ہے جو دروازہ بند کرنیکے بعد بھی اسمیں جماعت وغیرہ کر سکتے ہیں تو اس صورت میں اس جگہ کو باعوض یا بلا عوض کسی کا اپنے تصرف میں لانا اور اسکی اشیاء کو بعوض یا بلا عوض اپنے کام میں لانا، ناجائز ہے اور ایسا شخص گہنگار ہے اگر مسجد کو توڑ دیا گیا ہے تب بھی اس جگہ کو معمولی احاطہ سے محاط کر کے چھوڑ دیا جائے اسے کوئی اپنے تصرف میں نہ لائے اور جو چیزیں مسجد کی فروخت کی ہیں انکی قیمت کو اسی مسجد قدیم کی مرمت میں صرف کیا جاتے اور اگر مسجد کا دروازہ بانی کے دروازہ مکان کے بند کرنے سے بند ہو جاتا ہے اور اندر کوئی جماعت مسجد میں جماعت کرنے والی بھی نہیں تو یہ مسجد نہیں، اسکے متعلق پوری کیفیت لکھکر دوبارہ سوال کیا جائے۔

دار فیہا مسجد ان کانت الدار اذا غلقت کان للمسجد جماعۃ ممن کان فی الدار فھو مسجد جماعۃ تثبت فیہا احکام المسجد من حرمۃ البیع وحرمۃ الدخول للجنب اذا کانوا لا یمنعون الناس من الصلوٰۃ فیہ وان کانت الدار اذا غلقت لم یکن فیہا جماعۃ واذا فتح بابہا کان لہا جماعۃ فلیس ھذا مسجدا وان کانوا لا یمنعون الناس من الصلوۃ فیہ کذا فی قاضی خان عن العالمگیریۃ (ص ۷۰ ج ۱)

وفی الخلاصہ فی فتاوی النسفی: بیع عقار المسجد لمصلحۃ المسجد لا یجوز وان کان بامر القاضی وان کان خراباً فاما بیع النقص فیصح اھ (ص ۴۲۵ ج ۴) واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۲۱ رشوال سنہ ۱۳۴۱ھ

ضرورت کے وقت وقفِ مسجد کی بیع کا حکم۔

سوال: ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا چہارم حصہ متعلق مسجد وقف ہے اور بھی دیگر مکانات اس مسجد کے متعلق وقف ہیں جو مرمت طلب ہیں اگر چہارم حصہ موقوفہ فروخت کر کے متولی مسجد اسکی قیمت سے بقیہ مکانات متعلقہ مسجد کی مرمت کرادے جس سے آئندہ مسجد کا نفع زیادہ ہونیکی امید ہے تو شرعاً اس میں کوئی ممانعت یا حرج تو نہیں ہے مفصل بروئے شرع شریف جو حکم ہو اس سے اطلاع فرمائی جائے۔ بینوا توجروا

راقم، مہدی حسن نائب ناظر کچہری کلکٹری اٹاوہ

الجواب

اگر اس چہارم حصہ کی آمدنی معقول نہ ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ کسی وقت میں زیادہ حصہ والے مسجد کے چہارم حصہ کو شاید دبالیں گے تو اس صورت میں اسکو فروخت کر کے بقیہ مکانات سالمہ من شرکۃ الغیر کی مرمت میں اس رقم کا لگا دینا جائز ہے۔

وفی فتاوی النسفی: بیع عقار المسجد لمصلحۃ المسجد لا یجوز وان کان بامر القاضی وان کان خراباً فاما بیع النقص فیصح ونقل عن شمس الائمۃ الحلوانی رح انہ یجوز للقاضی والمتولی ان یبیعہ ویشتری مکانہ

آخر وان لم ینقطع ولکن یؤخذ بثمنه ما هو خیر منه للمسجد لا یباع ای غلته. وقد روی عن محمد اذا ضعفت الارض الموقوفة عن الاستغلال والقیم یجد بثمنها ارضاً آخر هی اکثر ریعاً کان له ان یبیعها ویشتری بثمنها ما هو اکثر ریعاً وفی الفتاوی قیم وقف خاف من السلطان او من وارث ان یغلب علی ارض وقف یبیعها ویتصدق بثمنها۔

قلت: ای اذا لم یکن للمسجد حاجة الی ثمنها۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۹ رمضان ۴۲ھ

مسجد کی رقم کسی کو قرض دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین سوال ذیل کے جواب میں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے

ایک غریب محلہ میں مسجد ہے اہل محلہ نے اس کے ضروری خرچ مثل لوٹے، گھڑے چراغ وغیرہ کے لئے یہ صورت کی ہے کہ محلہ کے ہر آدمی سے ایک آنہ یا دو پیسہ ماہوار بطور چندہ لیکر اس کا خرچ چلاتے ہیں اس صورت میں ماہواری چندہ تقریباً للعہ روپیہ وصول ہوجاتا ہے دو ماہ کا چندہ آٹھ روپے ایک محلہ والے شخص کے پاس جمع تھا اس محلہ میں ایک شخص کے لڑکے کا انتقال ہوا جو کاشتکار بھی ہے لیکن اس وقت نہایت تنگدستی کی حالت میں تھا چند محلہ والوں کی رائے سے اس شخص نے جس کے پاس چندہ مسجد کا جمع تھا بطور قرض کے ابوالمیت کو اس شرط پر دیدیا کہ اگر تمہارے پاس ہو تو دیدینا نہیں تو نہیں ——— اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس شخص کو چند لوگوں کی رائے سے مسجد کا روپیہ ایسی ضرورت میں دینا جائز تھا یا نہیں؟ اور مقروض سے اہل محلہ تقاضا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مقروض نہ دے تو اس روپیہ کا ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب

مسجد کا روپیہ اسطرح کسی کو قرض دینا جس طرح سوال میں مذکور ہے کسی حال میں جائز نہیں، اہل محلہ کو اس رقم کا مطالبہ مقروض سے بھی کرنا چاہئے اگر وہ نہ دے

- پھر اس شخص سے مطالبہ کرنا چاہئے جس نے اسکو قرض دیا، اگر مقروض یہ روپیہ نہ دے تو اس رقم کا ضامن وہی شخص ہے جس کے پاس رقم جمع تھی اور اس نے اسکو قرض دیا۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۲ ذی الحجہ ۴۲ھ

مسجد کا خرچہ چلانے کے واسطے صحن مسجد میں دوکانیں بنانے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین سلمہم اللہ تعالیٰ یوم الدین کہ شارع عام بازار میں ایک قدیمی جامع مسجد ہے اسمیں ہر وقت راستہ چلتے باجماعت نماز پڑھتے ہیں سوائے اخیر جمعہ رمضان شریف کے اکثر صحن خالی پڑا رہتا ہے اہل محلہ اور اہل شہر سب جامع مسجد جدید کی طرف رجوع کر گئے ہیں مسجد ھذا نگہبانی سے منہ موڑ بیٹھے ہیں اس مسجد کی شکست وریخت اور مرمت کیواسطے اور کوئی اوقاف نہیں ہیں اور نہ کوئی متولی ہے نہ کوئی نگہبان ہے اور صحن مسجد کے سوا کوئی جگہ خارج نہیں اور نہ اسمیں فنا ہے اگر ہے تو صحن ہی صحن ہے مسجد کی پشت سے اور شمال دیوار ہندوں کے مکان پیوستہ ہیں جو مسجد کی چھت پر پائخانہ پیشاب کر جاتے یہاں ایک دیوار بنائی ہے بیرونی دروازہ خراب ہونے سے مسجد میں کتے بلے ہگ جاتے ہیں مسافروں کی جیبیں کتری جاتی ہیں علاوہ اس کے خرچ خادم وغیرہ بھی ہے پس جس مسجد کے واسطے اوقاف نہ ہو اور چندہ بھی کوئی نہیں دیتا ہو، متولی اور نگہبان بھی کوئی نہ ہو اور مرمت وضروریات مندرجہ بالا میں احتیاج رکھتی ہو تو کیا صورت کی جائیگی کہ مسجد بدستور آباد رہے چند مسلمانوں نے جو ہمیشہ اسمیں نماز پڑھتے ہیں تھوڑے حصہ صحن میں بازار کے رُخ پر دو دوکانیں بنائی ہیں، کوئی جائز کوئی ناجائز کہتا ہے چونکہ ہم لوگ جاہل ہیں اسلئے تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں، خدا کے واسطے جواب باصواب جلدی عنایت فرمایا جائے کہ ہم لوگوں کی ایسی کشمکش سے نجات ہو اللہ تعالیٰ آپکو اجر عظیم عنایت فرمائیں گے۔

الجواب

اذا اراد ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمت المسجد او فوقه لیس له ذالك كذا فی الذخیرة (ص ۲۳۸ ج ۳)

قلت : وفی صحن المسجد عدم جوازہ اولیٰ ،

صورت مذکورہ میں صحن مسجد کے اندر دوکانیں بنانا جائز نہیں دوکان بنانے والے سخت جرم کے مرتکب ہوئے انکو فوراً دوکانیں مسجد سے اُٹھالینی چاھئیں اگر مسلمان مسجدوں میں ایسے تصرف کرنے لگیں گے تو کل کو حکام بھی مسجد کے کسی حصّہ کو اپنے کام میں لایا کریں گے اور یہی جواب دینگے کہ جب تم کو مسجد میں دوکان بنانا جائز ہے تو ہمکو بھی مسجد کا کوئی حصہ سڑک وغیرہ میں شامل کرلینا جائز ہے اور اس میں جس قدر مفاسد ہیں ظاہر ہے ، لھذا مسلمانوں کو مساجد کے صحن وغیرہ میں ایسا تصرف ہرگز نہ کرنا چاھئے باقی مرمت وغیرہ کیلئے اور مسجد کی حفاظت کیلئے بستی کے سب مسلمانوں کو امداد کرنی چاھئے جو لوگ باوجود وسعت کے امداد نہ کریں اور مسجد کی توہین کو گوارا کریں وہ گناھگار ہونگے ، واللہ اعلم۔

ایک اور مسجد جس کے واسطے کوئی اوقاف نہیں ہیں اور ایک مسلمان کے بغیر تمام محلہ ہندوؤں کا ہے تقریباً ۱۲ سال سے مسلمان چلے گئے ہیں ہندو آباد ہوگئے ہیں اب بالکل غیر آباد ہے اگر اس کے نیچے مکان یا دوکانیں بنادی جائیں اور انکی چھت پر مسجد بناکر آباد کردی جائے تو جائز ہے یا نہیں ، یا اس کے واسطے کیا صورت اختیار کی جائے اللہ کے واسطے ہم لوگوں کو ظلمات سے نکالئے کہ دین وایمان خراب ہورہے ہیں فقط

الجواب

جائز نہیں ، بدلیل ما مر عن الھندیۃ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۳ر صفر ۴۳ھ

مسجد میں لالٹین جلانا اور غیر مسافر ومعتکف کو سونا جائز نہیں۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ ایک شخص مسجد میں اس غرض سے سوتا ہے کہ جب اسکی آنکھ کھلے تو وہ اپنا وقت یاد الٰہی میں صرف کرے انہوں نے اپنی ضرورت کے واسطے ایک لالٹین جس میں مٹی کا تیل رہتا ہے اپنے پاس مسجد میں ایسی جگہ رکھ لیتا ہے جو کہ نہ کسی مصلی کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے ایسی حالت میں کوئی گناہ تو نہیں ہے

اور اگر ہے تو کوئی پناہ کی صورت بھی ہے کیونکہ موم بتی جلانے سے وہ شخص معذور ہے۔

(۲) اس قدر مٹی کے تیل و مروجہ لالٹین و دیاسلائی کی اسقدر کثرت ہے کہ موم بتی اور دوسرے تیل کی لالٹین قریب قریب نایاب ہوگئے ہیں۔ دیاسلائی سے لوگوں کو چراغ یا لالٹین جلانیکی ایسی عادت ہوگئی ہے کہ دوسرے ذریعہ سے مجبور ہیں عموماً تمام مسجدوں میں سوائے خاص خاص جگہ کے چراغ یا روشنی بذریعہ دیاسلائی ہوتی ہے اور باہر سے چراغ جلاکر ہوا میں جانا بھی قطعی ناممکن ہوتا ہے اور اگر دیاسلائی سے نہ جلایا جائے تو مسجد اندھیری رہتی ہے یا کسی وقت اندھیرا کا زور ہوتا ہے اور میٹھے تیل کا چراغ ٹھہر نہیں سکتا اس وقت مٹی کے تیل کی لالٹین اگر مسجد میں نہ جائے تو مسجد کے اندھیرے رہنے کا کامل یقین ہے سوائے خاص جگہوں کے یہی عمل جاری ہے کہ دیا سلائی سے چراغ روشن کیا جاتا ہے اور جب اندھیرا ہوتا ہے اس وقت لالٹین یقیناً مسجد کے اندر لے جاتے ہیں اس میں کچھ گناہ تو نہیں ہے اگر ہے تو پناہ کی کیا صورت ہے؟ فقط۔ بینوا توجروا

راقم شیخ علیم اللہ محلہ برانی سنگھت متصل
مسجد شیخ بدو مرحوم ڈاکخانہ اسڑا ضلع بلیا۔
مورخہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ

الجواب

مسجد میں مٹی کے تیل کی لالٹین جلانا جائز نہیں، نہ مسجد میں ایسی لالٹین کا رکھنا جائز ہے اور بغلی محراب مسجد میں داخل ہے پناہ کی صورت یہ ہے کہ یہ شخص مسجد کے اندر نہ سویا کرے اپنے گھر پہ سویا کرے وہاں جیسی چاہے لالٹین جلایا کرے علاوہ ازیں یہ کہ مسافر و معتکف کے سوا اور کسی کو مسجد میں سونا بھی مکروہ ہے رات کو اپنے گھر پہ بھی تو ذکر اللہ ہوسکتا ہے۔

قال فی الدر: (ویکرہ فیہ) اکل ونوم الا لمعتکف وغریب واکل نحو ثوم ویمنع منہ اھ

قال الشامی ناقلاً عن العینی: ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث کل ما لہ رائحۃ کریھۃ ماکولاً اوغیرہ وانما خص الثوم ھٰھنا بالذکر وفی

غیرہ ایضاً بالبصل والکراث لکثرۃ اکلھم لھا وکذالک الحق بعضھم بذالک من بقیہ نجس او بہ جرح لہ رائحۃ کریھۃ اھ (ص۶۹۲ ج ۱)

(۲) آج کل لالٹین جرمنی سرسوں کے تیل کے بھی ملتی ہے اگرچراغ نہ ٹھہرتا ہو تو اسکو جلایا جائے مٹی کے تیل کی لالٹین مسجد میں جلانا جائز نہیں بوجہ بدبو کے اور دیا سلائی بدبو دار سرخ مسالہ کی وجہ سے ہوتی ہے سیاہ مسالہ کی دیا سلائی میں بدبو نہیں ہوتی۔ جو آج کل بہت رائج ہے مسجدوں میں اس کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۸ صفر ۴۳ھ

ارض مملوکہ موقوفہ علی المسجد میں اگر بوقت کھودنے کے قبریں نمودار ہوجائیں تو ایسی زمین پر مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے کسی دیہات میں ایک قطعہ زمین خرید کرکے اس کے بعض حصہ میں ایک کچی مسجد تعمیر کی، قبل ازیں اس دیہات کی مسجد دوسری جگہ تھی اب وہ جگہ اس دیہات والوں کی مقبرہ بن گئی ہے مگر چونکہ وہ مسجد لوگوں کے مکانات سے کچھ فاصلہ پر تھی لھذا صلوات خمسہ کی ادائیگی میں لوگوں کو دشواریاں پیش آتی تھیں بناءً علیہ محض دفع تکالیف مصلیان کی غرض سے شخصِ مذکور نے اپنی خریدی ہوئی زمین کے ایک حصہ میں ایک کچی مسجد تعمیر کرادی اور ایک عرصہ تک مذکورہ مسجد خام آباد و معمور رہی بعدازیں شخص مذکور نے بوجہ اس کے کہ اسکی اقتصادی اور مالی حالت ابتر ہوگئی مسجد مذکور کو اہل دِہ کیلئے وقف کردیا، پس اہل دِہ میں سے چند اصحاب مسجد کے ممبر مقرر ہوئے اور ممبران مذکور نے بغرض توسیع مسجد یہ ارادہ کیا کہ اس مسجد خام کو منہدم کرکے اسکی جگہ ایک پختہ مسجد تعمیر کی جائے اور اس غرض سے اس زمین کے آس پاس کی کچھ زمین مالک زمین سے بلا معاوضہ مانگ کر یا بطور وقف لیکر تعمیر کا کام کیا، جب بنیاد کیلئے زمین کھودی جارہی تھی تو زمین کے اندر سے پرانی نعشیں نکلنی شروع ہوئیں اور نعشیں بیّن طور پر قبلہ رُخ یعنی سرہانے اُتر کی طرف تھیں یہ معاملہ دیکھ کر لوگوں نے علماء کرام سے استفتاء کیا دیوبند وغیرہ مقامات سے عدم جواز کا فتویٰ پہنچا اس بناء پر

چند سالوں تک لوگوں نے تعمیر کے کام کو ملتوی رکھا، کئی سالوں کے بعد ایک مسافر مولوی صاحب وہاں وارد ہوے انہوں نے اس بناء پر کہ وہ زمین خریدی ہوئی زمین ہے اور نیز بقیاس بر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حکم صادر فرمایا کہ زمین کے اندر سے جتنی نعشیں نکلی ہیں اسکو اور کہیں دفنا دیجائیں اور مسجد وہیں تعمیر کی جائے صحن میں نعشیں ہیں یا نہیں اُسے دیکھنے کی ضرورت نہیں چنانچہ اس فتویٰ کی بناء پر وہاں ایک پختہ مسجد بن گئی اور ایک عرصہ تک عوام الناس اس مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے دیہات میں ہونیکی وجہ سے ابتک کوئی عالم اس امر میں مزاحم نہ ہوئے۔

واضح ہو کہ اس مسجد کے اردگرد زمینوں میں سے ابتک بکثرت نعشیں نکل رہی ہیں یہ واقعہ بیّن طور پر مشاہدہ میں آرہا ہے پس یہ امر بھی دلیل ہے اس بات پر کہ صحن میں بھی نعشیں موجود ہیں

اب سوال یہ ہے کہ قبور مسلمین پر (جو قرائن وعلائم اس پر دال ہوں)

(۱) مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) نبش قبور کی اجازت دینے والے کے بارہ میں کیا حکم ہے ؟

(۳) اب اس مسجد کا کیا حکم ہے ؟

(۴) کیا اُسے ارض مشتراۃ پر بنی ہوئی مسجد کہا جائیگا ؟

(۵) اور کیا اُسے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کیا جا سکتا ہے ؟

(۶) اور ایسے قیاس کرنے والے اصحاب کا کیا حکم ہے ؟

(۷) اور کیا اس زمین کو جہاں قبل ازیں مسجد تھی اور کسی وجہ سے مسجد وہاں سے نقل کی گئی یا کہ وہ ویران ہوگئی ہو مقبرہ بنانا جائز ہے ؟

امید کرتا ہوں کہ ہر شقوں کا جواب مدلل ومبرھن تحریر فرماکر اجر عظیم حاصل کریں گے فقط

الجواب

جب قبر کی پہلے سے خبر نہو اور ظاہر میں زمین تعمیر کے قابل معلوم ہوتی ہو اور کھودنے کے بعد قبریں نمودار ہوں پس اگر وہ پرانی قبریں ہوں جنکی نعشیں گل کر مٹی ہوگئی ہوں صرف کوئی کوئی ہڈی باقی ہو تو ان کو اسی جگہ کے آس پاس دفن کرکے مسجد بنانا جائز ہے اور اگر پہلے سے کسی جگہ مسلمانوں کو قبروں کا ہونا معلوم ہو خواہ نشانات سے

یالوگوں کے کہنے سے، وہاں مسجد بنانا جائز نہیں اسیطرح اگر پہلے سے معلوم نہ ہو مگر کھودنیکے بعد تازی نعشیں نکلیں وہاں بھی مسجد بنانا جائز نہیں البتہ کفار کی نعشوں کا ہونا بناء مسجد کیلئے مانع نہیں انکو کھود کر ایک طرف دبا دینا اور مسجد تعمیر کر لینا جائز ہے۔

(۲) مسلمانوں کی نعشوں کو ان کی جگہ سے منتقل کرنے کا فتویٰ دینے والا جاہل ہے۔

(۳) یہ مسجد بحکم مسجد ہی ہے کیونکہ ارض مملوکہ موقوفہ میں مسجد بنائی گئی ہے۔ جس میں قبروں کا ہونا پہلے سے معلوم نہ تھا اور قبریں بھی پرانی تھیں البتہ مسلمان مُردوں کی ہڈیوں کو اپنی جگہ سے منتقل کرنیکا گناہ ہوا اس سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

(۴) ہاں ارض مشتراۃ مملوکہ پر بنی ہوئی مسجد ہی سمجھی جائیگی۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مسلمانوں کی قبریں نہ نکلیں تھیں بلکہ کفار کی قبریں نکلیں تھیں جس کا کھود ڈالنا جائز تھا۔

(۶) جاہل ہیں ان کے فتاویٰ کا اعتبار نہ کیا جائے

(۷) مسجد سابق کی جگہ کو مقبرہ بنانا اور اس میں مردوں کو دفن کرنا حرام اور بہت گناہ ہے۔ مسجد بننے کے بعد دوسرے کام میں نہیں آسکتی اب یا تو اس کو مسجد ہی کی طرح آباد کریں اگر آباد نہ ہوسکے تو اس کو بند کر کے اسی کے حال پر چھوڑ دیں اور بہتر یہ ہے کہ سارے گاؤں والے وہاں نماز نہ پڑھ سکیں تو کسی ایک ہی آدمی کو اسمیں ملازم رکھدیں جو اذان ونماز سے اسکو آباد کرے۔

(الدلیل علی المسئلۃ الاولی) قال فی الشامیۃ نقلاً عن الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ۔

قال فی الامداد: ویخالفہ ما فی التتارخانیۃ اذا صار المیت تراباً فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمۃ باقیۃ وان جمعوا عظامہ فی ناحیۃ ثم دفن غیرہ فیہ تبرکاً بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکرہ ذالک اھ

قلت: لکن فی ھذا مشقۃ عظیمۃ فالاولیٰ انا طۃ الجوان بالبلاد اذ لا یمکن ان یعد لکل میت قبر لا یدفن فیہ غیرہ وان صار

تراباً لا یسماً فی الامصار الکبیرة الجامعة والا لزم ان تعم القبور السهل ولو عسر علی ان المنع من الحفر الی ان لا یبقی عظم عسر جدا اھ

وفیه ایضاً: لا بأس بان یقبر المسلم فی مقابر المشرکین اذ لو یبق من علامائهم شئ کما فی خزانة الفتاوٰی وان بقی من عظامهم شئ تنبش وترفع الاثار و تتخذ مسجداً لما روی ان مسجد النبی صلی الله علیه وسلم کان قبل مقبرة للمشرکین فلبشت کذا فی الواقعات اھ

(ص ۹۳۳ ج ۱)

وقال العلامة العینی فی شرح البخاری تحت حدیث بناء مسجد النبی صلی الله علیه وسلم و نبش قبور المشرکین منه ـــ فان قلت: هل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین ـــ قلت: قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجداً لم ار بذالك بأساً وذالك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضاً وقف من اوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه لاحد فمعناهما علی هذا واحد اھ

وفیه: ان القبر اذا لم یبق فیه بقیة من المیت او من ترابه المختلط بالصدید جازت الصلوٰة فیه اھ (ص ۳۵۹ ج ۲)

(الدلیل علی السابعة) ولو خرب ما حوله (ای المسجد) واستغنی عنه یبقی مسجد عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی حاوی القدسی کذا فی الدر،

وفی الشامیة قوله ولو خرب ما حوله الخ وکذا لو خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر فلا یعود میراثاً ولا یحوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه اولا وهو الفتوٰی، حاوی، واکثر المشائخ علیه، مجتبی، وهو الاوجه، فتح، اھ (ص ۳۵۸ ج ۳) ولا حاجة

بعد ذالك الى الدليل على باقى الشقوق۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

فناء مسجد میں نماز کیلئے مسجد کا بوریہ نکالنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلۂ ذیل میں کہ ہمارے یہاں کی مسجد ایسی بنی ہوئی ہے کہ چھت اور چاروں دیواریں ٹین کی ہیں اور سوائے دروازہ کے کوئی کھڑکی بھی نہیں ہے اس وجہ سے گرمی بہت ہوتی ہے اور باقاعدہ مسجد کا صحن بھی نہیں ہے البتہ زمین موقوفہ متصل مسجد اتنی ہے کہ اگر صحن بنایا جائے تو بہت بڑا صحن ہو مگر صحن بنانا تو درکنار کوئی اسکی حفاظت بھی نہیں کرتا گائے بیل ہمیشہ چرتے اور لید کرتے رہتے ہیں میں اکثر موسم گرما میں فرض مسجد کے اندر پڑھکر مسجد کی ایک چٹائی باہر لاکر جو موقوفہ زمین خارج مسجد ہے اسمیں سنت نفل پڑھتا تھا ایک روز دفعۃً یہ خیال ہوا کہ شاید مسجد کی چٹائی باہر لاکر نماز پڑھنا جائز نہ ہو جب سے چٹائی باہر نکالنا چھوڑ دیا اور سنت نفل بھی مسجد میں پڑھتا ہوں مگر گرمی کی وجہ سے تکلیف بہت ہوتی ہے اب حضرت والا سے یہ عرض ہے کہ زمین موقوفہ لصحن المسجد میں مسجد کی چٹائی باہر نکالکر نماز پڑھنا یا ذکر شغل کرنا جائز ہے یا نہیں

الجواب

فناء المسجد له حكم المسجد حتى لو قام فى فناء المسجد واقتدى بالامام صح اقتداءه وان لم تكن الصفوف متصلة ولا المسجد ملآن اليه اشار محمدؒ فى باب الجمعة وعلى هذا يصح الاقتداء لمن قام على الدكاكين التى تكون على باب المسجد لانها من فناء المسجد متصلة بالمسجد كذا فى فتاوىٰ قاضى خان اھ من الهندية (ص ۷۰ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی چٹائی کا زمین موقوفہ متصلہ بالمسجد میں بچھانا اور اس پر نماز پڑھنا درست ہے کہ اتصال کی وجہ سے وہ مسجد

ہی کے حکم میں ہے۔ واللہ اعلم۔

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ر محرم ۴۵ھ

مسافر کے واسطے مسجد میں اقامت جائز ہے

سوال: مسافر را بمسجد اقامت کردن جائز است یا نہ؟ ومعنی غریب الوطن در اصطلاح فقہاء چیست بینوا توجروا۔

درمیان علماء این ملک در مسئلہ مذکورہ اختلاف ست ومیان عوام شک پیدا شدہ فدوی را برائے فہمیدن علم دین وماندن بر صراط مستقیم دعاء کنند۔

فقط والسلام

عرضگذار۔ فدوی محمد عبد الباری چاٹگامی

الجواب

مسافر را و مسکینے را کہ زوجہ وخانہ ندارد بمسجد اقامت کردن رواست۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
یکم ربیع الاول ۴۵ھ

مسجد کے گھڑوں، مٹکوں اور حوض کا پانی کسی کو گھر لیجانا جائز نہیں

سوال: امام کو مسجد کا پانی اپنے گھر کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

مسجد کے پانی سے غالباً حمام کا یا گھڑوں یا مٹکوں کا یا حوض کا پانی مراد ہے، تو مسجد کے حمام، گھڑوں، مٹکوں اور حوض کا پانی گھر لیجانا کسی کو جائز نہیں ہے ہاں مسجد کے کنوئیں کا پانی سب کو مباح ہے۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون
۵ر ربیع الثانی ۴۵ھ

شادی کی خلاف شرع رسموں سے لوگوں کو روکنا اور اس رقم کو مسجد میں دینے کی ترغیب کا حکم۔

سوال: حامداً ومصلیاً اما بعد کیا فرماتے ہیں علماء دین و

مفتیان شرع متین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ کوئی شادی کی خلاف شرع رسموں میں جو روپے خرچ کرنے پر مصر ہو اس کو اس خرچ سے روک کر اگر یہ کہا جائے کہ یہ روپے ضائع مت کرو بلکہ کسی مسجد میں اللہ کے واسطے دیدو، ثواب واجر ملیگا اس طرح اس کو ترغیب دینا اور حسب وعدہ اس سے روپے لینا اور مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں اور اس قسم کے جو روپے لوگوں پر ہیں اس کو وصول کریں یا نہیں ؟

(جزو اخیر) سوال دوم کی حقیقت ہے کہ بجائے پہلی غیر شرعیہ رسموں کے اس چندہ کا لینا رسم ہو گیا ہے یعنی جو شخص روپے نہیں دیتا اس کا حقہ پانی بند کر دیتے ہیں اور ہر سختی کو اس پر ضروری سمجھتے ہیں ایسی حالت میں اس روپے کو لینا یا جن پر باقی ہے اس کا وصول کرنا یا جو جمع ہے ایسے طریقوں سے وصول کیا ہوا اسکو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر ناجائز ہے تو جو جمع ہے اسکو کیا کیا جائے ؟ خصوصاً جبکہ اس کا دینے والا یا چندہ دینے والا کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں ہے اور اس نے مسجد کی نیت سے ہی دیا تھا حسبِ قاعدہ بالا، بینوا توجروا فقط، ان اللہ یحب المحسنین

المستفتی بدرالدین احمد

الجواب

ترغیب دینا تو جائز ہے مگر جس نے وعدہ کر لیا ہو اس پر تقاضا کرنا جائز نہیں کیونکہ تقاضا سے دباؤ پڑتا ہے ولاجبر فی التبرعات، ہاں یاد دہانی کا مضائقہ نہیں کہ وہ بھی ترغیب کے مثل ہے باقی صورت کہ جو مسجد میں چندہ نہ دے اس کا حقہ پانی بند کر دیا جائے بالکل حرام ہے کہ اس میں لوگوں کو تبرع پر مجبور کرنا ہے بلکہ صاف کہدیا جائے کہ جو چندہ دے خوشی سے دے اور جو نہ دیگا اس پر کوئی جبر اور سختی نہ کی جائیگی۔ اور جو چندہ اس طریقۂ جبر سے وصول کیا ہوا ہے اور جمع ہے اس کو مسجد میں لگا دینا چاہئے کیونکہ یہ جبر اکراہ شرعی کی حد میں نہیں پہنچتا جو موجب بطلان ہبہ ہو، فکان کأنہ وھب للمسجد من غیر اکراہٍ، پس جس نے مسجد میں روپیہ دیا اور متولی کے سپرد کر دیا وہ روپیہ اس کی ملک سے نکل کر مسجد کی ملک میں داخل ہو گیا اب دینے والا یا اس کے ورثاء اسکو واپس نہیں لے سکتے ہاں جبر کرنے والوں کو گناہ ہوا اس سے وہ توبہ واستغفار کریں۔

وفی العالمگیریۃ: اعطی درھماً فی عمارۃ المسجد او نفقتہ او مصالحہ

صح لانه ان کان لا یمکن تصحیحه وقفاً یمکن تصحیحه بالهبة للمسجد واثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالبقض اه (۲۴۰ ج ۳)

قلت: والهبة للمسجد فی حکم التصدق لکون المقصود منه الثواب فلا رجوع للواهب فیها۔

البتہ یہ رقم جو جبر سے وصول کی ہوئی ہے گو اس کو مسجد کے مصارف میں لگانا ضروری ہے مگر کراہت وخبث سے خالی نہیں: لحدیث: "الا لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب قلب منه"[عہ] پس بہتر یہ ہے کہ اسکو حمام کے سوختہ میں یا اسی کے مثل کسی ایسے کام میں لگایا جائے جو متعلقات مسجد سے ہو لیکن مسجد سے ملصق نہ ہو جیسے عمارت فرشِ مسجد وروغنِ چراغ وصف وغیرہ اسیطرح مؤذن وامام کو بھی اس رقم کو اپنی تنخواہ میں لینے سے احتراز بہتر ہے۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۷ ربیع الثانی ۴۵ھ

جو رقم مدرسہ میں دی گئی ہو مدرسہ بند ہونیکے بعد اسکو کہاں صرف کیا جائے (المقلب بنقل الصدقات الی غیر الجهات)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں مدرسہ اسلامیہ کچھ عرصہ سے قائم کیا گیا تھا اب عرصہ چھ ماہ سے وہ مدرسہ اسلامیہ بوجہ نہ ہونے طلبہ کے موقوف ہوگیا ہے اب آئندہ بھی کوئی امید قائم ہونے مدرسہ کی نہیں ہے اس مدرسہ مذکورہ بالا میں جو کہ روپیہ جمع تھا چندہ وغیرہ کی صورت کا اسمیں سے اس وقت دو صد روپیہ باقی ہے اس واسطے گذارش ہے کہ یہ روپیہ دوسری جگہ مسجد یا کنویں وغیرہ پر صرف کرسکتے ہیں یا کہ نہیں کرسکتے اسکی اگر کوئی صورت یا کوئی حیلہ بموجب شریعت کے ہو تو آپ وہ صورت بتلادیں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کارِ خیر کا اجر عظیم عطا فرمائیگا آمین بینوا توجروا، زیادہ السلام علیکم۔

الجواب

چندہ دینے والے اگر زندہ ہوں تو چندہ ہر شخص کا اسکو واپس کردیا جائے پھر وہ جہاں چاہے لگائے یا اسکی اجازت سے

عہ مشکوٰۃ ص ۲۵۵

جس[عہ] جگہ وہ کہے لگا دیا جائے البتہ اگر اس چندہ میں کوئی رقم زکوٰۃ وصدقہ فطر وفدیہ صلوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کی ہو تو اس کے متعلق استفسار کی ضرورت نہیں اسکو کسی دوسرے مدرسہ کے طلبہ فقراء میں صرف کر سکتے ہیں کیونکہ بظاہر تعیین طلبہ مدرسہ مذکورہ سے نفی غیر مراد نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اسمیں بھی چندہ دینے والوں سے دریافت کر لیا جائے للخروج من الخلاف اور صدقاتِ واجبہ کی رقم کو مسجد یا کنویں وغیرہ میں لگانا جائز نہیں کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔

وقد صرحوا بعدم تعيين المكان والزمان والفقير في الصدقات والنذور وغيرها من الصدقات الواجبة بل تنادى بالاداء الى اىّ فقير شاء۔

قال الشامى: تحت قول الدر: وللوكيل (فى الزكوة) ان يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه ما نصه وهذا حيث لم يامره بالدفع الى معين اذ لو خالف ففيه قولان حكاهما فى القنية، وذكر فى البحر ان القواعد تشهد للقول بانه لا يضمن لقولهم لو نذر التصدق على فلان له ان يتصدق على غيره اهـ (ص ۱۷ ج ۲)

اور اگر چندہ دینے والے زندہ نہ ہوں یا ان کا پتہ نہ چل سکتا ہو تو زکوٰۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ کا تو وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا اور صدقاتِ واجبہ کے علاوہ جو رقم ہے وہ اس مدرسہ کے ملک تھی اور اوقاف کے مملوکات کا حکم بھی مثل اوقاف کے ہے۔

وقد صرح فى الهندية عن فتاوى النسفى: سئل شيخ الاسلام عن اهل قرية افترقوا وتداعى مسجد القرية الى الخراب وبعض المنقلبة ليتولون على خشب المسجد و ينقلون الى ديارهم هل لواحد ان يبيع الخشب بامر القاضى و يمسك الثمن ليصرفه

عہ اور حضرت حکیم الامت کے نزدیک چندہ والوں سے پوچھنے یا ان کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی دوسرے قریب مدرسہ میں صرف کر دیا جائے۔

الی بعض المساجد او الی ھذا المسجد قال: نعم، کذا فی المحیط ،

وفیہ ایضاً: او قاف علی قنطرۃ فیبس الوادی وصار الماء الی شعب اُخریٰ واحتیج الی عمارۃ قنطرۃ ھذا الوادی الجدید ھل یجوز صرف غلّات الاول الی الثانیۃ ینظر ان کانت القنطرۃ الثانیۃ للعامۃ ولیس ھناک قنطرۃ للعامۃ اقرب الیھا جاز صرف الغلۃ الیھا اھ (ص۲۴۴ ج۳)

پس اس رقم کو اس مدرسہ میں بھیجدیا جائے جو مدرسہ اولیٰ سے بہت قریب اور سب سے زیادہ نزدیک ہو۔ واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

تفصیل الجواب الملقب بنقل الصدقات الی غیر الجھات

جواب سابق پر دو شبھے کئے گئے ہیں۔

ایک یہ کہ: جو چندہ صدقات واجبہ کی قسم سے نہیں اسمیں چندہ دینے والوں کو واپس کرنا لکھا گیا ہے یا انکی اجازت سے خرچ کرنا حالانکہ آگے چل کر اس رقم کو ملک مدرسہ مانا گیا ہے اس میں تعارض ہے

دوسرا شبہ یہ ہے کہ وکیل فی اداء الزکوٰۃ الیٰ رجل معین کی صورت میں یہ کہا گیا ہے کہ وکیل کے حق میں تعیین لازم نہیں دوسرے مستحق کو بھی وہ دے سکتا ہے اس میں شامی کی بحث پر نظر کی گئی ہے حالانکہ قواعد سے شامی کا قول قوی ہے۔

اشکال اول کے متعلق یہ عرض ہے کہ چندہ والوں کو واپسی کا حکم کرنا اس رقم کے ملک مدرسہ ہونیکے منافی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب تک مدرسہ رہا اس وقت تک تو یہ رقم ملک مدرسہ تھی معطی یا اس کے وارث کو حق استرداد نہیں تھا

اور جب مدرسہ نہ رہا تو یہ چندہ معطین کی ملک کی طرف عود کر جائے گا۔

قال فی الدر: ومثلہ فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصرہ مع الاستغناء عنھما اھ — قال الشامی: قال الزیلعی وعلی ھذا حصیر المسجد وحشیشہ (الذی یفرش بدل الحصیر) یرجع الی مالکہ اذا استغنیٰ عنھما عند محمدؒ وعند ابی یوسفؒ ینقل الی مسجد آخر وصرح

فی الخانیة بان الفتوی علی قول محمدؒ قال فی البحر وبه علم ان الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسفؒ فی تابید المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضه لما قدمنا عنه (ای البحر) قریباً من ان الفتوی علی ان المسجد لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر اھ (ص۴۵۷ ج۳)

قلت: ولا یخفی ان الدراهم والدنانیر اشبه بآلات المسجد منها بالمسجد و بانقاضه فالمختار فیها قول محمد ومثلها الکتب الموقوفة علی المدارس و الله اعلم

اور صورتِ موجودہ میں قول محمدؒ پر فتویٰ دینا اسلئے بھی لازم ہے کہ مسجد و مدرسہ کیلئے دراہم و دنانیر کا ھبہ کرنا انہی کے نزدیک صحیح ہے نہ دوسروں کے۔

قال فی الحامدیة: اوصی بشیء للمسجد لم تجز الوصیة الا ان یقول الموصی ینفق علیه لانه لیس باهل للتملیك والوصیة تملیك وذکر النفقة بمنزلة الوقف علی مصالحه وعند محمد یجوز لانه یحمل علی الامر بالصرف الی مصالحه تصحیحاً للکلام وبقول محمد افتی مولانا صاحب البحر منح اھ (ص۴۲۸ ج۲)

وکذا فی الشامیة عن المعراج: اوصی بشیء للمسجد الحرام لم یجز الا ان یقول ینفق علی المسجد لانه لیس من اهل الملك و ذکر النفقة بمنزلة النص علی مصالحه وعند محمد یصح ویصرف الی مصالحه تصحیحاً لکلامه اھ (ص۶۵۲ ج۵)

اور اشکال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ تعیین کی دو صورتیں ہیں ایک تعیین فقراء مکان مخصوص یعنی تعیین بالوصف الاجمالی

عہ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے جو وجہ صحتِ ھبہ کی بیان فرمائی ہے اس پر امام ابو یوسفؒ کی نظر نہیں گئی اگر انکی نظر بھی جاتی تو وہ بھی اسکو صحیح کہتے لھذا اگر صحتِ ھبہ پر قول محمدؒ پر فتویٰ ہو اور عدم عود الی ملک المعطی میں قول ابی یوسفؒ پر تو تلفیق لازم نہ آئے گی۔

حکاہ عنہ المولوی عبد الکریم

مسجد قیامت تک مسجد رہتی ہے | **سوال :** وقف مسجد وغیرہ کا مصرف کبھی نہیں بدلتا اسکی بابت بقدر ضرورت کچھ دلائل ائمہ کرام کے اقوال سے تحریر فرمادیئے جائیں

الجواب

قال فی الدر: لو استغنیٰ عنه وخرب ما حوله یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الیٰ قیام الساعة وبه یفتی حاوی القدسی و عاد الی الملك ای ملك الباني او ورثته عند محمدؒ (وانما یعود الیٰ ملکه عنده ماخرج عن الانتفاع المقصود بالکلیة کحانوت احترق ولا یستاجر بشیء واما ما کان معداً للغلة فلا یعود الی الملك الا نقضه وتبقی ساحته وقفاً تؤجر ولو بشیء قلیل اھ (شامی) وعن الثانی ینقل الی مسجد آخر باذن القاضی اھ (ص ۷۳ و ۷۴ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۶ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

صحت وقف مسجد کیلئے تسلیم الی المتولی ضروری ہے یا نہیں | **سوال :** کیا یہ ضروری ہے کہ ہر مسجد میں امام، منتظم، متولی مقرر ہی ہو کیا بدون اس کے وقف صحیح نہیں ہوسکتا ؟

الجواب

صحت وقف مسجد کیلئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اتنا کہدینا کافی ہے "جعلتُه مسجدا" میں نے اسکو مسجد بنادیا اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک تسلیم بھی شرط ہے خواہ متولی کے سپرد کردے یا کم از کم اس میں جماعت کے ساتھ ایک دفعہ نماز پڑھ لی جائے

قال فی الدر: وبین ول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل او بقوله جعلتُه مسجداً عند الثانی وشرط محمد والامام الصلوٰة فیه بجماعة و قیل یکفی واحد وجعله فی الخانیة ظاهر الروایة اھ

وقال الشامی: وعلیه المتون کالکنز والملتقی وغیرهما وقد علمت

www.ahlehaq.org

تصحیح الاول (ای اشتراط الجماعة) وصححه فی الخانیة ایضاً وعلیه اقتصر فی کافی الحاکم فهو ظاهر الروایة ایضاً اھ

لیکن اگر کسی مسجد کا مؤذن و امام ایک ہی شخص ہو اور اس میں وہ اکیلا نماز پڑھ لے تو تنہا اسی کی نماز سے مسجدیت کا تحقق بالاتفاق ہو جائیگا۔

قال فی الفتح :۔ ولو اتحد الامام والمؤذن وصلّی فیه وحده صار مسجداً بالاتفاق لان الاداء علی هذا الوجه کالجماعة ـــ قال فی النهر: واذ قد علمت ان الصلوٰة فیه قد اقیمت مقام التسلیم علمت انه بالتسلیم الی المتولی یکون مسجداً دونها ای دون الصلوٰة وهذا هو الاصح کما فی الزیلعی وغیره فی الفتح وهو الاوجه لان بالتسلیم الیه یحصل تمام التسلیم الیه تعالیٰ اھ (ص ۲۷ ج ۳- شامی)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۶ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

ممبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے درجے تھے۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں جو زید اور بکر کے قول اور اقولہ جو مندرجہ ذیل ہیں کس کا حق اور صداقت پر مبنی ہے اور کس کا شر و فساد کا سبب ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ وغیرہ سے ارشاد بدلائل مع حوالہ فرمائیں۔

(قول) زید: ہمارے دیار کی مسجدوں کے ممبر تین ہی درجہ کے قدیم سے ہمارے دیار کے علماء رکھوانے کا سبب یہ ہے کہ صحیح مسلم کی صریح حدیث کریم نووی شرح مسلم شریف کی تصریح سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ ممبر شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین درجہ تھے اور فارسی اردو، سیر اور تاریخ کی کتابوں سے بھی تین ہی درجہ ثابت ہوتے ہیں اور چار درجہ رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ شامی حاشیہ درمختار میں تصریح ہے کہ تین درجہ سوا اس درجہ کے ہیں جو کہ مسماۃ بالمستراح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(اقولہ) بکر: چار درجہ کا ممبر رکھنا سنت ہے اور چار سے زیادہ درجہ بھی کیونکہ ردالمحتار اور تحفہ میں ہے ان کے برابر کوئی کتاب معتبر نہیں ہے تین درجہ ممبر رکھنا سنت

کے خلاف، مکروہ اور بُرا ہے۔ اور تین درجہ کا ممبر جہاں ہو اسکو چار درجہ بنانا چاہئے، فارسی اُردو کی سیر اور تاریخ کی کتابوں کا اعتبار کرنا ہی نہیں فقط

الجواب

قال الحافظ فی فتح الباری: ان فی الاحادیث الصحیحة انه صلی الله علیه وسلم کان یستند الی الجذع اذا خطب ولم یزل المنبر علی حاله ثلٰث درجات حتی زاده مروان فی خلافة معاویة ست درجات من اسفله ثم ذکر سبب ذالك اھ (ص ۳۳۱ ج ۲)

وروی ابو داؤد عن تمیم الداری انه قال لرسول الله صلی الله علیه وسلم الا اتخذ لك ممبراً یا رسول الله یجمع او یحمل عظامك قال: بلی فاتخذ له ممبراً مرقاتین اھ

وقال سیدی مولانا خلیل احمد دام مجدہ (فی شرحه قال الحافظ واسناده جید) فاتخذ له ممبراً مرقاتین ای درجتین وبین ما فی الصحیح انه ثلٰث درجات منافاة،

قلت: الذی قال مرقاتین لم یعتبر الدرجة التی کان یجلس علیها النبی صلی الله علیه وسلم اھ (ص ۱۷۸ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ممبر نبویؐ کے کل درجے تین ہی تھے مع اس درجہ کے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوس فرماتے تھے اور جن درجوں پر چڑھا جاتا ہے وہ دو تھے، پس حاصل یہ ہوا کہ چڑھنے کی سیڑھیاں دو تھیں اور ان کو درجہ جلوس کے ساتھ ملانے سے کل درجات تین تھے، اور شامی میں جو کہا ہے "وممبره صلی الله علیه وسلم ثلاث درج غیر المسماة بالمستراح اھ (ص ۸۶۰ ج ۱)"، اس میں مستراح سے مراد درجہ جلوس نہیں ہے بلکہ وہ پنکھا ہے جو درجہ جلوس پر پشت کی جانب کمر لگانیکو بنا دیا جاتا ہے، مطلب شامی کا یہ ہے کہ مستراح کو یعنی مستند ظہر کو تین درجات میں شمار نہ کیا جائے بلکہ تین درجات اس کے علاوہ ہوں پس یہ عبارت فتح الباری اور عینی کی عبارت کی منافی نہیں اور اگر مستراح سے درجہ جلوس مراد لیا جائے جیسا کہ قائل دوم کہتا ہے اور اس عبارت شامی کو فتح وعینی کے منافی مانا جائے تو شامی کی عبارت کو ترجیح نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بلا سند نقل

کر رہے ہیں اور فتح و عینی میں سند صحیح کے حوالہ سے تین درجات بتلائے ہیں اور علامہ شامیؒ سے اعلیٰ مرتبہ روایت میں محقق عینی کا ہے اور حافظ کا رتبہ تو اظہر من الشمس ہے پس صورت مسئولہ میں زید کا قول صحیح ہے بکر کا قول غلط ہے اور اگر وہ اس قول پر اصرار کرے تو مخطی ہے اور اگر نزاع کرے تو مفسد ہے۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ رجب ۱۳۴۵ھ۔

مسجد میں کفش بردار کا تقرر اور اس کا ترک جماعت کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ یہاں رنگون کی اکثر مساجد میں یہ دستور ہے کہ متولیانِ مساجد ایک اور بعض جگہ دو، دو، دربان ملازم رکھتے ہیں، جو کہ نمازیوں کے جوتے اور چھتریاں وغیرہ اشیاء کی حفاظت کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ملازم دربان جماعت میں شریک ہونے سے محروم رہتے ہیں۔ اور چونکہ تقریباً تمام مساجد رنگون میں جماعت ایک ہی وقت پر ہوتی ہے اسلئے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ دربان دوسری مساجد میں جاکر نماز باجماعت ادا کریں اس کے علاوہ جماعت ہوجانے کے بعد بھی کسی قدر دیر تک نمازیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس وجہ سے بھی دوسری قریبی مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کیلئے نہیں جاسکتے جمعہ کی نماز میں چونکہ صفوں کا سلسلہ دربان کی حفاظت گاہ تک قائم ہوجاتا ہے اسلئے دربان جمعہ کی نماز میں شریک ہوجاتا ہے پس ارشاد ہو کہ آیا یہ دربان ترکِ جماعت کی وجہ سے گناہگار ہونگے یا نہیں؟ اور آیا متولیان مسجد دربانوں کی ترک جماعت کا سبب بننے کی وجہ سے عنداللہ ماخوذ ہونگے یا نہیں؟ اور آیا متولیان مسجد کو مسجد کی آمدنی سے دربانوں کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی ارشاد ہو کہ آیا یہ مناسب ہے یا نہیں کہ بجائے مسلمانوں کے ہندو دربان جوتیوں وغیرہ کی حفاظت کیلئے ملازم رکھا جائے اس لئے کہ مسجد کا پہلا درجہ جو جماعت خانہ کے نام سے مشہور ہے سننے میں آیا ہے کہ بانی مسجد نے اس جماعت خانہ کو مسجد کیلئے وقف کیا ہے اور باقی حصہ سائبان اور صحن، دالان وغیرہ خارج مسجد ہیں اس وجہ سے سائبان میں میت کو رکھکر نماز جنازہ پڑھتے ہیں ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ

پُرآشوب اور پُرخطر زمانہ میں مسلمانوں کی خاص مہتم بالشان عبادت کے موقع پر کسی ہندو دربان کا دخیل ہونا ہرگز ہرگز مناسب نہیں بلکہ دور اندیشی کے خلاف ہے علاوہ ہندو کے غیر مسلم قوم کے دربان رکھے جانے میں کیا حکم ہے؟ جہانتک ممکن ہو جواب مدلل ارشاد ہو تاکہ مخالف کیلئے حجت قائم ہوسکے، بینوا توجروا،

سر محمد عبدالرؤف، مدرسہ تعلیم الدین معلمیہ
۳۶ مغل اسٹریٹ، شہر رنگون،

الجواب

اس مسئلہ میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں

اوّل - دربان کا ملازم رکھنا اور اس کو مسجد کی آمدنی سے تنخواہ دینا۔

دوم - دربان مسلم کا جماعت میں شریک نہ ہوسکنا

امر اول کا حکم یہ ہے کہ یہ دربان جو نمازیوں کی جوتیوں وغیرکی حفاظت کرتا ہے مصالحِ مسجد میں سے نہیں ہے ورنہ پھر نمازیوں کو پنکھا جھلنے والا بھی مصالح مسجد میں داخل ہوجائیگا، ولا یقول بہ احد ھذا، جو آمدنی مسجد اور مصالح مسجد کیلئے وقف ہے اس میں سے اسکو تنخواہ دینا جائز نہیں۔ ہاں اگر کوئی جائیداد خاص اسی کیلئے وقف ہو یا کوئی شخص اسی کے واسطے کوئی رقم مسجد میں دیتا ہو کہ اس سے دربان کو تنخواہ دی جائے تو اس سے دربان کو تنخواہ دینے کا مضائقہ نہیں۔

امر دوم کا حکم یہ ہے کہ مسلمان کو ایسی ملازمت جائز نہیں جس میں باوجود قرب مسجد کے ترک جماعت لابدی ہو اور اگر اسکو ایسی ملازمت مل سکے جس میں جماعت کا ترک لازم نہ ہو تو ترکِ جماعت سے گناہ ہوگا بالخصوص اقامت اور قرب مسجد کی صورت میں، اور ملازم رکھنے والے بھی اگر نماز وجماعت کے شروع ہوجانے کے وقت اس کو خدمت دربانی سے سبکدوش نہ کریں تو سبب ترک جماعت ہونیکی وجہ سے معصیت میں گرفتار ہونگے اب اسکی چند صورتیں ہیں: یا تو اسی عہدہ کو اڑا دیا جائے اور مسجد کے اندر جا بجا چند صندوق رکھوا دئے جائیں جسمیں نمازی اپنے جوتے اور چپتریاں وغیرہ رکھدیا کریں یا دربان کو مقفل کوٹھری دی جائے جس میں وہ ان نمازیوں کی جوتی وغیرہ رکھکر قفل لگادیا کرے جو جماعت سے پہلے آجاتے ہیں اور جو لوگ درمیان

جماعت میں آئیں انکی جوتوں کی حفاظت کا ذمہ دار نہ بنایا جائے یا اس خدمت کیلئے کسی کافر کو مقرر کیا جائے اور یہ خدمت ایسی نہیں جس سے کافر کا عبادت میں دخیل ہونا لازم آئے۔ بلکہ ذلت کی خدمت ہے جس کیلئے کافر غیر مناسب نہیں آخر تعمیر مسجد وغیرہ میں بھی تو کفار سے خدمت لی جاتی ہے حالانکہ وہ خدمت اس سے اعلیٰ ہے، وظنی ان ھذا کلہ ظاھر۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۲ر جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

مسجد کے حجرے میں اہل وعیال رکھنا جائز ہے۔

سوال: بخدمت گرامی حضرت مولانا صاحب دام مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

معروض کہ جس حجرہ کے متعلق استفتاء کیا گیا ہے اسکی حالت یہ ہے کہ ایک خالی میدان مسجد کے متصل تھا جہاں بول براز کیا جاتا تھا، اب جبکہ مسجد شریف کی نو تعمیر ہوئی ہے تب اس میدان کو حجرہ بنایا گیا ہے مسجد کی جنوبی دیوار اور حجرہ کی شمالی دیوار ایک ہی ہے یہاں کے بعض علماء کرام اس حجرہ کو مسجد شریف کے حکم سے خارج بتاتے ہوئے سکونت باہل وعیال کے جواز کے قائل ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ حجرہ فناء مسجد میں ہے جو مسجد کے حکم میں ہے اور فناء مسجد کی تعریف کرتے ہیں کہ ایسی جگہ جو اس کے اور مسجد کے درمیان شارع عام نہ ہو وہ فناء مسجد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کو آپکی خصوصیات میں سے شمار کرتے ہیں، بندہ چونکہ غائبانہ آنحضرت کا سچا معتقد خادم ہے لہذا گذارش ہے کہ جو حق ہو اسکو مدلل طور پر ظاہر فرما کر ممنون فرمائیں۔

آپکا خادم، عبدالواحد عفی عنہ از لاڑکانہ ملک سندھ
اسٹیشن دادو شاہ بردو کانِ پیر محمد

الجواب

جائز ہے

قال فی الدر: واما المتخذ لصلاۃ الجنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء لا فی حق غیرہ بہ یفتیٰ فحل دخولہ لجنب و حائضٍ کفناء مسجد اھ

قال الشامی: هو المکان المتصل به لیس بینهما طریق فهو کالمتخذ صلوٰة جنازة اوعید فیما ذکر من جواز الاقتداء وحل دخوله لجنب ونحوه کما فی آخر شرح المنیة (ص ۶۸۸ ج ۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فناء مسجد میں جو حجرہ ہو اس میں دخول جنب وحائض جائز ہے پھر سکونت مع العیال میں کیا شبہ ہے البتہ اس میں چند شرائط ہیں:

(۱) متولی مسجد کی رضا اگر متولی نہ ہو تو اہل محلہ کی اجازت

(۲) بحالت جنابت مسجد میں آمدورفت نہ کرنا

(۳) حجرہ میں بول وبراز نہ کرنا جس سے مسجد میں بدبو آکر نمازیوں کو ایذاء ہو؛ ہاں اگر حجرہ بہت وسیع ہے جسکی ایک جانب میں بول وبراز کرنے سے مسجد میں بدبو نہ آسکے تو اسکی بھی گنجائش ہوگی، باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات کو تخصیص پر محمول کرنا بلا دلیل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت البتہ تھی کہ آپکو بحالت جنابت قبل از غسل بھی مسجد میں آمدورفت جائز تھی اور آپکے سوا کسی دوسرے شخص کو بحالت جنابت مسجد میں آمدورفت جائز نہیں۔

واللہ اعلم

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۹ رجمادی الثانی ۴۳ھ

نقل مسجد کی ایک صورت | **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی ضرورت کی وجہ سے مسجد کو نقل کرکے دوسری جگہ میں لیجانا درست ہے یا نہیں؟۔

دوسرا یہ کہ اگر تنگی مکان کی وجہ سے سب اہل محلہ متفق ہوکر مسجد کو نقل کرکے دوسری جگہ تیار کرلیں اور اس نئی مسجد میں جماعت پنجگانہ بھی ہوتی ہو تو اب اس کو مسجد کا حکم دیا جائیگا یا نہیں؟ اور اس مسجد میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟۔

بینوا توجروا

المرسل: بندہ محمد عبد الکریم مدرس مدرسہ اسلامیہ

کروائی لکی

الجواب

(۱) نقل مسجد جس ضرورت کیلئے کیگئی ہے اس ضرورت کو بیان کیا جائے تب جواب دیا جائے گا۔

(۲) تنگیٔ مکان کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا تو جائز ہے مگر پہلی مسجد کو توڑنا جائز نہیں اور اگر ایسا کیا گیا تو دوسری مسجد تو مسجد ہو جائیگی اور اس میں نماز پڑھنا بھی درست ہوگا لیکن مسجد اول کے توڑنے کا گناہ ہوگا اور مسجد اول کی زمین کا محفوظ رکھنا واجب ہے اس میں زراعت یا تعمیر مکان جائز نہیں نہ اسکی بیع درست ہے بلکہ اس کے گرد احاطہ کھینچ کر یا تو اس میں نماز پڑھی جائے اور اگر نماز نہ پڑھ سکیں تو ویسے ہی بند کر دیں اور کسی دنیوی تصرف میں ہرگز نہ لائیں، واللہ واعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ رجب ۴۳ھ

امام ومؤذن کا تقرر بانیٔ مسجد کا حق ہے یا اہل محلہ کا۔

سوال: (۱) ماقولکم رحمکم اللہ اندریں مسئلہ کہ بانی مسجد برائے امامت، ومؤذن ومرمت وغیرہ اہل محلہ مستحق ترست یا نہ؟

(۲) وعند الضرورۃ اہل محلہ یک مسجد یک مسجد را دو ساختن ودو مسجد را یک میتواں نمود یا چہ؟

الجواب

۱، اس میں تفصیل ہے کہ اگر بانیٔ مسجد نے مسجد بنانے کے بعد اہل محلہ میں سے کسی کو مسجد کا متولی بنا دیا ہے تو اس صورت میں متولی بانی سے اولیٰ ہوگا اگر بانی نے وقف کے وقت عزل متولی کا اختیار اپنے لئے ثابت نہ کیا ہو۔

قال فی العالمگیریۃ: وقف ضیعۃ له واخرجها من یده الی قیم ثم اراد ان یأخذه من یده فان کان شرط لنفسه فی الوقف انه العزل والاخراج من ید القیم کان له ذالك وان لم یکن شرط ذالك فعلیٰ قول محمد لیس له ذالك وعلیٰ قول ابی یوسف له ذالك ومشائخ بخارا یفتون بقول محمد وبه یفتیٰ اھ ملخصاً (ص ۲۲۰ ج ۳)

قلت: وهذا احكم الاخراج من يد القيم و تعرف الباني قبل الاخراج من يد القيم فالظاهر انه يلغو عند محمد لو لم يشترط العزل ويصح عند ابي يوسف ويصح عندهما لو شرط له العزل و الله اعلم

ورنہ بانی اولیٰ ہے بشرطیکہ جس کو بانی نے امام یا مؤذن بنایا ہے وہ اہل محلہ کے تجویز کردہ امام و مؤذن سے بہتر ہو یا برابر ہو اور اگر اہل محلہ کا تجویز کردہ بہتر ہو تو اس صورت میں اہل محلہ کی تجویز بانی سے اولیٰ ہوگی۔

واما الثاني فلما في شرح المنية وان تنازع الباني في نصب الامام والمؤذن مع اهل المحلة فان كان من اختاره اهل المحلة اولىٰ من الذي اختاره الباني فاختيار اهل المحلة اولىٰ لان نفعه وضرره عائد اليهم وان كانا سواءً فاختيار الباني اولىٰ، كذا في البزازية والخلاصه اھ (ص ۵۷۱)

(۲) صحیح ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اگر اہل محلہ ایک مسجد کو بغرضِ نفسانی دو بنائینگے تو گناہ ہوگا اور اگر ضرورتِ شرعیہ سے ایسا کریں تو مضائقہ نہیں اور دو مسجدوں کو ایک کرنا جب جائز ہے کہ دونوں متصل ہوں، اور اگر دونوں میں کچھ فاصلہ ہے تو جائز نہیں، البتہ اگر اس فاصلہ کو بھی وقف کر کے متصل کر دیں تو جائز ہے۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۲ رجب ۴۳ھ

کرایہ کی زمین پر مسجد بنانے کا حکم

سوال: عرض یہ ہے کہ صورتِ ذیل میں بناءِ مسجد کا از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(شرائط منجانب کمپنی متعلق زمین جو مسجد کے لئے دینی ہے)

(۱) یکم اپریل کو ایک روپیہ سالانہ کرایہ زمین کا ادا کرنا ہوگا۔

(۲) اسی زمین پر مسجد و دیگر مکانات ضروریاتِ مسجد بنائے جائیں نہ دوسرے۔

(۳) نقشہ جب تک کمپنی سے منظور نہ کرالیں تعمیر شروع نہ کریں۔

(۴) مسجد و دیگر عمارات کی معقول نگرانی و حفاظت کرنی ہوگی۔

(۵) بغیر اجازتِ کمپنی کوئی حصہ زمین یا عمارت کسی کو نہیں دے سکتے

(۶) نقشہ کے علاوہ کوئی جدید عمارت بغیر منظوری کمپنی نہیں بنا سکتے۔

(۷) جب کمپنی کو شدید ضرورت ہوگی تو مسجد کے علاوہ دوسری عمارت یا زمین پر نوٹس کے چھ ماہ بعد قبضہ کر لیگی اور جن دیگر عمارت پر قبضہ کریگی اس کی قیمت اس وقت کے نرخ بازار سے دیگی بصورتِ اختلاف فیصلہ کیلئے طرفین میں سے ایک مجلس شوریٰ بیٹھے گی اور اس کا فیصلہ طرفین پر واجب العمل ہوگا۔

(۸) اگر کمپنی کو کسی وقت یہ معلوم ہوگا کہ مسجد و دیگر عمارتوں کی مسلمانوں کو ضرورت نہیں ہے اس وقت بغیر معاوضہ تعمیر کل عمارات و مسجد پر قبضہ کر لیگی۔

(۹) حسب ۷ و ۸ جب کمپنی قابض ہو جائیگی اس وقت یہ شرط نامہ بیکار ہو جائیگا۔ والسلام

عظیم الدین سکریٹری انجمن حمایت الاسلام

جمشید پور۔ نمبر ۱۳۔ یم ورڈ

یکم مارچ ۱۹۲۵ء

الجواب: ۱ و ۸ مندرجہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی اس زمین کو مسلمانوں کی ملکیت نہیں کرتی بلکہ بطور اجارہ مستمرہ کے دیتی ہے اور جب زمین مسلمانوں کی ملک میں داخل نہیں ہوئی تو وقف صحیح نہیں ہو سکتا اور بدون وقف کے مسجد مسجد شرعی نہیں ہو سکتی اس صورت میں اس مسجد میں نماز تو درست ہوگی مگر اس کیلئے مسجد کے احکام ثابت نہ ہونگے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۱ر شوال ۴۳ھ

ان قدیم ریاستی چھاونیوں کی مساجد کا حکم جنکے وقف محفوظ نہ رہے ہوں۔

سوال: ایک ریاست میں مسلمانوں نے سو ۱۰۰ برس سے چند مساجد تعمیر کر رکھی ہیں لیکن ان مساجد کا وقف نامہ باقاعدہ عدالتہائے ریاست میں محفوظ نہیں اور نہ مسلمانوں کے پاس ہے البتہ یہ امر متیقن ہے کہ اس جگہ مساجد کی تعمیر ریاست کے راجہ کے اذن سے ہوئی ہے کیونکہ شہر میں کوئی مسجد یا مندر بدون اجازت راجہ کے تعمیر نہیں ہو سکتی نیز راجگان سابقین بھی ان مساجد کو مساجد تسلیم کرتے آئے ہیں

اوران میں سے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز بھی باقاعدہ ہمیشہ سے ہوتی آرہی ہے اور بقیہ مساجد کے پاس بھی مسلمانوں کی آبادی کافی مقدار میں ہے لیکن راجہ حال ان مساجد کو منہدم کرنا چاہتا ہے اور بہانہ یہ ہے کہ مساجد کے لئے جو زمین ریاست کی طرف سے دی گئی تھی وہ ہمیشہ کے واسطے نہیں دی گئی تھی بلکہ یہ مساجد جن حدود میں ہیں وہ ملٹری کے رہنے کی جگہ ہے اور ملٹری کی زمین کسی کو ہمیشہ کیلئے نہیں دیجاتی بلکہ اس وقت تک کیلئے دی جاتی ہے جب تک وہاں چھاؤنی رہے اور اگر وہ چھاؤنی منتقل ہوجائے تو زمین بھی سب کرایہ داروں سے واپس لے لی جاتی ہے اور ہر شخص کو اپنی عمارت کا ملبہ اٹھانیکا اختیار ہوتا ہے پس یہ زمین مساجد کیلئے وقف نہ تھی بلکہ عارضی طور پر دی گئی تھی جس پر مسلمانوں نے غصباً دعویٰ وقف کرلیا ہے، راجہ کے پاس اس دعویٰ کا کوئی تحریری ثبوت نہیں صرف ملٹری کا قانون دلیل میں پیش کرتا ہے اور یہ جگہ جہاں یہ مساجد ہیں ہمیشہ کیلئے فوج کی چھاؤنی نہیں ہے صرف بیس سال سے یہاں چھاؤنی ہے اور مساجد بعض سو برس کی بناء شدہ ہیں اس صورت میں ان مساجد کے وقف یا عدم وقف کے متعلق شرعی فتویٰ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً

مساجد متنازعہ شرعاً حقیقی اور شرعی مساجد ہیں جنکے متعلق قرآن شریف میں ارشاد ہے، وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بلاعین اور فرمان روایان مملکت اپنی مملکت کے شرعاً مالک نہیں ہوتے بلکہ بدون مالکیت محل تصرف میں متصرف ہوتے ہیں چنانچہ مِلک اور مالک کا فرق صریح اس پر دلالت کرتا ہے مالک وہ ہوتا ہے جو اپنی مملوکات میں بحیثیت مالکیت تصرف کرتا ہے اور ملک وہ ہوتا ہے جو اپنی مملکت میں بحیثیتِ تسلط باعتبار اوامر و نواہی و اعطاء و منع تصرف کرتا ہے نہ کہ باعتبار مالکیت، بادشاہ جس ملک کو فتح کرتے ہیں وہ فتح غنوۃً ہوتا ہے اسکی زمینیں اور جائیدادوں پر اور املاک کا انکو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے لوگوں پر تقسیم کردیں یا وہاں کے لوگوں کو ٹیکس لگاکر دیدیں اگر اپنے لوگوں کو دیں تو وہ انکی ملک میں داخل ہوجائینگی بلکہ جو شخص کسی افتادہ غیر مملوک زمین کو قابل کاشت بنائے

تو وہ اسکی ملک ہیں باذنِ فرمانروا داخل ہو جائیگی اور اگر صلحاً فتح ہوتا ہے تو اس مُلک کی مملوکات ان لوگوں کی جو وہاں رہتے ہیں ملک میں باقی رہتی ہے عالمگیری میں ہے

سلطان اذن لقوم ان یجعلوا ارضاً من ارض البلدة حوانیت موتوفة علی بعد وامرهم ان یریدوا فی مساجدهم تنظر ان کانت البلدة فتحت عنوةً یعنی رامره اذا کان لا یضر بالمارة لان البلدة اذا فتحت عنوةً صارت ملکًا للغزاة فجاز امر السلطان فیها وان فتحت صلحاً بقیت البلدة علی ملکهم فلم یجز امر السلطان فیها کذا فی محیط السرخسی وغیره (ص ۲۰۲ باب احکام المسجد کتاب الوقف)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مملوک زمین تو جب تک مالک کی طرف سے مسجد کا اعلان نہ ہو اور قولاً یا فعلاً مسجد نہ قرار دی جائے اور اس وقت تک مسجد نہ ہوگی، لیکن ان زمینوں میں جن پر کسی کی خاص مِلک نہیں اور والیانِ ملک کے تصرف میں وہ زمینیں ہیں انکی طرف سے اذن کے ساتھ یا بلا اذنِ صریح سکوت کے ساتھ جو مسجد بنائی جائیگی وہ مسجد ہوگی اور اس کے تمام احکام مسجد کے احکام ہونگے اور اسکا احترام قیامت تک واجب ہوگا خواہ وہ آباد ہو یا غیر آباد اور انپر کوئی تعمیر ہو یا نہ ہو، مساجد متنازعہ مسلمانوں نے اس زمین پر بنائیں جو فرمان روایانِ ملک کے تحتِ تصرف نہیں اور انکی عمارت پر خواہ خام تھی یا پختہ سو سال سے زائد گذر گئے اور فرمان روایانِ ملک کی طرف سے کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوا تو کم از کم یہ بدیہی امر ہے کہ فرمان روایان کی طرف سے اس پر سکوت رہا جو بمنزلہ اذن کے ہے،

بلکہ مہاراجہ حال کے بیان سے جو مکالمہ شائع ہوا ہے صاف ظاہر ہے کہ انکے بنانیکی مہاراجگان سابق نے ضرور اجازت دی تھی کیونکہ مہاراجہ حال فرماتے ہیں کہ ریاست میں عام حکم ہے کہ کوئی مسجد یا مندر راجہ کی اجازت کے بغیر تعمیر نہیں ہو سکتی اس سے صاف ثابت ہے کہ جب حکم عام ہے تو مساجد متنازعہ بالضرور اذن کے بغیر نہیں بنائی گئیں اور جب اذن سے بنائی گئیں تو وہ مساجد، مساجد ہو گئیں پس راجہ کی طرف سے یہ عذر کہ مساجد کی زمین راجہ کی ملکیت ہے اور نیز یہ عذر کہ ریاست نے مسجدوں کے لئے زمین نہیں دی تھی رسالہ کے افسر نے اپنی ذمہ داری پر بنوادی تھی قابل تسلیم نہیں اور نیز راجہ کی طرف سے یہ عذر کہ فوجی حدود میں تو فوجی قانون کے موافق کوئی زمین غیر فوجی اغراض کیلئے دوامًا نہیں دی جا سکتی یہ بھی

تسلیم نہیں اول یہ کہ یہ قانون محض ایک انگریزی قانون ہے۔ دوسرے یہ قانون حادث ہے اور جس زمانے میں مسجدیں بنی تھیں اس وقت یہ قانون نہیں تھا۔ تیسرے یہ کہ جو فوج اس احاطہ میں رکھی گئی تھی وہ کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، چوتھے یہ کہ باعتبار حکم شرعی کے اگر فوجی احاطوں میں فوج باذن اسی ملک میں مسجدیں بنالیں تو وہ مسجدیں دواماً مسجدیں رہینگی اگر یہ قانون ہمیشہ سے ہوتا۔ اور اس کا کچھ ثبوت ہوتا تو ضرور رہتا کہ راجہ کی طرف سے اپنی ثبوت میں اس قانون کو نکال کر وفد کو دکھلا دیتے اور زبانی کہنے پر اکتفا نہ کرتے اور نیز اگر کوئی ایسا قانون ہوتا تو ضروری تھی کہ وہ قانون سے زمین کی واپسی کے متعلق کوئی تحریری معاہدہ راجہ کے دفتر میں موجود ہوتا پس اس سے صاف ثابت ہے کہ مساجد متنازعہ باجازت مہاراجگانِ سابق بنائی گئی تھیں اور یہ مساجد حقیقی اور شرعی مساجد ہیں جنکا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل بطور ملکیت کے اور نقل و تصرف جائز نہیں اور تا قیامت ان کا احترام ضروری ہے۔

املاہ الاحقر الضعیف خلیل احمد عفی عنہ
بقلم ضیاء

عزیزم مولوی ظفر احمد صاحب مدفیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مساجد بہرنپور کے متعلق اور میری رائے یہی تھی کہ یہ مساجد حقیقی مساجد نہیں ہیں لیکن بعد غور میں نے اس رائے سے رجوع کیا اس کے متعلق جو میرے خیالات ہیں اس پرچہ میں لکھدئے ہیں آپ ہی دیکھ لیں اور حضرت کی خدمت میں بھی پیش کردیں فقط والسلام۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی الاسعاف (ص۱۳۴): ارأیت هذه الوقوف التی تقادم اهلها ومات الشهود الذین یشهدون علیها ما السبیل فیها قال): ما کان فی ایدی القضاة منها وما کان لها رسوم فی دواوین القضاة اجریت علی الرسوم الموجودة فی دواوینهم استحساناً اذا تنازع اهلها فیها ومالم یکن لها رسوم فی دواوینهم یعمل علیها فالقیاس فیها اذا تنازع القوم فیها ان یحملوا علی التثبیت فمن ثبت فی ذٰلک

شیئاً حکم لہ بہ اھ

اس نص کا مقتضایہ ہے کہ مساجد متنازعہ فیھا کو مساجد موتوفہ ہی قرار دیا جائے کیونکہ مساجد کا مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونا اور عامۃ المسلمین کا اسمیں آزادی کے ساتھ بالجہر نماز جمعہ وغیرہ ادا کرنا حکماً ایسا ہی ھے جیسا کہ کسی وقف پر قضاۃ المسلمین کا قبضہ ہو اور صورتِ نزاع میں راجہ نے اپنی ملک کا کوئی ثبوت نہیں دیا بجز اس کے کہ وہ اس قانون کی آڑ پکڑتا ہے فوجی بارک کی حدود میں کوئی زمین کسی کی ملک نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ دلیل ثبوت ملک راجہ کیلئے ناکافی ہے کیونکہ بہت دفعہ راجگان خلاف قاعدہ بھی جود وعطا کر دیتے ہیں تو ممکن ہے کہ اس قاعدہ کے خلاف راجگانِ سابقین نے یہ زمین مسلمانوں کو ھبہ کر دی ہو جسکی تائید مسلمانوں کی تعمیر مسجد و استحکام عمارات وغیرہ سے ہوتی ہے، واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال، نیز راجہ نے اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں دیا کہ ملٹری (فوجی) حدود میں کسی زمین کا کسی کے ملک میں نہ ہونیکا قانون ان مسجدوں کی بناء سے سابق ھے یا مسبوق ممکن ہے کہ بناء مساجد اس قانون سے متقدم ہو تو پھر یہ دلیل اصل ہی سے باطل ہو جائیگی اور اس کے ثبوت کے بعد بھی بوجہ احتمال سابق کے یہ قانون دلیلِ ابطالِ وقف نہیں بن سکتا جبتک کہ راجہ اس کا کافی ثبوت نہ دے کہ مسلمانوں نے غصباً اس زمین میں مساجد تعمیر کی ہیں

اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانوں نے ملک غیر ھی میں مساجد بنائی تھیں تو یہ وقف فضولی ہوا جو مالک کی اجازت کے بعد نافذ و صحیح ہو جاتا ہے۔

قال فی الاسعاف: فان قال قد جعلتُ ارض فلانٍ صدقۃ موقوفۃً للّٰہ عز وجل ابداً علی فقراء المسلمین فبلغ صاحب الارض ذالك فقال قد اجزت ما صنعه فلان فی ارضی قال: تکون وقفاً اھ (ص ۱۲۹)

قلت: ولا یشترط لوقف المسجد قوله وقفت بل یکفی له البناء واذن الناس فی الصلوٰۃ والجماعۃ کما سیأتی والاجازۃ من المالك کما تکون صراحۃً قد تکون دلالۃً ایضاً ومعاملۃ السلاطین الماضیۃ بالمتنازع فیه معاملۃ المساجد دلیل رضاھم بھذا الوقف۔

اور بقدر منزل اگر تسلیم کر لیا جائے کہ راجگان سابقین نے تعمیر مسجد کی تو اجازت

دیدی تھی لیکن زمین مسلمانوں کی ملک نہ تھی تب بھی یہ مساجد وقف ہیں جنکے انہدام کا راجہ کو کوئی حق نہیں، بہت سے بہت وہ مسلمانوں سے زمین کا کرایہ لے سکتا ہے کیونکہ اگر ارض غیر موقوف میں عمارت بنا کر عمارت کو وقف کر دیا جائے اور وہ عمارت مالک ارض کی اجازت سے ہوئی اور مالک بھی بادشاہ ہے اور زمین، ارضِ محتکرہ کی قبیل سے ہے تو وقفِ عمارت صحیح ہو جاتا ہے اور بادشاہ کو انہدام وقف کا کوئی حق نہیں رہتا

قال فی الدر: سئل قاری الهدایة عن وقف البناء والفراس بلا ارض فاجاب، الفتوىٰ علی صحة ذالك ورجحه شارح الوهبانية واقره المصنف معللاً بانه منقول فيه تعامل فيتعين به الانتاء اهـ

وفی رد المحتار وذکر فی اوقاف الخصاف: ان وقف حوانیت السوق یجوز ان کانت الارض باجارة فی ایدی الذین بنوها لایخرجهم السلطان عنها من قبل انا راینا ها فی ایدی اصحاب البناء تواارثوها وتقسم بینهم لا یتعرض لهم السلطان فیها ولایزعجهم وانما له غلة یأخذها منهم وتداولها خلف عن سلف ومضی علیها الدهور وهی فی ایدیهم یتبایعونها ویؤجرونها وتجوز فیها وصایاهم ویهدمون بناءها ویعیدونه ویبنون غیره فکذالك الوقف فیها جائز اهـ

میں کہتا ہوں کہ ملٹری حدود کی زمین بھی چھاونی میں رہنے والوں کو اسیطرح راجہ کی طرف سے دی جاتی ہے جیسا کہ ارضِ سوق کا حال عبارتِ ہذا میں مذکور ہے، پس ایسی زمین میں عمارت بنا کر اگر مسلمان وقف کر دیں تو عمارت وقف ہو جائیگی اور راجہ کو اس کے انہدام کا حق نہ ہوگا غایت ما فی الباب وہ کرایہ زمین کا لے سکتا ہے اور عمارت کا وقف ہونا ظاہر ہے، لکونها مسجد ایصل فیه المسلمون عامتهم، واللہ اعلم

قال فی العالمگیریة: من بنی مسجداً لم ینزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه ویأذن بالصلوة فیه اهـ (ص ۲۳۸ ج ۳)

قلت:- دل علی ان البناء وافرازه کافٍ ولا یشترط له القول فقط۔

مسجد کے حجروں کا مسجد سے الحاق اور بیع ارضِ موقوفہ علی المسجد برائے تعمیر

سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی بناءِ اول کے وقت جو حجرات بغرض سہولت امامان و متولیان و مسافر بنائے گئے تھے تنگی مسجد یا عدم تنگی کی صورت میں مسجد کے ساتھ ملائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) قطعہ سفید زمین قریباً چھ مرلے بنانے مسجد سے کچھ زمانہ بعد بغرضِ مفاد مسجد خریدی گئی یا مفت حاصل کی گئی پھر اس میں باوجود حجرات قدیمہ مقبوضہ متولیان و امامان ایک حجرہ اور بنایا گیا باقی زمین سفید پڑی رہی اور اس میں متولیان اور امامانِ مسجد اپنے جانور باندھتے رہتے ہیں اور اہل محلہ بھی عند الحاجت باجازتِ متولیان اسکو استعمال کرتے رہتے ہیں اور اسکی صفائی کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا مسجد کی عمارت کہنہ ہونے کے باعث متولیان و اہل محلہ اسکی تعمیر جدیدہ کا خیال رکھتے ہیں اور زمین مذکورہ کو فروخت کر کے اس کا زرِ ثمن مسجد پر لگانا چاہتے ہیں کیا اس صورت میں زمین مذکورہ کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ زمین معطل پڑی ہوئی ہے اور مسجد کی ضرورت ہے اور اہل محلہ بھی بیع کرنے کو پسند کرتے ہیں لہذا کوئی صورت جواز کی مل سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اس زمین سفید کی قیمت ڈیڑھ ہزار بلکہ دو ہزار فی مرلہ تک مل سکتی ہے مگر یکے از متولیان خود عالم فاضل ہیں اور بحیثیت متولی و امام ہونے کے عرصہ ۳۴ سال سے امامت کر رہے ہیں زمین مذکورہ کو اپنا رہائشی مکان بنانے کیلئے خریدنا چاہتے ہیں اس زمین کی قیمت میں رعایت خاص کے طالب ہو کر صرف ایک ہزار فی مرلہ دینا چاہتے ہیں۔ کیا شرعاً امام مذکور کو خاص رعایت پر دینی جائز ہے یا نہیں؟ امام مذکور کے پاس اپنا قدیم رہائشی مکان بیچنے کے باعث رقم بھی ہے اور قدیم مکان کے متصل دو ڈھائی مرلہ زمین ان کے پاس اور موجود ہے مگر اس کی تعمیر میں یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اس میں ہوا اور روشنی کا کافی انتظام نہیں نیز مسجد سے دور فاصلہ پر چھ مرلہ سفید زمین بھی ان کے پاس موجود ہے مولوی صاحب طالب رعایت فرماتے ہیں کہ اگر مجھے خاص رعایت نہ دی گئی تو میں اپنا مکان دور ہونے کے باعث امامت چھوڑ دونگا اور مسجد کی ویرانی ہوگی طول عمری اور جہاں مکان بنائینگے وہاں کے قریب مسجد کا حق انہیں یہاں آنیسے بخیال ان کے روکتا ہے تبلیغ و وعظ رُک جانے سے نقصان عظیم ہوگا؟

المستفتی: غلام احمد
مدرس چک صحرا

الجواب

(۱) جب مسجد میں تنگی کی وجہ سے گنجائش کم ہے تو پھر بوجہ ضرورت اُن حجروں کا ملانا جائز ہے، علامہ شامیؒ نے فتح القدیر سے نقل کیا ہے:

ولوضاق المسجد وبجنبه ارض وقف عليه اوحانوت جاز ان يوخذ ويدخل فيه. (شامی ج ۲ ـ ص ۳۸۴)

(۲) جو زمین مصالح مسجد کیلئے خریدی گئی یا کسی کی عطا کردہ ہے وہ بھی مسجد کی طرح وقف ہے پس جس طرح کہ مسجد کے حصوں میں سے کسی حصہ کی بیع جائز نہیں اسی طرح اس زمین کا بھی فروخت کرنا جائز نہیں، فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے وقف کی بیع کو ناجائز فرمایا ہے

قال فی البحر: وفی الخلاصة وفی فتاوی النسفی: بيع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا يجوز وان كان ذالك بامر القاضی ثم قال: ومن المشائخ من لم يجوز بيعه تعطل او لم يتعطل. (بحر الرائق)

وفی الشامی: ولا يملك اى لا يقبل التمليك بغيره بالبيع ونحوه، (شامی جلد ۳ ص ۳۵۷)

وفيه ايضاً ولذا قال فی القنية: فالبيع باطل ولو قضى القاضی لصحة.

کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی	الجواب صواب
دارالعلوم دیوبند	محمد انور عفا اللہ عنہ

جب بیع اسکی درست نہیں تو معلوم ہوا کہ متولیان اس کی بیع کی مزاحمت کرینگے اور یہ کسی اصلی قیمت یا رعایتی قیمت پر کسی طرح فروخت نہیں ہوسکتی، اور اماموں و متولیوں کو ایسے تصرفات جائز نہیں۔

الجواب صحیح

عزیز الرحمٰن

مفتی دارالعلوم دیوبند

رد المحتار جلد ثالث ص ۵۶۷: جاز بيع المصحف الخرق وشراء

اخر بثمنه ، شامی ص ۵۷۴ : باع الخشب وصرف الثمن الی مسجد آخر۔ اگر مسجد کے منافع کی ضرورت کیلئے وہ جگہ ضروری نہ ہو اور قیمت اچھی ملتی ہو اور مسجد کی بنا کی حاجت ہے تو میرے خیال میں جائز ہے کہ بیع کر کے مسجد کی بناء پر خرچ کریں مولوی صاحب جو مبالغ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ بھی قیمت میں مجرا کر دیں اور اہل محلہ کچھ چندہ کر کے مولوی صاحب کے ملک کر دیں پھر مولوی صاحب قیمت میں دیدیں۔ نقط

حسین علی بقلم خود
مقبول الرحمٰن ہزاروی عفی عنہ

اس زمین کی نسبت سوال میں واضح نہیں کیا گیا کہ وہ وقف علی المسجد کی گئی اور وقف کنندہ کون ہے متولیان کے بزرگان میں سے کسی نے اپنے ملک میں لاکر اپنی جانب سے وقف کی یا اصل مالک سے مسجد کیلئے وقف کرائی یا اصل مالک سے مسجد کیلئے بطور چندہ حاصل کر کے بیچ کر تعمیر مسجد پر لگائی جاتے یا سرے سے وقف ہی نہیں اصل مالک نے خیرات کر دی یا بزرگ متولیان نے اپنے ملک میں لاکر آئندہ کیلئے وصیت کر دی کہ جب ضرورت ہو بیچ کر مسجد پر صرف کی جائے اس لئے جواب میں تفصیل ہوگی اگر واقع میں یہ ٹکڑا بعد میں وقف کیا گیا اور اسکی تسجیل ہو گئی ہے تو اب وہ فروخت نہیں ہو سکتا کیونکہ وقف کے بارے میں مصرح ہے " فاذا تم لا یملك ولا یعار ولا یرهن تنویر الابصار "۔

اور اگر واقف نے اپنے بیان وقف میں صراحت کر دی ہو کہ اس کی بیع بھی کر کے محل حاجت پر صرف کیا جائے تو یہ وقف نہیں ہوگا بلکہ وصیت ہو جائیگی " وشرطه شرط سائر التبرعات ای ان قال ولا ذکر معه اشتراط بیعه وصرف ثمنه لحاجته فان ذکر بطل وقفه ، بزازیہ در المختار "۔ اگر وقف کی تسجیل از جانب قاضی و حاکم نہ ہوئی ہو تو قاضی و حاکم وقف کنندہ کی اولاد میں سے کسی کو بیع کی اجازت دے سکتے ہیں ، درمختار میں ہے ۔

اطلق القاضی بیع الوقف غیر المسجل لوارث الواقف فباع صح وکان حکماً ببطلان الوقف لعدم تسجیله حتی لو باعه الواقف او

بعده او رجع عنه او وقفه لجهة اخریٰ حکم بالثانی قبل الحکم بالثانی ومر الاول صح الثانی لوقوعه فی محل الاجتهاد کما حققه المصنف (الی ان قال): ولو اطلق ای بغیر الوارث لا یصح بیعه لانه اذا بطل عاد الی ملك الوارث وبیع مال الغیر لا یجوز،

اور اگر وقف نہیں بلکہ مسجد کیلئے خیرات کیا گیا جس طرح بھی کام آئیگی، تو بمنزلہ وصیت ہے اسکی فروختگی قیم مسجد کے اختیار میں نہیں شرعاً اس میں کوئی مبالغت نہیں اور جو مال مسجد کے مفاد کیلئے ہو وہ مسجد کے شعائر پر صرف کیا جائیگا اور امام مسجد اس کے شعائر میں سے ہے۔ درمختار میں ہے:

الشعائر التی تقدم شرطه لم یشترط بعد العمارت هی امام وخطیب ومدرس ووقاد وخراش ومؤذن وناظر وثمن وزیت وقنادیل وحصیر۔

امام کے ساتھ رعایت گویا عمارت وآبادی مسجد کے خاطر ہے پس جو چیز مفاد مسجد کیلئے ہو اس میں امام کیلئے رعایت جائز ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس استحقاق کو امام صاحب تغلب کا حیلہ نہ بنائیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حمید الدین از مانسہرہ

الجواب من جامع امداد الاحکام

اول یہ جاننا چاہئے کہ خود مسجد کا حکم الگ ہے اور اوقاف مسجد کا حکم الگ ہے مسجد کے متعلق تو مفتیٰ بہ یہ ہے کہ باوجود خراب ہو جانیکے اور مستغنی عنہ ہو جانے کے بیع نہیں ہو سکتی باقی اوقافِ مسجد کا حکم دیگر اوقاف کا حکم ہے۔

قال الشامی، وفی البرجندی:- والظاهر ان حکم عمارة اوقاف المسجد والحوض، والبئر وامثالها حکم الوقف علی الفقراء (ص۵۹۱ ج۳)

وفیه: وقال الناطفی: القیاس فی المسجد ان یجوز اجارة سطحه لمرمته محیط، وقال الدر: ومثله فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنهما وکذا الرباط والبئر

اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر الی اقرب مسجد اورباط او بئر اوحوض الیه اھ (ص ۵۷۴ ج ۳)

تو جب ایک مسجد کے وقف کو بوقتِ استغناء دوسری مسجد میں صرف کردینا جائز ہے تو خود اسی مسجد کے وقف کو اس میں صرف کردینا کیوں جائز نہ ہوگا اور جب وقف معطل ہوجائے تو باذن قاضی یا برضاء اہل محلہ اسکو بیع کرکے بھی مسجد میں لگادینا جائز ہے

قال صاحب الشامیة فی بیان الاستبدال بالوقف وبیعه: اعلم! ان الاستبدال علی وجوه الاول ان یشترطه الواقف لنفسه ولغیره او لنفسه وغیره فالاستبدال جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً والثانی ان لا یشترط لکن صار بحیث لا ینتفی به بالکلیة بان لا یحصل منه شئی اصلاً اولا یفی بمؤنته فهو ایضاً جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه اھ (ص ۵۹۱ ج ۳)

قلت: واذا لم یوجد القاضی تقوم الحاکمة مقامه کما عرف

پس اس وقف کو بیع کرکے بجائے اس کے مسجد کی عمارت جدید بنادینا ہمارے نزدیک جائز ہے جبکہ وہ زمین مسجد سے بیکار ومعطل ہے اور مسجد کو تجدید کی ضرورت ہے باقی متولی کو یہ جائز نہیں کہ اسکو امام کے ہاتھ غبن فاحش سے بیع کرے پس ڈیڑھ ہزار کی زمین کو ہزار میں بیع کرنا غبن فاحش ہے بلکہ جو کوئی زیادہ قیمت دے اس کے ہاتھ بیع کرنا چاہئے اور امام کو اگر امداد کی حاجت ہو تو مسلمان اسکی امداد کریں مسجد کے مال میں کیوں طمع کی جاتی ہے۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۳ر محرم ۴۴ھ

الحارس عن بعض مضائق المدارس | سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک شخص نے مثلاً ایک ہزار رقم ایک مدرسہ دینیہ کے شعبہ تالیف کے لئے شروط ذیل پر وقف کیا یہ وقف صحیح ہوگیا یا نہیں؟

(۱) تالیف دینیات کے مصارف اسمیں سے ادا کئے جائیں۔

(۲) اور جو مؤلفات تیار ہوں ان کو طبع کرایا جائے۔

(۳) اور ان مطبوعات کو فروخت کرکے انکی قیمت کو پھر اسی مد میں جمع کردیا جائے اور اسیطرح اس سے دوسرے مؤلفات تیار کی جائیں تالیفاً بھی طبعاً بھی وھکذا الی ماشاء اللہ۔

(۴) اور ان مطبوعات میں سے جتنے نسخے متولی صاحب مدارس دینیہ میں وقف کے طور پر داخل کردے۔

(۵) اور جو نسخے فروخت نہ ہوں خواہ ان نسخوں کو دوسری کتب دینیہ سے بدل کر اسی مدرسہ میں وقف کردیں۔

(۶) خواہ مساکین اھل علم پر تقسیم کردیں۔

(۷) اسیطرح جب اس سلسلہ کو بند کرنا سمجھے اور اس مد میں جو نقد موجود ہو اس کی کتابیں خرید کر مدرسہ میں وقف کردیں۔

سوال: (۲) مدارس میں جو رقوم یہ کہکر دی جاتی ہیں کہ ہم یہ رقم مدرسہ میں دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے نیز اسکی حقیقت کیا ہے؟ یہ وقف ہے یا ھبہ؟

الجواب

قال الشامی: قلت: ان الدراھم لا تتعین فھی وان کانت لا ینتفع بھا مع بقاء عینھا لکن بدلھا قائم مقامھا لعدم تعینھا فکانھا باقیۃ ولا شک فی کونھا من المنقول فحیث جری فیھا تعامل دخلت فیما اجازہ محمد قال فی الفتح: ان بعض المشائخ زاد واشیاء من المنقول علی ماذکرہ محمد لما رأوجریان التعامل فیھا (الی ان قال) وقف الدراھم والدنانیر تعورف فی الدیار الرومیۃ اھ (ص ۵۷۹ ج ۳)

وفی الدر: وان وقف (المصحف) علی المسجد جاز ویقرأ فیہ (وفی موضع آخر) ولا یکون محصوراً علی ھذا المسجد اھ

عہ ھذا اللفظ زادہ الشامی من الخلاصۃ وصرح بان حذفہ خطأ۔

قال الشامی: والاول هو الظاهر حیث کان الواقف عین ذالك المسجد ثم قال علی ذالك وقف الکتب ایضًا قال واما نقلها منه نفیه تردد نا شئ مما قدمه عن الخلاصة من حکایة القولین من انه لو وقف المصحف علی المسجد ای بلا تعیین اهله قیل یقرأ فیه ای یختص باهله المترددین الیه وقیل لا یختص به وقد علمت تقویة القول الاول بما مر عن القنیة اهـ (ص ٥٨١ و ٥٨٢ ج ٣)

وفی الهندیة: ذکر الناطفی: اذا وقف مالًا لاصلاح المساجد یجوز وان وقف لبناء القناطیر اولاصلاح الطریق اولحفر القبور واتخاذ السقایات للمسلمین اولشراء الاکفان لهم لا یجوز وهو جائز للفتوی کما فی قاضی خان اهـ (ص ٢٠٢ ج ٣)

وفی الخانیة: وقف ضیعة ولم یذکر حکمها اذا خلت عن اهلها قال الامام ابو بکر محمد بن الفضل ان کان الواقف جعلها وقفًا فی صحته وحیوته وقال وقفت هذه الضیعة علی مسجد کذا ولم یزد علی هذا ولم یجعل الوقف بلفظ الصدقة صح وتصرف الی الفقراء ولم یکن للورثة حق اهـ (ص ٢٩٩ ج ٣)

وفی الهندیة: ولو قال وهبت داری للمسجد او اعطیتها له صح ویکون تملیکًا ویشترط التسلیم کما لو قال وقفت هذه المأة للمسجد یصح بطریق التملیك اذا سلمه للقیم کذا فی الفتاوی العتابیة اهـ

وفیه ایضًا: تبله بشئ، رجل اعطی دراهما فی عمارة المسجد او نفقة المسجد او مصالح المسجد صح لانه ان کان لا یمکن تصحیحه وقفًا یمکن تصحیحه تملیکًا بالهبة للمسجد واثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیة اهـ (ص ٢٤٠ ج ٣)

وفی الحامدیة: وقد صرحوا بان المتولی کالوکیل فی مواضع ووقع الخلاف فی ان المتولی وکیل الواقف او وکیل الفقراء فقال: ابو یوسف بالاول وقال محمد بالثانی اهـ (ص ٢٠٢ ج ١)

قلت : قال فى الدر: للواقف عزل الناظر مطلقاً به يفتى ، قال الشامى: اى سواء كان بجنحتة اولا وسواء كان شرط العزل اولا وهذا عند ابى يوسف لانه وكيل عنه وخالفه محمد كما فى البحر اى لانه وكيل الفقراء عنده اهر قوله به يفتى) والذى فى التجنيس والفتوى على قول محمد اى بعدم العزل عند عدم الشرط وجزم به فى تصحيح القدورى للعلامة قاسم وكذالك المؤلف اى ابن نجيم فى رسائله وهو من باب الاختلاف فى الاختيار اهر، بيرى اى فيه اختلاف التصحيح ـــــ قلت : وهو مبنى على الاختلاف فى اشتراط التسليم اى المتولى فانه شرط عند محمد فلا تبقى للواقف ولاية الا بالشرط وغير مشروط عند ابى يوسف فتبقى ولايته فاختلاف التصحيح هنا مبنى على اختلافه هناك اهـ

(ص ٦٣٨ ج ٣)

قلت : ولا بد من اختيار قول محمد فى كون المتولى وكيلا عن الفقراء فى وقف الدراهم والدنانير لان جوازه مبنى على قوله فيراعى ما كان شرائطه عنده والا لزم التلفيق وهو باطل هذا اذا كانت الدراهم والدنانير وقفها المعطى على المدرسة او وهبها لها وان اعطاها المتولى لاداء الزكوٰة ففيه تامل وسنبحث عنه. وقال فى الهندية : وعندهما هو حبس العين على حكم ملك الله تعالى

عه فيه انه ليس من الحكم المفاق الذى نقل العلامة قاسم انه باطل بالاجماع لان المراد بما جزم ببطلانه ما اذا كان من مذاهب متبائنة بخلاف ما اذا كان ملفقاً من اقوال اصحاب المذهب الواحد فانها لا تخرج عن المذهب فان اقوال ابى يوسف ومحمد وغيرهما مبنية على قواعد ابى حنيفة او هى اقوال مروية عنه وانما نسبت اليهم لا اليه لاستنباطهم لها من قواعده اولاختيارهم اياها قاله ابن عابدين فى تنقيح الفتاوى الحامدية (ص ١٠٩ ج ١) ظفر

على وجه يعود منفعته الى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا فى الهداية، وفى العيون والتتمية: ان الفتوىٰ على قولها كذا فى شرح الشيخ ابى المكارم للنقاية۔

وفيه ايضاً: واذا كان الملك يزول عندهما يزول بالقول عند ابى يوسف وهو قول الائمة الثلثة وهو قول اكثر اهل العلم وعليه الفتوىٰ كذا فى فتح القدير، وعليه الفتوىٰ كذا فى سراج الوهاج وقال محمد لا يزول حتى يجعل للوقف ولياً ويسلم اليه وعليه الفتوىٰ، كذا فى السراجية، وبقول محمد يفتىٰ كذا فى الخلاصة اهـ (ص ١٩٨ ج ٣)

وفى الدر: ولو خلط زكوٰة موكليه ضمن وكان متبرعاً الا اذا وكله الفقراء اهـ ــــ قال الشامى: (قوله وكان متبرعاً ــــ الخ) لانه ملكه بالخلط وصار مؤدياً مال نفسه قال فى التتارخانية: الا اذا وجد الاذن او اجاز المالك اهـ اى اجاز قبل الدفع الى الفقير لما فى البحر: لو ادّى زكوٰة غيره بغير امره فبلغه فاجازه لم يجز لانها وجدت نفلاً على المتصدق لانه ملكه ولم يقض نائباً عن غيره فنفذت عليه اهـ، لكن قد يقال تجزئ عن الآمر مطلقاً لبناء الاذن بالدفع ثم ذكر جزئية عن التتارخانية وقال: ويتصل بهذا العالم اذا سأل للفقراء شيئاً وخلط بضمن

قلت: ومقتضاه انه لو وجد العرف (بالخلط) فلا ضمان لوجود الاذن حينئذٍ دلالةً والظاهر انه لا بد من علم المالك بهذا العرف ليكون اذناً منه دلالةً اهـ (ص ١٧ ج ٢)

وفى الاشباه مع الحموى: وتقريره عليه عجل الشاة عن اربعين وتم الحول وعنده تسعة وثلثون (اى اقل من النصاب) ان دفعها للفقراء لا يسترد ها مطلقاً يعنى سواء كان ما دفعه قائماً فى يد الفقير او غير قائم۔ وانما لا يسترد ها لانها وقعت نفلاً وان دفعها الى الساعى استردها ان كان ما دفعه قائماً وان كا ما دفعه

غیر قائم بان قسمها الساعی بین الفقراء ضمنها من الزکوٰۃ عند الامام وابی یوسف خلافاً لمحمّد اھ (ص ۱۳۸)

قلت: وھذا یفید ان الساعی لیس وکیلاً عن الفقراء من کل وجہ الا کان قیام الزکوٰۃ فی یدہ کقیامھا فی ید الفقیر ولم یکن للمالک حق الاسترداد مطلقاً لا من الفقیر ولا من الساعی ولکن صرح فی رد المحتار: انّ مال الزکوٰۃ لو ضاع من ید الساعی سقطت عن المعطی لان یدہ کید الفقیر (ص ۱۸ ج ۲) ـــــ ولعلہ فرق بین التعجیل وبین الاداء بعد الوجوب وحولان الحول۔ واللہ اعلم۔

وذکر فی رد المحتار فی معنی التابید: واشتراط تفصیلاً حسناً حاصلہ ان التابید شرط بالاجماع الا ان ذکرہ لا یشترط عند ابی یوسف لان لفظ الوقف والصدقۃ منبئ عنہ ولھذا قال فی الکتاب وصار بعدھا للفقراء وان لم یسمّھم وھذا ھو الصحیح وعند محمد ذکرہ شرط ھذا اذا ذکر لفظ الوقف والصدقۃ معاً واذا ذکر لفظ الوقف فقط فکذا ان لم یعین الموقوف علیہ لانصرافہ الی الفقراء عرفاً فھو مؤبد وان قال: صدقۃ موقوفۃ علی فلان فانہ وان قید بمعین لکنہ مطلق لان الصدقۃ للفقراء فکأنہ قال: وبعد فلان فعلی الفقراء لکن اذا لم یتید بمعین فھو مؤبد بلا خلاف فیصح عند محمد ایضاً. قال الشامی: والحاصل انہ لا خلاف عندھما فی صحۃ الوقف مع عدم تعیین الموقوف علیہ اذا ذکر لفظ التابید او ما فی معناہ کالفقراء وکلفظہ صدقۃ موقوفۃ وکموقوفۃ للہ تعالیٰ وکموقوفۃ علی وجوہ البر لانہ عبارۃ عن الصدقۃ وکذا موقوفۃ علی الجھاد او علی اکفان الموتیٰ کما فی الخانیۃ وانہ لا خلاف بینھما فی بطلانہ لو اقتصر علی لفظ موقوفۃ مع التعیین۔ کموقوفۃ علی زید وانما الخلاف بینھما لو اقتصر (علی لفظ موقوفۃ) بلا تعیین او جمع (بین الصدقۃ والوقف) مع التعیین کصدقۃ موقوفۃ علی فلان فعند

ابی یوسف یصح ثم یعود الی الفقراء وھو المعتمد اھ(ص ۵۶۵ و ۵۶۶ ج ۳)

وفیہ ایضاً عن الاشباہ معزیاً الی السبکی فرع حدث فی الاعصار القریبۃ: وقف کتب شرط الواقف ان لا تعار الا برھن او لا تخرج اصلاً والذی اقول فی ھذا ان الرھن لا یصح بھا لانھا غیر مضمونۃ فی ید الموقوف علیہ ولا یقال لھا عاریۃ ایضاً بل الآخذ لھا ان کان من اھل الوقف استحق الانتفاع وبیدہ علیھا ید امانۃ فشرط اخذ الرھن علیھا فاسد وان اعطی کان رھنا فاسداً ویکون فی ید خازن الکتب امانۃ اھ(ص ۵۶۷ ج ۳)

اس کے بعد اب جواب حسب ذیل ہے۔

وقف دراھم ودنانیر جائز ہے خواہ بطور مضاربت کے ہو جیسا کہ امام زفرؒ سے منقول ہے، صرح بہ فی الشامی (ص ۵۷۹ ج ۳) یا اس طور سے ہو کہ دراھم ودنانیر سے کوئی عین حاصل کرکے اس کو وقف کر دیا جائے مثلاً روپئے اسلئے وقف کئے کہ کتابیں حاصل کرکے وقف کی جائیں تو وہ بدل قائم مقام دراھم کا ہو کر وقف ہو جائیگا، ملاحظہ ہو جزئیہ اولیٰ پس شرط اول صحیح ہے، لکو نہ نظیر الوقف شراء الاکفان وشراء الکتب وھی من وجوہ البر فیدخل بحکم الجزئیۃ الثالثۃ، مگر بہتر یہ ہے کہ اس کی تصریح کر دی جائے کہ جو مؤلفات تیار ہونگی وہ مدرسہ پر وقف ہونگی اور عدم تصریح کی صورت میں بھی وقف ہونگی کیونکہ مال موقوف کا بدل ہے اور تابید کیلئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لفظاً وقف تنہا کافی ہے پس یہ مؤلفات دائماً وقف ہونگے اسمیں میراث وغیرہ کا اجراء نہ ہوگا اور تابید کیلئے ان مؤلفات ہی کا دائماً وقف رہنا کافی ہے جب مؤلفات میں رقم صرف ہو کر ختم ہو جائے تو اس سے وقف کا انقطاع نہ ہوگا کیونکہ وقف کتب کو وقف منقطع نہیں مانا گیا بلکہ مؤبد مانا گیا ہے ملاحظہ ہو جزئیہ ثانیہ۔

رہی شرط دوم ۲ وسوم ۳ یہ بھی صحیح ہے کیونکہ یہ بھی مثل شراء اکفان کے وجوہ برّ ہی سے ہے اور جو کتب مطبوع ہونگی وہ بھی وقف ہونگی لکونھا بدلاً من المال الموقوف، اور وقف میں استبدال کی شرط کر لینا واقف کو جائز ہے

اذا کان الاستبدال خیراً ولاشك فی خیریۃ الاستبدال الدراھم بالکتب والکتب بالدراھم لکونہ سبباً لامتداد ھذا الامر الدینی ای تالیف الکتب، پس یہ کہنا کہ انکو فروخت کرکے پھر اسکی قیمت کو اس مد میں رکھا جائے شرط صحیح ہے اور اب بجائے کتب کے وہ رقم وقف ہو جائیگی نیز شرط رابع و خامس بھی صحیح ہے کیونکہ یہ کتب مطبوعہ مال وقف ہے اور اس کے لئے تعیین محل اگر نہ کی جائے تو کسی محل خاص کے ساتھ متعین نہ ہوگا اور گو رقم کو ایک خاص مدرسہ کیلئے وقف کیا گیا ہے مگر اس سے کتب حاصلہ یا رقم کا اس مدرسہ کے ساتھ مخصوص ہونا جب لازم آتا جبکہ واقف تعمیم محل کی صراحت نہ کرتا اور یہاں کتب مطبوعہ میں اسکی اجازت صراحۃً ہے پس رقم میں تصرف اور تالیف کرانیکا اختیار تو اسی مدرسہ کے ساتھ مقید ہے اور کتب مطبوعہ میں تعمیم رہیگی اور اس سے تابید کا انقطاع نہ ہوگا کیونکہ یہ کتابیں وقف ہی ہونگی نہ کہ ملک، البتہ شرط ششم درست نہیں کیونکہ جب یہ کتابیں وقف ہیں تو انکی تقسیم تملیکاً نہیں ہوسکتی البتہ قبضہ متولیانہ کرنے کے طور پر اہل علم انکو لے سکتے ہیں جیسا کہ جزئیہ ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب وقف کو جو کوئی لیگا وہ اسی کے ہاتھ میں امانت ہونگی اور اگر تصرف طبع وغیرہ کو بطور مضاربت کے مانا جائے نہ بطور استبدال کے تو جب بھی طلباء و علماء کتب مطبوعہ کی تقسیم کرنا مطلقاً درست نہیں بلکہ اس قید کے ساتھ درست ہے کہ تصدق ربح میں سے ہو صرح بہ الشامی (ص ۵۷۹ ج ۳) شرط سابع میں بھی یہی کلام ہے کہ ان کتب کی تقسیم کرنیکا اختیار دینا صحیح نہیں ہاں تقسیم بھی وقتاً ہو تو درست ہے یا تصدق ربح میں سے ہو۔

رہا یہ کہ دراھم زوائد جو مدارس میں دئے جاتے ہیں ان سے معطی کی ملک زائل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ —— اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو رقم یہ کہکر دی جائے کہ ہم اسکو مصالح مدرسہ پر وقف کرتے ہیں یا یہ کہکر دی جائے کہ یہ رقم ہم مدرسہ میں دیتے ہیں ان دونوں صورتوں میں قبضۂ متولی سے وہ رقم ملک معطی سے خارج ہو جائیگی، اما الاول فلکونہ وقفاً صحیحاً عند محمد والوقف یتم ویلزم عندہ بالتسلیم وقد وجد۔ واما الثانی

فلکونہ تملیکاً للمدرسۃ وقد صرحوا بجواز الھبۃ للمسجد وانہ تملیک لہ فکذا ھذا فان قیل: المسجد لیس باھل للملک فکیف یکون تملیکاً۔ قلت: نعم؛ کونہ تملیکاً خلاف القیاس ولذا لا یجوز دفع الزکوٰۃ فی بناء المسجد ومصالحہ ومعناہ انہ وقف من وجہ حیث یخرج عن ملک المعطی بمجرد الاعطاء والتسلیم وھبہ من وجہ حیث لم یشترط فیہ بقاء العین او بدلہ فھذا قسم جدید للصدقۃ متوسط بین الوقف والصدقۃ یستثنی من احکامھما وقلنا بہ علیٰ خلاف القیاس لاجل التعامل استحساناً فلم یقبل من السلف انھم امروا باجراء الارث فیما اعطیٰ للمسجد ولم یصرف بعد، واللہ اعلم۔ ملاحظہ ہو جزئیہ اولیٰ ورابعہ وسابعہ وخامسہ اور جو رقم یہ کہکر دی جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اسکو مستحقین طلبہ وغیرہ میں صرف کردیا جائے آیمیں متولی کے قبض سے ملک معطی زائل نہوگی بلکہ تقسیم للفقراء سے ملک زائل ہوجائیگی اور باھم اموالِ زکوٰۃ کے خلط سے ضامن ہوگا، لان الخلط استھلاک، اب اگر یہ خلط باذن ہوا ہے تب تو متولی ضامن نہ ہوگا اور اس کا بعد میں زکوٰۃ ادا کرنا ایسا ہوگا جیسا کہ کسی کے امر سے اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے کہ اس صورت میں اداء غیر سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے متبرع فی الاداء نہ ہوگا۔ اور اگر بلا اذن خلط کیا ہے تو ضامن ہوگا اب اگر قبلِ ادا اذن ہوگیا تب بھی ضامن نہیں ورنہ اس کا اور تبرع ہے اور ضمان اسپر باقی ہے ملاحظہ ہو جزئیہ ۸

واللہ اعلم

۲۲ر صفر ۴۴ھ

(تتمہ)

مدت سے یہ خلجان چلا آرہا تھا کہ مدارس اور مساجد میں جو رقوم یہ کہکر دی جاتی ہیں کہ یہ رقم مدرسہ یا مسجد میں دینی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ کس عقد میں داخل ہے اگر یہ وقف ہے تو وقف کے لئے تابید شرط ہے کہ عین یا اس کا بدل باقی رہے اور یہاں یہ صورت نہیں بلکہ یہ رقوم تنخواہ مدرسین اور وظائف

طلبہ اور تنخواہ امام ومؤذن اور چراغ وتیل میں صرف کی جاتی ہے جس میں بقاء عین یا بدل نہیں ہوتا اور اگر یہ ھبہ ہے تو ھبہ کس کو ہے اگر مدرسہ اور مسجد کو ھبہ ہے تو ان میں موھوب لہ ہونیکی قابلیت کہاں ہے، دوسرے ھبہ کے احکام میں سے یہ ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہوجائے اور اگر اس میں قبضہ کی قابلیت نہیں تو جب تک اس کے مصالح میں صرف نہ ہوجائے اس وقت تک مِلک واھب باقی رہتی ہے تو چاھئے کہ یہ رقوم واھبین کی ملک میں وقتِ صرف تک باقی رہیں اور اس درمیان میں اگر کوئی واھب مرجائے تو اس کی رقم میراث جاری ہونا چاھئے اگر یہ کہا جائے کہ متولی ومہتمم فقراء کا وکیل ہے تو اس میں اولاً تو یہ کلام ہے کہ رقوم مساجد میں متولی کا وکیل فقراء ہونا محل تامل ہے دوسرے اگر وہ وکیلِ فقراء ھے تو موکل مجھول ہے اور وکالت عن المجھول صحیح نہیں اور اسکو وکالت امام وقاضی پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ وہاں ولایت عامہ ہے یہاں یہ بھی نہیں پھر وکالت من الفقراء کو تسلیم بھی کیا جائے تو چاھئے کہ رقوم زکوٰۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ میں مہتمم مدرسہ کو تملیک کی ضرورت نہ ہونا چاھئے بلکہ محض اسی کے قبضہ سے زکوٰۃ ادا ہوجانا چاھئے۔ کما قالوہ فی الساعی ان یدہ کید الفقیر، حالانکہ قاطبۃً عمل کے خلاف ہے پھر چاھئے کہ جب مہتمم کے پاس اتنی رقم ہوجائے جس سے ہر فقیر کے حصہ میں قدر نصاب پہونچ جائے تو اب آئندہ اسکو قبولِ زکوٰۃ جائز نہ ہو اور عمل قاطبۃً اس کے بھی خلاف ہے۔ اور اگر وکیل واھب ہے تو اس کا قبضہ واھب کا قبضہ ہے اس کے قبضہ سے رقم ملک سے نہ نکلنا چاھئے آج مدت کے بعد یہ اشکال اسطرح حل ہوا کہ فقہاء نے ھبہ للمسجد کو صحیح مانا ہے جیساکہ یہ الفاظ اسپر دال ہیں،

لانہ ان کان لا یمکن تصحیحہ وقفاً یمکن تصحیحہ تملیکاً بالھبۃ للمسجد واثبات الملک للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح اھ چونکہ یہ وقف نہیں اسلئے بقاء عین وبدل ضروری نہیں اور چونکہ ھبہ ہے اسلئے قبض متولی شرط ہے اور بعد قبضِ متولی ملک معطی زائل ہوجائے گی۔ رہا یہ کہ زوال ملک معطی کے بعد پھر یہ کس کی ملک میں داخل ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ گو

وقف کے سوا صدقات وھبات میں کوئی نظیر ایسی نہیں جس میں زوالِ ملکِ مالک کے بعد کسی کی بھی ملک ثابت نہ ہو لیکن جب فقہاء نے اسکو ھبہ مان لیا ہے اور ظاہر ہے کہ بعد قبض متولی کے یہاں کسی اور کی ملک بھی ثابت نہیں کیونکہ مسجد صالح ملک نہیں لیکن فقہاء اسکو تملیک مسجد قرار دیتے ہیں تو ظاہر یہ ہے کہ یہ عقد کی جدید قسم ہے جو وقف وھبہ کے بین بین ہے اور دونوں کے احکام فی الجملہ اس کیلئے ثابت ہیں ھبہ کے احکام تو اسطرح ثابت ہیں کہ مجرد قول سے مِلک معطی زائل نہیں ہوتی بلکہ قبض وتسلیم متولی شرط ہے بخلاف الوقف نیز اس کے عین وبدل کا بقاء شرط نہیں بخلاف الوقف اور وقف کے مشابہ اس امر میں ہے کہ بعد قبض متولی یہ موھوب ملکِ واھب سے نکل کر ملک اللہ میں داخل ہوجاتا ہے اور گو ھبہ میں ایسا ہونا خلاف قیاس ہے مگر تعامل کی وجہ سے یہاں قیاس کو ترک کر دیا گیا کیونکہ امت کا عمل بلا نکیر اس پر ہے کہ موھوب للمسجد وموھوب للمدرسہ میں قبض متولی سے ملکِ واھب کو منقطع مانتی ہیں سلف میں سے کسی نے اسمیں اجراء میراث یا وجوبِ زکوٰۃ وغیرھما کا امر نہیں کیا جبکہ وہ رقم موت واھب تک صرف نہ ہوئی ہو اور سلف سے تساہل بعید ہے خصوصاً تساہل عام اسلئے ماننا پڑیگا کہ تعامل کی وجہ سے فقہاء نے ھبہ کی اس جدید قسم کو صحیح مان لیا جو من وجہ وقف ہے اور من وجہ ھبہ ہے اور چونکہ اموالِ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کے متعلق فقہاء کی تصریح موجود ہے کہ ان کو تملیکاً للمسجد دینا جائز نہیں، والمدرسۃ فی حکمہا بلکہ تملیک فقیر کو صراحۃً جائز کہا ہے اس لئے ان اموال میں یہ بھی نہ کہا جائے گا کہ مجرد اعطاء فی المدرسۃ سے ملک معطی زائل ہوجائے گی بلکہ یہاں صرف الی الفقراء ہی سے زوالِ ملک کا تحقق ہوگا پس مہتمان مدارس کو لازم ہے کہ اموالِ زکوٰۃ میں یا تو معاً تملیک کو جاری کر دیا کریں یا دینے والے کی حیات وموت کا پتہ لگاتے رہیں اور اگر مزکی کی موت تک رقم زکوٰۃ صرف نہ ہوئی ہو تو ورثہ کو واپس کیا جائے، الا ان یجیز الورثۃ الکل او البعض وھم بالغون، افاد ذالک کلہ الشیخ دام علاہ۔

حکم انقاض مسجد اور ایک مسجد کا مال دوسرے پر صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک مسجد کا بچا ہوا مال از قسم اینٹ لکڑی وغیرہ اس مسجد میں جو حضور

ناتمام ہے اور غلبہ کفار سے قریب بہ انہدام ہے لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح پہلی مسجد کی آمدنی سے مثلاً کرایہ مکان یا چندہ مسلمانان میں سے اس پُرخطر مسجد میں لگانا اور اسکو مسجد کی اصلی صورت میں لانا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) خلاصہ یہ کہ ایک مسجد کی آمدنی اشیاء زائدہ دوسری مسجد نو تعمیر میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور خصوصاً اس وقت جبکہ چند در چند مشکلات کا سامنا ہوگا۔

مسجد اول سالہا سال سے مکمل اور بفضلہ تعالیٰ آباد ہے جمعہ اور جماعات برابر اور بلا تکلف ہوتے ہیں، اینٹ مذکور محض مسجد اول کے متعلق مکانات بنوانے یا مرمتِ مکانات کرنے کیلئے خریدی گئی تھی، نفس مسجد کی کسی جُزء میں لگانا مقصود نہیں تھا۔ مہربانی فرماکر جواب باصواب سے بہت جلد مطلع فرمائیں، نہایت ضروری مسئلہ ہے۔ بینوا توجروا۔ علیم اللہ، ضلع گورکھپور

الجواب

فی العالمگیریۃ: واذا خرب المسجد واستغنیٰ عنہ اھلہ وصار بحیث لا یصلی فیہ قیل ھو مسجد ابداً وھو الاصح کذا فی خزانۃ المفتیین و فی فتاوی الحجۃ لو صار احد المسجدین قدیماً وتداعی الی الخراب فاراد اھل السکۃ بیع القدیم وصرفہ فی المسجد الجدید لا یجوز اما علی قول ابی یوسفؒ فلان المسجد وان خرب واستغنیٰ عنہ اھلہ لا یعود الی ملک الباني واما علی قول محمدؒ وان عاد بعد الاستغناء ولکن الی ملک الباني وورثتہ فلا یکون لاھل المسجد علی کلا القولین ولایۃ البیع والفتویٰ علی قول ابی یوسف اھ (ص ۲۳۹ ج ۳)۔

وفیہ ایضاً: مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت من غلتھا ثم نابت الاسلام نائبۃ مثل حادثۃ الروم واحتیج الی النفقۃ فی تلک الحادثۃ ان لم یکن للمسجد حاجۃ للحال فللقاضی ان یصرف فی ذالک لکن علی وجہ القرض اھ (ص ۲۴۲ ج ۳)

وفیہ ایضاً:۔ (ص ۲۴۴ ج ۳) سئل شمس الائمۃ الحلوانیؒ عن مسجد او حوضٍ خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس ھل للقاضی ان یصرف

اوقافه الی مسجد آخر او حوض آخر قال نعم، اھ

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسجد اجڑ جائے تو اسکی رقم دوسری مسجد میں نہیں لگائی جاسکتی اور اس کا ملبہ اینٹ وغیرہ بھی دوسری مسجد میں لگانا جائز نہیں، ہاں، یہ جائز ہے کہ آباد مسجد کی رقم بطور قرض کے دوسری مسجد میں لگادی جائے بشرطیکہ دوسری مسجد کی آمدنی سے قرض کے وصول ہونے کا غالب گمان ہو اور ملبہ وغیرہ بطور قرض کے لگانا درست نہیں ہاں اسکو دوسری مسجد کیلئے خرید کر لگانا جائز ہے گو رقم قرض رہے کیونکہ سوال سے معلوم ہوا کہ یہ ملبہ مسجد کے انقاض میں سے نہیں ہے بلکہ متعلقات مسجد کی مرمت کے واسطے خریدا گیا تھا۔ وبیع مثل ذالك جائز۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۳ ربیع الاول ۴۴ھ

مسجد کے درختوں کے بیچنے کا حکم **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ تین درخت شیشم کہ جو نصف ملکیت مسجد اور نصف ملکیت بہیو خان خان ہیں درختانِ مذکور کی قیمت مبلغ چالیس للعہ روپیہ قرار دیکر بہیو خان مذکور حصہ دار کو متولی مسجد نے بلا دریافت اہل محلہ فروخت کر دئے بہیو خان نے یہ وعدہ کیا کہ مبلغ بیس[عہ] روپے بابت قیمت حصہ مسجد دو مہینہ میں متولی مسجد کو ادا کردونگا اس وقت عرصہ دو سال کا ہو گیا باوجود تقاضہ کے روپیہ ادا نہیں کیا فصل ربیع میں جو تقاضا کیا گیا تو فصل خریف کا وعدہ کیا اب بہیو خان نے درختان مذکور کو خفیہ خفیہ مبلغ تراسی[لہ] روپیہ میں سوداگر کے ہاتھ فروخت کر کے مبلغ بیس روپے بابت حصہ مسجد متولی مسجد کو دیا اہل محلہ کو معلوم ہوا کہ اس میں دھوکہ ہوا ہے متولی مسجد کو روپیہ لینے سے روکا اور یہ کہا کہ تم کو مبلغ تراسی روپیہ کا نصف لینا چاہئے بیس مت لو۔ بہیو خان کہتا ہے کہ درختان

عہ قلت: وما افتی به الشیخ فی رسالته القول الاھلی صرف غلة مسجد الی مسجد آخر فھو مختص بما اذا تیقن بالظن الغالب عدم احتیاج الاول الیه ابداً لاستغناء زائدا و اجتماع غلة فی حد عظیم ولیس المراد جوازه مطلقاً لان کلمات الفقهاء متفقة بتفسیده بخراب المسجد واستغناء ه عنه لتفرق الناس عنه۔

مذکور میری ملکیت ہو چکی تھی بس قیمت کو چاہوں فروخت کروں، اہل محلہ کہتے ہیں کہ جس حالت میں تم نے روپیہ حصہ مسجد کا ادا نہیں کیا اور عرصہ دو سال گذر چکا تم کل کے مالک نہیں ہو سکتے ایسی حالت میں مسجد بہمیو خان سے مبلغ بیس روپیہ لینے کی مستحق ہے یا تراسی روپیہ کے نصف کی مستحق ہے

مرسلہ؛ احقر محمد حسین خان وسمیع اللہ خان
متولیان مسجد اقعامان قصبہ ناخود

تنقیح

(۱) کیا یہ درخت بعینہٖ مسجد کے کام میں نہ آسکتے تھے مثلاً ان درختوں کے تختے اور کڑیاں اور کواڑ چوکھٹ وغیرہ بنوا کر مسجد کی ضرورت میں لگا لئے جاتے یا مسجد کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

(۲) متولی نے جس وقت ان درختوں کی بیع کی ہے اس وقت ان کی بازاری قیمت بیس روپیہ ہی تھی یا کم و زیادہ، اگر کم و زیادہ تھی تو اس بیشی کو بتلایا جائے کہ اس وقت بازاری قیمت بیس روپیہ سے زیادہ تھی اس کے بعد سوال کا جواب دیا جائیگا۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۷ ربیع الثانی ۴۴ھ

جواب تنقیح

(۱) درختانِ مذکور بعینہٖ مسجد کے کام میں آسکتے تھے اور مسجد میں ضرورت بھی تھی اور اب بھی ضرورت ہے مگر بہمیو خان حصہ دار نے نہ درختوں کو مسجد کے صرف کیلئے کاٹنے دیا اور نہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے دیا۔

(۲) درختانِ مذکور کی قیمت جس وقت چالیس روپیہ قرار دی گئی تو یہ درخت بازاری قیمت سے تقریباً ساٹھ روپیہ کی مالیت تھے مگر متولی نے کچھ اپنی ناواقفیت سے اور کچھ جھگڑا کاٹنے کی نیت سے چالیس روپیہ قیمت کر دی تھی اور اہل محلہ سے مشورہ بھی نہیں کیا تھا دوسرے بہمیو خان مذکور سے یہ بھی امید تھی کہ یہ روپیہ حصہ مسجد کا وعدہ پر نہ دیگا کیونکہ اس سے پہلے اور مطالبہ بابت درختان ششم مسجد کی شراکت کا مبلغ چوبیس روپیہ اسکو وصول ہوا تھا جسکو عرصہ دس سال کا ہو گیا اس نے مبلغ بارہ روپیہ جو حصہ

مسجد کے ہوئے تھے ابنگ نہیں دئے اسلئے یہ سوچا گیا تھا کہ بعد وعدہ کے یہ کہا جائیگا کہ تم نے روپیہ مسجد کے حصہ کا وعدہ پہ نہیں دیا اب تم مسجد سے اپنے حصہ کے بیس روپیہ لیلو اور درخت کل مسجد میں رہنے دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر ان کو ٹالتے ہوئے دو سال ہو گئے اور یہ حصہ مسجد کا نہیں دیا، اب انہیں۔ درختوں کو خفیہ خفیہ فروخت کر کے بیس روپیہ متولی کو دیئے جسپر تمام اہل محلہ کہتے ہیں کہ روپیہ بیس نہ لئے جائیں بلکہ تراسی روپیہ کے نصف مبلغ ساڑھے اکتالیس روپیہ لینے چاہئیں لہذا یہی بات دریافت طلب ہے کہ ایسی حالت میں روپیہ مسجد کو کتنا ملنا چاہئے؟

الجواب

صورتِ مسؤلہ میں درختوں کی بیع درست نہیں ہوئی۔

قال الشامی فی شرائط الاستبدال الوقف وبیعہ: اعلم ان الاستبدال علی وجوہ الاول ان یشترط الواقف لنفسہ اولغیرہ او لنفسہ وغیرہ فالاستبدال جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً والثانی ان لا یشترط سواء شرط عدمہ او سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہٖ بالکلیۃ بان لا یحصل منہ شئ اصلا اولا یفئ بمؤنۃ فھو ایضاً جائز علی الاصح اذا کان بأذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ اھ (ص ۵۹۹ ج ۳)

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ درختان مذکور بعینہٖ مسجد کے کام میں آسکتے تھے اور مسجد کو ان کی ضرورت تھی اس صورت میں مال موقوف علی المسجد کی بیع کرنا درست نہ تھا اور ضرورت نہ بھی ہوتی تو جواز بیع کیلئے مصلحت مسجد کی رعایت ضروری تھی اور اس بیع میں مسجد کی مصلحت فوت کی گئی ہے اس لئے بھی درست نہیں ہوئی لہذا اس بیع کو کالعدم سمجھا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ ربیع الثانی ۴۴ھ

مسجد کا مال دوسرے وقف کیلئے بطور قرض دینا جائز ہے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سورتی مسجد کے دو متولی ملا ابراھیم وقف کے بھی متولی ہیں سورتی مسجد کے ان دو متولیوں نے ملا ابراھیم وقف کے بقیہ متولیوں پر حساب فہمی کا

دعویٰ کیا اور پیروی مقدمہ کیلئے سورتی مسجد کے وقف کا روپیہ لگایا پس ارشاد ہو کہ

(۱) وقف مذکور کی حفاظت کیلئے مسجد والے متولیوں کا اوقاف مسجد کی رقم سے ملا ابراہیم وقف کے حساب میں لکھکر خرچ کرنا جائز تھا یا نہیں۔

(۲) اگر ناجائز تھا تو ایسا غیر مشروع تصرف کرنے سے آیا ملا والے تینوں متولیوں یا ان کے خواہاں کے ذمہ یہ امر ضروری ہے یا مستحسن ہوگیا کہ عدالت سے چارہ جوئی کرکے ان دونوں متولیوں کو تولیت سے علیحدہ کردے (اگر ان سے ہوسکے اسلئے کہ عدالت میں واقف ہی کا مسجد کے متولیوں کا مقدمہ دائر کرنا خود مسجد کا دائر کرنا ہے اور ایسی حالت میں مسجد ہی کی جمع شدہ رقم سے خرچ کیا جاتا ہے) اور بجائے ان کے اور کوئی ایسے دو متولی بنادیں جو کہ اپنی گرہ سے یا سودی قرضہ وغیرہ لیکر وقف کی نگرانی رکھا کریں یا عدالت میں ہزاروں روپیہ خرچ ہوجانے کے اندیشہ خیانت میں اُن تینوں کے شریک ہوجایا کریں یا عدالتی گرفت سے بچنے کیلئے چشم پوشی کرکے ہر سال کے ختم پر غلط بات کو ملمع سازی کے ساتھ صحیح صحیح دکھادیا کریں۔

(۳) عدالت صرف قانونی خرچہ دلاتی ہے پس قانونی خرچہ سے زائد جو رقم خرچ ہوئی ہے ارشاد فرمائیں کہ اس رقم کا ذمہ دار کون ہے؟ آیا مسجد ہے کہ اسکے متولیوں کو یہ رقم خرچ کرنا پڑی ہے اور انکو بحکم عدالت متولی بننا پڑا تھا یا اس زائد رقم کے ذمہ دار خود یہ دونوں متولی ہونگے یا مذکور ملا ابراہیم وقف سے وصول کیا جائے یا ملا مرحوم کے خاندان والے تینوں متولیوں سے لیا جائے یا پانچوں سے لیا جائے بحالت ثانیہ یعنی مسجد کے دونوں متولیوں کے ذمہ دار ہونیکی صورت میں یہی ارشاد فرمایا جائے کہ آیا اس ذمہ داری میں سورتی مسجد کا اس مستعفی متولی جسکا ذکر سطر ۳ میں ہے وہ بھی شامل ہوگا یا نہیں اگر شامل ہوگا تو کس قدر کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قال فی الخلاصة: واما اقراض ما فضل من الوقف قال فی وصایا النوازل رجوت ان یکون ذالك واسعاً اذا کان احرز لغلته امساکه فان فضل من غلته فصرف الفضل الی حوائجه علی ان یرده اذا احتاج الی العمارة قال: لا یفعل ذالك و یتنزه غایة التنزه

فان فعل مع ذالك ثم انفق فيه ان ذالك يبرأه عما وجب عليه

اھ (ص ۴۲۳ ج ۴)

اصل یہ ہے کہ وقف کی فاضل رقم کسی کو قرض دیدینا اس وقت جائز ہے جبکہ قرض دینے میں رقم کی حفاظت متوقع ہو اور ضائع ہونیکا اندیشہ نہ ہو پس اگر متولیان سورتی مسجد کو وقف مسجد کی آمدنی بطور قرض کے وقف ملا ابراھیم کے مقدمہ میں لگاتے ہوئے رقم کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ تھا بلکہ امید قوی وصولیابی کی تھی تو اس صورت میں متولیان مذکور خائن نہیں ہوتے کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ دوسرے وقف کے برباد ہونیکا اندیشہ ہو اس کی حفاظت کیلئے وقفِ مسجد کی فاضل آمدنی اسمیں قرض کے طور پر لگادینا جائز ہے۔

قال فی العالمگیریۃ: مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت غلتها ثم نابت الاسلام نائبة واحتيج الى النفقة فى تلك الحادثة ان لم يكن للمسجد حاجة للحال فللقاضى ان يصرف فى ذالك لكن على وجه القرض فيكون ديناً فى مال الفئ اھ (ص ۲۴۲ ج ۳)

قلت: وخوف ضياع وقف على مصالح المسلمين ملحق بنوائب الاسلام والمتولى المنصوب من الحكومة كالقاضى۔

اور اگر اسکو اسلامی ضرورت میں قرض دینا نہ تسلیم کیا جائے تو پھر بھی جائز ہے جبکہ متولیان کو رقم کے ضائع ہونیکا اندیشہ نہ ہو اور وصول یابی کی قوی اُمید ہو آخر سورتی مسجد کا روپیہ بنک میں بھی تو جمع کیا گیا ہے اور وہ بھی بنک کو قرض ہی کے طور پر دیا گیا ہے کیونکہ بعینہٖ رقم بنک میں کہاں محفوظ رہتی ہے لیکن چونکہ اندیشہ رقم کے ضائع ہونیکا نہیں بلکہ وصولیابی کی قوی اُمید ہے اسلئے اسکو جائز رکھا گیا ایسے ہی یہ صورت بھی ہے کہ کسی دوسرے وقف کو مسجد کی آمدنی بطور قرض کے لگادی جائے جس سے وصولیابی کی قوی امید ہے۔

رہا یہ سوال کہ عدالت صرف قانونی خرچہ دلاتی ہے اس سے زائد جو رقم صرف ہوئی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار وقف ملا ابراھیم ہی ہے جسکی حفاظت کیلئے یہ روپیہ لگایا گیا بشرطیکہ وہ زائد خرچہ بھی ضرورت اور مجبوری کے درجہ میں ہوا ہو محض حکام کی خوشامدی میں نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۱ رجمادی الثانی ۴۴ھ

نقل مسجد کی ایک صورت | **سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک صحیح وسالم مسجد جس میں پنجگانہ نماز باجماعت نماز جمعہ وعیدین ہوتی ہو اسکو اسکی جگہ سے نقل کرکے دوسری جگہ میں لیجاکر بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً مسجد کو مسجد کی سابق جگہ سے نقل کرکے دوسری جگہ میں لیجاکر بنانا جائز نہیں مسجد میں چاہے نماز پڑھی جائے یا نہیں، چونکہ مسجد تاابد مسجد رہتی ہے جیساکہ بحرالرائق میں ہے:

وقال ابو یوسفؒ: هو مسجد ابداً الی قیام الساعة لا یعود میراثا ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه اولا وهو الفتویٰ الخ

فتح القدیر میں ہے: فان الاجماع علی عدم خروج موضعها عن المسجدیة الخ

ردالمحتار میں ہے: ان المسجد اذا خرب یبقیٰ مسجدا ابداً لکن علمت ان المفتی به قول ابی یوسفؒ انه لا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد اخر الخ

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۸ رمضان ۴۴ھ

مسجد کب شرعی مسجد کہلائیگی | **سوال:** بانی مسجد سے ہمیشہ نماز پڑھنے کا اذن عام ملنے پر مسجد شرعاً کب سے مسجد تسلیم کی جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بانی مسجد سے ہمیشہ نماز پڑھنے کے اذن عام ملنے پر جس وقت سے اس میں نماز باجماعت پڑھی جائے اس وقت سے وہ شرعاً مسجد تسلیم کی جاتی ہے جیساکہ کنزالدقائق میں ہے:

وبالصلوٰة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف حتی انه اذا بنی مسجداً واذن للناس بالصلوٰة فیه فانه یصیر مسجداً الخ

قاضی خان میں ہے: ثم التسلیم فی المسجد ان یصلی فیه بالجماعة باذنه الخ۔

ردالمحتار میں ہے: حتی اذا بنی مسجداً واذن للناس بالصلوٰة فیه جماعة فانه یصیر مسجداً الخ

—— واللہ اعلم بہ وعلمہٗ اتم ،

حررہ محمد فیض اللہ غفرلہ صدر جمعیت ھذا
چھوٹی اراکانی مسجد ۶۳ مکان ۴۰ گلی ۔ رنگون

قلت : کلا الجوابین صحیح

قال فی العالمگیریۃ عن فتاویٰ الحجۃ : لوصار احد المسجدین قدیماً وتداعی الی الخراب فاراد اھل السکۃ بیع القدیم وصرفہ فی المسجد الجدید فانہ لا یجوز اما علی قول ابی یوسفؒ فلان المسجد وان خرب واستغنیٰ عنہ اھلہ لا یعود الی ملک الباني واما علی قول محمدؒ وان عاد بعد الاستغناء ولکن الی ملک الباني وورثتہ فلا یکون لاھل المسجد ولایۃ البیع والفتویٰ علی قول ابی یوسفؒ انہ لا یعود الی ملک مالک ابداً کذا فی المضمرات اھ (ص ۲۳۹ ج ۳)

قلت : واما ماورد فی جواز نقل مسجد الیٰ آخر فمعناہ نقل اوقافہ وانقاضہ الیہ اذا خرب الاول واستغنیٰ عنہ لا ان ینزل مکان المسجد الاول عن المسجدیۃ ویباع ویوھب ویزرع فیہ فھذا لا یجوز ،

وفی العالمگیریۃ : سئل شمس الائمۃ الحلوانیؒ عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس عنہ ھل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد آخر او حوض آخر قال : نعم ؛ ولم یتفرق الناس قال لا اھ

وفی فتاویٰ النسفی عن شیخ الاسلام : عن اھل قریۃ افترقوا و تداعی المسجد الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشب المسجد وینتقلون الی دیارھم ھل لواحد من اھل القریۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ الی بعض المساجد او الیٰ ھذا المسجد قال : نعم ؛ کذا فی المحیط اھ (ص ۲۴۴ ج ۳)

والجواب الثانی لا یحتاج الی تفصیل - واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۸ رمضان ۴۴ھ

مسجد کا شامیانہ اگر متولی اس مسجد میں استعمال نہ کرے تو دوسری مسجد میں دینا درست ہے یا نہیں۔

سوال: معظمی مدظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہاں پر ایک شخص نے مسجد کے صحن کیلئے ایک شامیانہ دیا تھا وہ مہتممینِ مسجد کے بے توجہی کے سبب پڑا پڑا خراب ہو رہا ہے یعنی شامیانہ لپیٹ کر رکھدیا گیا ہے چھ مہینہ کی مدت میں ایک دن بھی شامیانہ سے کام نہیں لیا گیا جمعہ کے روز کل مصلی دھوپ میں گرم صحن پر نماز پڑھتے ہیں۔ جس شخص نے شامیانہ دیا تھا وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ شامیانہ کسی دوسری مسجد میں دیدے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کی چیز حالت مذکورہ میں دوسری مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ امید کرتا ہوں جواب سے مطلع فرماویں گے۔ فقط

خادم، مصلح الدین احمد

الجواب

وفی الھندیۃ:۔ رجل بسط من مالہ حصیراً فی المسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنہ فان ذالک یکون لہ حیا ولورثتہ ان کان میتاً۔ وعند ابی یوسفؒ یباع ویصرف ثمنہ الی حوائج المسجد فان استغنیٰ عنہ یحول الی مسجد آخر والفتویٰ علی قول محمدؒ (ای فی آلات المسجد واما فی ارضہ وما یکون موقوفاً علیہ من الاراضی فالفتویٰ فیہ علی قول ابی یوسفؒ کما صرح فی الدر) اھ (ص ۲۳۹ ج ۳)

قال الشامی: لکن عند محمد انما یعود الی ملک الواقف ما خرج عن الانتفاع المقصود بالکلیۃ کما لو احترق ولا یستأجر بشیٔ اھ (ص ۵۷۴ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر مسجد اول اس شامیانہ سے مستغنی نہیں تو پھر متولی کو اس کے استعمال پر مجبور کیا جائے اگر نہ کرے تو اس کو معزول کیا جائے اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر تحویل کیجائے۔

قال فی الدر ومثلہ فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصرہ مع الاستغناء عنھما وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض الیہ اھ

قال الشامی: وصرح فی الخانیۃ بان الفتویٰ علی قول محمدؒ قال فی البحر

وبه علم ان الفتوىٰ على قول محمدؒ فی آلات المسجد وعلى قول ابی یوسفؒ فی تابید المسجد اھ والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضه اھ (ص ۴۷۵ ج ۳) ——— والاصل ان آلات المسجد تعود الى ملك الواقف اذا استغنىٰ عنها، واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۸ ذی قعدہ ۴۴ھ

مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا اور ان میں دنیاوی کام کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے نیچے اول دوکانیں تعمیر کرکے دوکانوں کی چھت پر مسجد تعمیر کی آیا اُن دوکانوں کو کرایہ پر دیکر کرایہ دوکان کو مسجد کے خرچ میں لا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ اور ان دوکانوں میں کام دنیوی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بندہ حاجی الٰہی بخش از نگینہ ضلع گوڑھ نوہ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں ان دوکانوں میں دنیوی کام جائز ہے اور ان کا کرایہ مسجد کے خرچے میں لانا جائز بلکہ واجب[1] ہے مسجد کی حد کے نیچے دوکانیں بعد میں بنانا تو جائز نہیں کہ پہلے مسجد بن گئی پھر اس کے نیچے دوکانیں کھود کر بنائی گئیں اور اگر پہلے دوکانیں بنا دی جائیں پھر اُن کے اوپر مسجد بنائی جائے تو جائز ہے اس صورت میں یہ دوکانیں مسجد کے حکم میں نہ ہونگی۔

قال فی البحر عن المجتبىٰ: لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فناء ہ اھ (ص ۲۴۹ ج ۵)

وفیه ایضاً (ص ۲۵۱ - ج ۵) ومن جعل مسجداً تحته سرداب او فوقه بیت وجعل بابه الى الطریق وعزله فله بیعه ویورث عنه لانه لم یخلص للہ تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقاً به وحاصله ان شرط کونه مسجداً ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ، بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو موقوفاً لمصالح المسجد فانه یجوز اذ لا ملك فیه لاحد بل هو من تتمیم مصالح المسجد فهو کسرداب مسجد بیت المقدس هذا هو ظاهر المذهب

[1] بشرطیکہ یہ دوکانیں مسجد کے لئے ہوں اور مسجد ہی پر وقف ہوں۔ دیکھئے ۲۶۹۔

وهناك روايات ضعيفة مذكورة فى الهداية وبما ذكرناه علم انه لو بنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الامام فانه لا يضر فى كونه مسجدا لانه من المصالح ـــــ فان قلت: لو جعل مسجداً ثم اراد ان يبنى فوقه بيتاً للامام او غيره هل له ذالك ـــــ قلت: قال فى التتارخانية: اذا بنى مسجداً او بنى غرفة وهو فى يده فله ذالك وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذالك يبنى لا يتركه ـــــ وفى جامع الفتاوىٰ: اذا قال عنيت ذالك فانه لا يصدق اه فاذا كان هذا فى الواقف فكيف بغيره انتهىٰ كلام البحر۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۶ ذی الحجہ ۴۴ھ

آکل ربوٰ اگر تائب ہوکر مسجد میں یہ کہکر رقم دے کہ یہ رقم حلال کی ہے تو اس کو مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں۔

سوال: ایک شخص نے باوجود حلال مال کی مقدار کے ہوتے ہوئے سود خوری اختیار کرکے بہت مال وروپیہ جمع کرلیا ہے اور مال حلال وحرام میں کچھ تمیز وفرق نہ رہا، اس وقت توبہ کرکے سود خوری چھوڑدی اب نیکی کی طرف بھی خیال رکھتا ہے اور ایک مسجد کہنہ ہے اس میں نماز جمعہ پڑھا جاتا تھا سود خور نے اس مسجد قدیم کہنہ میں ٹین کی چھت وغیرہ بنوادیا ہے اور قسم کھاکر کہتا ہے کہ جسقدر روپیہ مسجد میں خرچ ہوا یہ میرے حلال مال سے ہے مصلی لوگوں نے سود خور کی قسم پر اعتبار نہ کرنیکی وجہ سے مسجد کہنہ میں نماز پڑھنا چھوڑدی ہے اور ایک پختہ مسجد کتنے برسوں سے موجود ہے بسبب شبہ ضرار کے اس میں نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے اس صورت میں کس مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے مصلی لوگ کہتے ہیں کہ سود خور کی قسم پر کسطرح اعتبار کیا جائے حالانکہ اس کا آمیختہ ہے کس طرح حلال وحرام کا فرق کیا جائے، ان سب صورتوں میں کہاں نماز جمعہ پڑھی جائے، بیان فرمائیں اور اسکی قسم پر اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جب مسلمان قسم کھاکر یہ کہتا ہے کہ جس قدر روپیہ مسجد میں خرچ ہوا ہے یہ مالِ حلال سے ہے تو اسکی قسم کا اعتبار کیا جائیگا بلکہ وہ بدون قسم کے بھی یہ دعویٰ کرتا تو اس کا

قول معتبر ہوتا پس اس صورت میں مسجد کہنہ میں جمعہ پڑھنے سے اجتناب کی ضرورت نہیں اس میں بلاشبہ نماز درست ہے دوسرے جب اس شخص نے صرف ٹین کی چھت ڈالی ہے اور مسجد کا فرش نہیں بنایا بلکہ فرش پہلے سے حلال آمدنی کا بنا ہوا ہے تو بالفرض اگر اسکا مال حلال نہ بھی ہوتا جب بھی نماز میں خلل نہ آتا کیونکہ نماز تو فرش پر ہوتی ہے نہ کہ ٹین پر اور محل نماز مشتبہ نہیں.

وفی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: الصلوٰۃ فی ارض مغصوبۃ جائزۃٌ ولکن یعاقب بظلمہ فما کان بینہ وبین العباد یعاقب کما فی فتاوی الھندیۃ اھ (ص ۲۰۹)

قلت: لما کان ھذا حکم الارض المغصوبۃ فما ظنک بارض موقوفۃ وقفاً حلالاً مستفقۃ بمال مشتبۃ عند الناس حلالاً عند البانی، فافھم!

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۹ محرم ۴۵ھ

انقاض مسجد اور اس کے بیچنے کا حکم

سوال: علیٰ ھذہ موجودہ مسجد کے اشیاء (کھپرا، بتی، وچھپر وغیرہ) جو مسجد کی ضرورت سے فاضل ہو اس کو اس نئے مسافر خانہ یا دوسرا مکان موقوفہ جو اس مسجد کے متعلق ہو اس میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بصورتِ عدم جواز یا عند الجواز جو فاضل عن الضرورۃ ہو اس خیال سے کہ اسکی حفاظت آئندہ غیر ممکن ہوگی اور سڑ گل کر ضائع ہو جائیگا اسکو نیلام کر دیا جائے یا ایسے ہی کسی خریدار کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے اور اسکی قیمت کو اس مسجد میں خرچ کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اس مال موقوفہ کو خریدنا اور خرید کر جس طرح چاہے ادب کا لحاظ رکھ کر (مثلاً پائخانہ وغیرہ میں نہ لگایا جائے) اس کا استعمال کرنا جلانا اور گھر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مال موقوفہ کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

الجواب: (۱) آباد مسجد کی اشیاء کو اسی مسجد کے علاوہ کسی مکان میں

نہیں لگا سکتے نہ مسافرخانہ میں نہ مکان موقوف للمسجد میں۔

فی الھندیۃ عن البحر: لو ان قوماً بنوا مسجداً وفضل من خشبھم شئ قالوا یصرف الفاضل فی بنائہ ولا فی الدھن والحصیر اھ (ص ۲۴۱ ج ۳)

اور مسافرخانہ میں قیمۃ مسجد کا وہ سامان خرید کر لگایا جا سکتا ہے جسکی حفاظت دشوار ہے یا اُسکے خراب ہونیکا اندیشہ ہے۔

(۲) مسجد کے جس سامان کی حفاظت دشوار ہو یا اس کے خراب ہونیکا اندیشہ ہو اسکو نیلام یا بیع کرنا درست ہے اور اسکی قیمت کو مسجد ہی میں لگایا جائے اور یہی حکم مسافرخانہ کا ہے اتنا فرق ہے کہ مسافرخانہ سے فاضل اسباب کا بیع کرنا مطلقاً درست ہے خواہ حفاظت دشوار ہو یا نہ ہو اور خراب ہونیکا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔

(۳) خریدنا اور ہر طرح استعمال کرنا جائز ہے اور ادب کی رعایت مستحب ہے

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۱۵ محرم ۴۵ھ

مسجد کی زمین پر کوئی دوسری تعمیر جائز نہیں ہے

سوال: میں نے اپنے دروازے کے صحن میں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی، پچھم، اتر، دکھن، تین طرف کی دیواریں قریب تیاری کے آگئی تھیں صرف پورب کی باقی تھی، اتنے میں یہ معلوم ہوا کہ مسجد کا رُخ قبلہ سے کسی قدر پھرا ہوا ہے اسی وقت سے کام بند کر دیا گیا اس سال جاڑے کے دنوں میں جب حضور الہ آباد تشریف لاتے تھے تو میں نے اس کے متعلق حضور سے مسئلہ دریافت کیا تھا حضور نے فرمایا کہ نماز تو ہو جائیگی مگر عیب دار ہو گی حضور نے خرچ کی کفایت کے خیال سے یہ بھی فرمایا تھا کہ کاریگروں کو دکھلاؤ بلا منہدم کئے ہوئے اگر کسی طریقہ سے درست ہو جائے تو بہتر ہے چنانچہ دو چار کاریگروں کو دکھلایا وہ سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ بلا گرائے مسجد ٹھیک نہیں ہو گی ڈاٹ وغیرہ میں جوڑ لگے گی تو اول تو کمزور ہو گی دوسرے بدنما معلوم ہو گی، غرض گرانیکی رائے مصمم ہو گئی اب بعض ضروریات کے خیال سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اس جگہ سے دس پندرہ قدم جانب اتر ہٹا کر تعمیر کی جائے تو کنواں، غسل خانہ،

استنجاء خانہ وغیرہ کی جگہ اس مقام پر کافی طور سے نکل آئیگی اور یہ جگہ جہاں اب مسجد ہے دوسرے مصرف میں لیجاتے ایسی صورت میں کوئی شرعی قباحت ہے یا نہیں؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ اگر مسجد کی زمین پرانی مسجد کی زمین سے کسی قدر کم ہو جائے تو اس میں کسی قدر کوئی حرج ہے یا نہیں دو چار پڑھے لکھے آدمیوں سے میں نے اس کے متعلق دریافت کیا کسی نے کچھ بتایا کسی نے کچھ میرا اطمینان حضور کے ارشاد کے اوپر ہوگا لہذا جواب کا منتظر ہوں۔

محمد عمر ساکن چایل خاص، ضلع الہ آباد

تنقیح

(۱) اس جگہ پہلے تو مسجد نہ تھی؟

(۲) اگر نہ تھی اور نئی بنیاد پڑی ہے تو بنیاد پڑنے کے بعد اسمیں کبھی نماز تو نہیں پڑھی گئی؟

(۳) اس مسجد میں پہونچنے کا راستہ وقف ہے یا نہیں؟

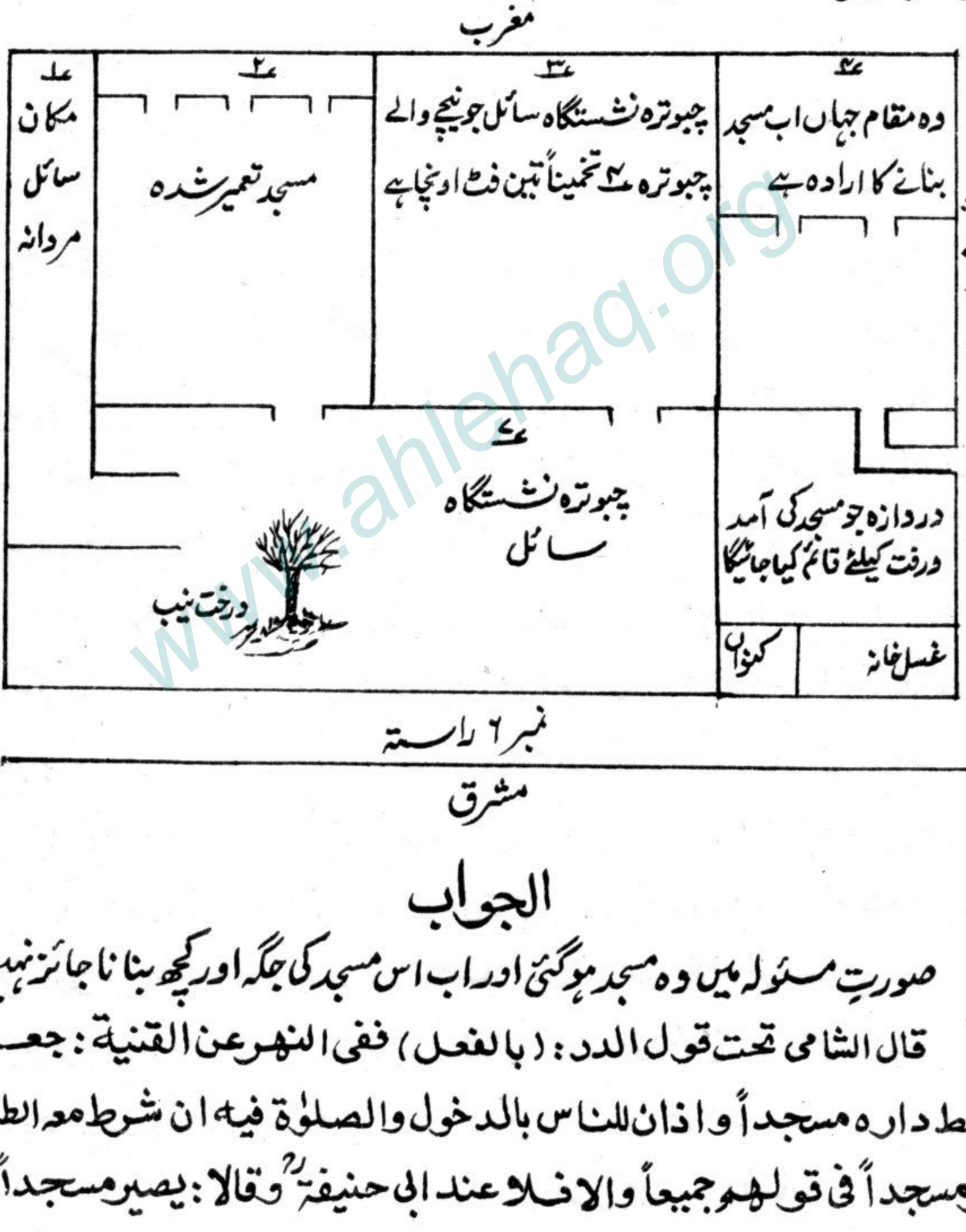
جواب تنقیح

(۱) اس جگہ پہلے کوئی مسجد نہیں تھی۔

(۲) مسجد کی جس وقت سے بنیاد پڑی اسی وقت سے اس میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے چونکہ ابھی چھائی نہیں گئی لہذا بارش کے وقت مجبوراً اس میں نماز نہیں ہوتی۔

(۳) مسجد کے راستہ کے متعلق کوئی زمین وقف نہیں ہے بلکہ سائل کی نشستگاہ کا ایک چبوترہ ۷ ہے جو راستہ سے کسی قدر اونچا ہے لوگ راستہ ۶ سے اس چبوترہ پر چڑھتے ہیں وہاں سے مسجد کے زینہ پر چڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں چونکہ میرا ہی چبوترہ ہے اس وجہ سے میرے سامنے کوئی روک ٹوک کسی قسم کی نہیں ہو سکتی میرے بعد جو صورت پیدا ہو اسکو نہیں عرض کر سکتا آسانی کیلئے ایک منظری نقشہ مرتب کر کے ہمراہ عریضہ ھذا ارسال خدمتِ عالی کرتا ہوں اس سے ہر موقع حضور کے سمجھ میں آجائیگا میں بفضلہ تعالیٰ کثیر الاولاد ہوں خواہش یہ ہے کہ مسجد کی زمین جس پر ۲ پڑا ہوا ہے اُسے مکان ۱ میں شامل کر لوں اور اب

مسجد چبوترہ ۳ شمال کی طرف جس پر ۴ پڑا ہوا ہے تعمیر کرادوں اسکی آمد و رفت راستہ ۵ سے رہیگی چبوترہ سے اسکو کوئی تعلق نہیں رہیگا اور مسجد کے محاذ میں مشرق کی طرف جو زمین چبوترہ کی باقی رہیگی اسپر کنواں اور غسل خانہ بنے گا احتیاطاً پہلا عریضہ بھی جس پر حضور کا جواب تحریر ہے ہمراہ عریضہ ھذا ارسال خدمت عالی کرتا ہوں اگر مسجد کے ہٹانے کی صورتِ جائز قرار پائے تو اس بات سے بھی مطلع فرمایا جائے کہ اگر پُرانی مسجد سے یہ دوسری مسجد کسی قدر چھوٹی بنائی جائے تو اسمیں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ خاص مسجد کی زمین کے تو کسی قدر کم کر نیکا ارادہ ضرور ہے مگر کنواں اور غسل خانہ کی زمین ملکر پرانی مسجد کی زمین سے بڑھ جائیگی۔ نقشہ یہ ہے



الجواب

صورتِ مسئولہ میں وہ مسجد ہوگئی اور اب اس مسجد کی جگہ اور کچھ بنانا جائز نہیں۔

قال الشامی تحت قول الدر: (بالفعل) ففی النهر عن القنیة: جعل وسط داره مسجداً و اذان للناس بالدخول والصلوٰة فیه ان شرط معه الطریق صار مسجداً فی قولهم جمیعاً والا فلا عند ابی حنیفة رح وقالا: یصیر مسجداً و

یصیر الطریق من حقه من غیر شرط کما لو آجر ارضه ولم یشترط الطریق اھ (ص ۱۷۰ ج ۳)

وفی الصفحة الآتیة منه، وفی الدر المنتقی: وقدم فی التنویر وغیرها قول ابی یوسفؒ وعلمت ارجحیة فی الوقف والقضاء اھ، وفی الشامیة ایضاً (ص ۵۵۳ ج ۲): ولا یلزم الا باحد امرین اما ان یکون به القاضی او یخرجه مخرج الوصیة وعندهما یلزم بدون ذالك وهو قول عامة العلماء وهو الصحیح، ثم ان ابا یوسفؒ یقول: یصیر وقفاً بمجرد القول لانه بمنزلة الاعتاق عندهٗ، وعلیه الفتویٰ، وقال محمدؒ: لا إلّا باربعة شروط ستأتی اھ فقط

واللہ اعلم

الجواب صحیح

احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵ ر ذی قعدہ ۴۳ھ

۲۶ ر ذی قعدہ ۴۴ھ

مسکونہ مکان کی چھت پر مسجد بنائی گئی تو اسپر مسجد کے احکام جاری ہونگے یا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے مکان مسکونہ کی چھت پر مسجد تعمیر کرانا چاہتا ہے اور نیچے کا حصہ برابر بود و باش میں مستعمل ہے تو کیا اس مسجد پر تمام احکامات مسجد کے جاری ہونگے یا نہیں؟ اور مسجد قرار پانے کی صورت میں کسی خاص وجہ سے مثلاً خطرہ جان و مال سے یعنی مخالفین غیر مذہب والے یہ دھمکی دیتے ہیں کہ اگر تو مسجد نہ گرائے گا تو ہم تجھکو مار ڈالیں گے یا تیرا گھر پھونک دینگے بانی مسجد یا دوسرے لوگ غیر مذہب کے اسکو منہدم کریں یا منہدم کرانا چاہیں تو ایسی صورت میں منہدم کروانیوالے کے لئے کیا حکم ہوگا اور اگر مسجد شرعاً نہ قرار پائے تو انہدام کے متعلق بانی مسجد یا غیر مذہب والے کیلئے کیا حکم ہوگا بحوالہ کتب معتبرہ، فقہ و حدیث مفصل جواب سے سرفراز فرمائیں نیز یہ بھی لکھیں کہ اگر چھت پر مسجد بن چکی ہے اور بانی مسجد نے وہی مذکورہ بالا خطرات کی وجہ سے کوئی حصہ مسجد کا گرا دیا اور اب خود یا مسلمانوں کے سمجھانے پر اور تقویت دلانے پر مسجد مذکورہ بہمہ وجوہ مکمل کرنے پر تیار ہے تو شرعاً اسکو تکمیل مسجد واجب ہے یا سکوت کرے؟ بینوا توجروا۔

سائل۔ محمد صادق عفی عنہ

از فتح پور محلہ قضیانہ

الجواب

صورت مسئولہ میں وہ مسجد نہیں ہوئی۔

کما فی الشامی (ص ۵۷۱ ج ۳) وفی القستانی: ولا بد من افرازہ ای تمییزہ علی ملکہ من جمیع الوجوہ فلو کان العلو مسجدا والسفل حوانیتاً او بالعکس لا یزول ملکہ لتعلق حق العبد بہ کما فی الکافی وھکذا فی ص ۵۷۳۔ وعالمگیریۃ (ص ۲۳۸ ج ۳)۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

۱۰ر صفر ۴۴ھ

اور جب مسجد نہیں تو اس کا گرا دینا جائز ہے اور اسکا منہدم کرنے والا مسجد کے منہدم کرنے والے کی طرح گناہ گار نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مسجد کا ملبہ ذاتی مصرف میں لانا جائز نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے تنہا اپنے مال سے ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس مسجد کو ایک مدت (تیس پینتیس سال) کے بعد کسی وجہ سے شہید کرا کر از سر نو تعمیر کرانیکا موقعہ ہوا اس صورت میں وہ لکڑی کا اسباب (جو اس شہید شدہ مسجد سے برآمد ہوا ہے وہ مسجد مذکور سے بیکار ہونیکی حالت میں) بانی مسجد یا ورثاء بانی اسکو واپس لوٹانیکا حق رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ لکڑی اگر کوئی شخص خرید کر اپنے مکان وغیرہ میں لگانا چاہے تو لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر دوسری مسجد کی بھی تعمیر ہوتی ہو اور اس مسجد میں یہ لکڑی کام آتی ہو تو ان لکڑیوں کو اس مسجد میں بغیر قیمت کے دلوانیکا بانی یا ورثاء بانی کو حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس کے جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

بینوا توجروا

بندہ محمد یوسف ٹیمول عفی عنہ از کٹھوری

ضلع سورت۔ مؤرخہ ۱۵ر رجب ۱۳۴۴ھ

الجواب

فی الشامیة (ص۵۷۴ ج۳): (قوله ومثله حشیش المسجد) قال الزیلعی: وعلی هذا حصیر المسجد وحشیشه اذا استغنی عنهما یرجع الی مالکه عند محمد وعند ابی یوسف ینقل الی مسجد آخر وعلی هذا الخلاف الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما اه، وصرح فی الخانیة: بان الفتوی علی قول محمدؒ، قال فی البحر: وبه علم ان الفتوی علی قول محمدؒ فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد والمراد بآلات المسجد نحو القندیل والحصیر بخلاف انقاضه لما قدمنا عنه قریباً من ان الفتوی علی ان المسجد لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر۔

پس صورت مسئولہ میں وہ اسباب اس مسجد کی ملک ہے فروخت کرکے اس پر خرچ کیا جائے بانی یا ورثاء بانی کو اس کا لوٹانا جائز نہیں اور نہ دوسری مسجد میں دلوانیکا حق ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵ر شعبان ۴۳ھ

حکم حفر البئر فی فناء المسجد المتعلق به وفیه قبور معلومة وظهرت عظام الاموات بعد الحفر ایضاً۔

سوال: ما قولکم دام فضلکم ایها العلماء الکرام ادام الله فیضکم مدی الایام، فیما اذا حفر بئر جدید فی فناء المسجد الجامع فوجد فی حالت الحفر قبور مندرسة بعضها فوق بعض فکملت البئر حفراً وطوراً ووجد ایضاً فی فناء ذالك المسجد قبور ظاهرة معلمة والعادة مطردة بدفن البعض فی السعة التی امام المسجد وحوالیه فهل یجوز تعمیق

البئر فى هذه الصورة اذا انتهى الحفر الى القبر بناء على
ان الموضع فناء المسجد وانه لم يعلم وجود القبر هناك قبل
الحفر وهل يأثم المتوضى من الحوض الذى يرد اليه الماء من
تلك البئر وما معنى القول بجواز بناء الابنية وحفر الآبار
فى فناء المسجد على القبور بينوا كل ذلك بيانا شافعا و
فصلوا فى الجواب تفصيلا كافيا جزاكم الله عن الاسلام
واهله خيرا دينا ودنيا واخرى

السائل، محمود عفا الله عنه

باسمه تعالى شانه حامدا ومادحا

الجواب اللهم هداية للصواب

ان الارض التى حول المسجد ومنها فنائه اما ان تكون
موقوفة عليه لمصالحه فتكون ملكا له لا يجوز التصرف فيها
بما ينافى مصالحه فلو دفنت الاموات فى تلك الارض لا تكون
مقبرة موقوفة ولا مسبلة بل كان الدفن غصبا فاذا بلى القبور
وصارت ترابا عادت الارض لمصالح المسجد فيجوز نبشه والبناء
عليه وزرع تلك الارض وسائر وجوه الانتفاع بها حسب المصلحة
سواء كانت القبور ظاهرة معلمة او خفية دارسة فى فناء المسجد
كما لا يخفى، ففى الحاشية العلامة الشروانى رحمه الله، نقلا
عن الايعاب شرح العباب ما نصه: (ويجوز زرع تلك الارض اى
التى تيقن بلاء من بها وبناءها وسائر وجوه الانتفاع والتصرف
باتفاق الاصحاب ذكر ذلك كله فى المجموع وينبغى فرضه فى مقبرة
مملوكة (وموات لا مسبلة لحرمة نحو البناء فيها مطلقا اهـ) انتهى
واما ان يكون بعضها لمصالح المسجد وبعضها لاغراض آخر كبناء
الرباط والمدرسة والمجالس وبيوت الاخبية وكدفن بعض
الاعيان فتتعين تلك المواضع المخصوصة بما ذكر لما ذكر لا يجوز

التصرف فيها بغير ذالك لان مراعاة غرض الواقفين واجبةٌ
فالارض التى اطرد دفن الاموات فيها تكون مقبرة موقوفة
فلا يجوز فى صورة المسئولة حفر البئر وبناء الابنية فيها
على القبر سواء كانت القبور ظاهرة اوخفية ولا يجوز تعميق
البئر حيث انتهى الحفر الى القبر كما لا يجوز حفراً يسيراً
ابتداء على القبر حيث علم انها مقبرة مسبلة بالقرائن واما
البناء على ان الموضع فناء المسجد وانه لم يعلم وجود القبر
هناك فباطل لان فناء المسجد هو السعة التى حوالى المسجد
لم يبق فى هذه الصورة ملكاً للمسجد فقط بل توزع لاغراض
كما تقدم ولانه علم عند الانتهاء الى القبر انه مقبرة
مسبلة حيث اطردت العادة بدفن بعض الاعيان فى فناء المسجد
بلا انكار كما هو مشاهد فى البلاد لا سيما وقد كانت
القبور بعضها فوق بعض فيأثم الساعى فى هدم تلك القبور
وحفر البئر عليها ويأثم المتوضى من الحوض الذى يرد اليه
الماء من تلك البير فيجب هدمها ازالة للمنكر، ففى تحفة المحتاج شرح
المنهاج ما نصه: (وينبغى ان لكل احد هدم ذالك) اى ما
يبنىٰ فى المقبرة المسبلة (ما لم يخش منه مفسدة فيتعين الرفع
للامام اخذاً من كلام ابن الرفعة فى الصلح ولا يجوز زرع شئ
من المسبلة وان تيقن بلى من بها لانه لا يجوز الانتفاع بها
بغير الدفن فيقلع وقول المتولى: يجوز بعد البلىٰ محمول
على المملوكة) انتهىٰ هذا ما ظهر لى فى هذا الباب۔

والله اعلم بالصواب وعنده ام الكتاب

حرره الفقير لمولاه القدير شهاب الدين

الجواب صحيح

ولكن اذا ظهر عظام الميت وقت الحفر لا يجوز القاءها

فی موضع آخر بل یجب دفنها فی موضع آخر او فی هذا المقام قریباً ان کانت الارض مقبرة - واللہ اعلم -

حررہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۲ رجب ۴۵ھ

مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم | **سوال** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید ایک مفلس آدمی تھا وہ کچھ روپیہ لیکر بیع سلم کیا اگر مدتِ معینہ مسلم الیہ مسلم فیہ ادا نہ کر سکے تو روپیہ میں چار آنہ سود لیتے تھے رفتہ رفتہ وہ پیسے والا ہو گیا اور کچھ زمین خریدی اور ایک کچی مسجد تیار کی لیکن جب ان کو خوب ترقی ہوئی اور اندازاً چار یا پانچ سو بیگہ زمین بھی خریدی تو اس مسجد کو پکا کر دیا کچھ دنوں سے اس نے سود لینا تو چھوڑ دیا مگر مسجد پہلے تیار کیا ہوا ہے ، اور یہ معلوم نہیں کہ اس میں مال حرام کس قدر صرف ہوا اور مال حلال کس قدر ، ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگی یا نہیں ؟ اور اگر بالفرض کوئی پہلو معلوم ہو جائے مثلاً حرام کا غالب ہونا یا حلال کا غلبہ ہونا تو اس کا کیا حکم ہوگا ؟ اور اگر شریعت کی رُو سے ایسی مسجد پاک کر لینے کی کوئی صورت ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں اور اگر بانی مسجد اس کی تعمیل نہ کرے اس وقت کیا کیا جائیگا ؟ اہل قریہ کو دوسری مسجد بنانیکی اجازت دی جائیگی یا نہیں ؟ بینوا توجروا

۱۹ رجب ۴۵ھ

الجواب

مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد وہ ہے جس میں گارا اور اینٹ و لکڑی وغیرہ مغصوب ہوں یا زمین مغصوب ہو اور اگر رقم حرام کی ہو تو وہ رقم تو مسجد میں نہیں لگتی بلکہ اس سے خریدا ہوا سامان مسجد میں لگا ہے اب اگر یہ صورت ہوئی کہ سامان اوّلاً ادھار منگا لیا گیا پھر قیمت مال حرام سے ادا کر دی گئی تو مسجد میں مال حرام نہیں لگا ، اور اگر قیمت نقد دی گئی تو اس میں دو صورتیں ہیں ، ایک یہ کہ مالِ حرام دکھلا کر معاملہ کیا گیا کہ ان روپیوں کی فلاں چیز دیدو ، دوسری یہ کہ مالِ حرام دکھلا کر معاملہ نہیں کیا گیا بلکہ یوں کہا کہ دس روپیہ یا پندرہ روپیہ کی چیز دیدو ، اور قیمت میں روپیہ مطلق تھا پھر اس قیمت کو مالِ

حرام سے نقد ادا کر دیا، صورتِ اولیٰ میں خریدی ہوئی شئے حرام ہونگی اور ان کا مسجد میں لگانا ہی حرام ہوا اور دوسری صورت میں خریدی ہوئی شئے حرام نہیں ہوئی، اس کا لگانا مسجد میں درست ہو گیا۔ گو اس کا گناہ ہوا کہ دوسرے کو مال حرام سے قیمت ادا کی۔

قال الشامی عن التتارخانیة: رجل اکتسب مالاً من حرام ثم اشتریٰ فهذا علی خمسة اوجه، اما[1] ان دفع تلك الدراهم الی البائع اولا ثم اشتریٰ منه بها، او[2] اشتری قبل الدفع بها و دفعها، او[3] اشتریٰ قبل الدفع بها و دفع غیرها، او[4] اشتریٰ مطلقاً و دفع تلك الدراهم، او[5] اشتریٰ بدراهم اُخر و دفع تلك الدراهم، قال ابونصر: یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول والیه ذهب الفقیه ابو اللیث لکن هذا خلاف ظاهر الروایة، وقال الکرخی: فی الوجه الاول والثانی لا یطیب وفی الثالث والاخیرة یطیب، وقال ابوبکر: لا یطیب فی الکل، لکن الفتویٰ الاٰن علی قول الکرخی دفعاً للحرج عن الناس؛ وفی الولوالجیة: وقال بعضهم: لا یطیب فی الکل وهو المختار، لکن الفتویٰ الیوم علی قول الکرخی دفعاً للحرج لکثرة الحرام اھ (ص ۳۴۰ ج ۴)

پس اس مسجد کے حرام ہونیکا فتویٰ اس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ یہ متعین نہ کیا جائے کہ اسمیں جو اشیاء مال حرام سے خرید کر لگی ہیں ان کی خرید صور مذکورہ میں سے کس صورت پر ہوئی نیز یہ بھی متعین کیا جائے کہ حرام غالب تھا یا حلال؟ یا دونوں مساوی ہے اور حرام غالب تھا یا مغلوب تو وہ حلال سے مخلوط تھا یا غیر مخلوط اور خلط کا یقین تھا یا محض بناء بر عادت کے ظن ہی تھا، جواب تنقیح اگر دیا جائے تو یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے اور بستی والوں کو دوسری مسجد بنا لینا ہر حال میں جائز ہے جب مسجد مندرجہ سوال بالا شرعاً قابل نماز پڑھنے کے نہ ہو۔

واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

۲۸ رجب ۴۵ھ

مسجد کیلئے کافر کا زمین ھبہ کرنا **سوال** : مسلمانان نزدِ ھندو زمیندار درخواستے کردہ بودند کہ اینجا مسجد بنا ساختن ضروریست ما را برائے مسجد قدرے جا بدھند، ھندو زمیندار درخواست منظور کردہ بر درخواست نوشتہ بود کہ این قدر زمین شما را دادہ شد، و حد معین کردہ دادہ بود و وقف وھبہ ھیچ مذکور نہ بود و ھیچ شرائط ہم ضم نہ کردہ شدہ بود، مسلمانان بعد تعین حد بر آن زمین خاک نو انداختہ بلند کردند و مسجد بنا ساختند و تا ہشت یا نہ سال در آں مسجد نماز وجمعہ می خواندند تا این زمان ہر چہ کہ کردہ شد نہ مسلمانان ہندو زمیندار را خبر دادند و نہ ہندو زمیندار خبر گرفت چونکہ فی الحال دل شان بر مسلمانان زیادہ ناخوشش اند لھذا بوقت آغاز دیوار گفتند اینجا شما را دادیم چرا بشکرانہ آن ما را اطلاع دادہ آغاز دیوار نہ کردید بدین سبب از پختہ نمودن دیوار منع می کنیم مسلمانان جواب دادند گاھے بوقت کار نو کہ دراین جا کردیم اطلاع ندادیم اکنوں چرا خواہیم داد بعد ازاں ھندو زمیندار ہیچ نمی گوید مسلمانان دیوار پختہ می کنند اکنوں جواب ارشاد می فرمایند کہ آن زمین بحسب شریعت ہبہ گردید یا وقف وہر چہ باشد در مسجدیت آن مسجد شبہ تواں شد یا نہ؟ وبشکرانہ ہندو زمیندار را اطلاع ہیچ کار مسجد آغاز کردن جائز باشد یا نہ؟ اُمید کہ گستاخی عفو فرمایند۔ خادم آستان مبارک

میر اللہ عفی عنہ

پوسٹ شیر پور ٹاؤن موضع شیری ضلع میمن سکنہ بنگلہ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں یہ زمین وقف تو نہیں کیونکہ ہندو زمیندار نے اسکو باقاعدہ وقف نہیں کیا البتہ جن مسلمانوں نے یہ درخواست دی ہے اگر درخواست پر ان کے دستخط ثبت تھے جیسا کہ عموماً درخواست پر درخواست کرنے والوں کے دستخط ہوتے ہیں اور درخواست کے جواب میں اسی درخواست پر ہندو زمیندار نے لکھدیا کہ "این قدر زمین شما را دادہ شد" اور اس زمین کی حدود بھی معین کردی گئی تو یہ زمین درخواست دہندگان کے لئے ھبہ ہوگئی جس پر بعد قبضہ کے ان کی ملک تام ہوگئی، اب چونکہ یہ لوگ

زمین کو فعلاً وقف کر چکے ہیں کہ اس میں نماز پڑھنے لگے تو وہ مسجد ہوگئی

قال فی الهندیة: اذا قال بجماعة من المسلمین: هذا المال لکم یکون هبة، کذا فی فتاوی قاضی خان اهـ (ص ۲۴۹ ج ۵)

قلت: وکان ظنی ان هذه هبة بمجهولین ولکن لیس کذالك بل هی هبة للذین خاطبهم بقوله: "شمارا داده شد" وهم الذین ارسلوا الیه الکتاب بخطوطهم فکانت هبة لجماعة من المسلمین معینة بقی ان هذا تملیك فلا بد له من قبول الموهوب له فی مجلسها ولکن فی الهندیة ایضاً عن جواهر الفتاوی، قال رضی الله عنه لما سألته عمن کتب قصة الی السلطان و سأل منه تملیك ارض محدودة فامر السلطان بالتوقیع فکتب کاتب السلطان علی ظهر القصة الی جعلت الارض ملکاً له هل تصیر ملکاً له ام یحتاج الی القبول فی المجلس هذا هو القیاس لکن لما تعذر الوصول الیه اقیم السوال بالقصة مقام حضوره وقبوله فاذا امره بذالك واخذ منه التوقیع بتملیك اهـ (ص ۲۴۷ ج ۵) فارتفع الاشکال، وکان السوال قائماً مقام القبول لان قید السلطان اتفاقی وفی حکمه کل من یتعذر الوصول الیه ومشافهته بالقبول عادةً سواء کان سلطاناً او امر القریة۔

البتہ اگر اس درخواست پر معین اشخاص کے دستخط نہ تھے بلکہ ویسے ہی عام طور پر سب مسلمانوں کی طرف سے درخواست بھیجدی گئی تھی تو سوال دوبارہ کیا جائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ سب مسلمانوں کا عدد محصور ہے یا غیر محصور اور اس ہندو کو اس بستی کے مسلمانوں کا عدد معلوم تھا یا نہیں

عہ اور اس کیلئے جیسا کہ مسلمانوں کا زبانی اتنا کہدینا کافی ہے کہ ہم نے اس جگہ کو مسجد بنادیا، یا مسجد کیلئے وقف کردیا اسیطرح صورتِ مسجد بناکر اسمیں نماز پڑھنے لگنا بھی کافی ہے کیونکہ وقف جیسا قول سے ہوتا ہے فعل سے بھی ہوتا ہے۔ صرح به الدر (ص ۵۷۱ ج ۳)

تكميل الدليل: لا يقال ان الهبة فى الصورة المسئولة هبة المشاع لانا نقول ان لواهب انما وهب الارض للمسجد لا لان يتملكها الموهوب لهم والهبة للفرض المذكور بمعنى الصدقة، ويجوز صدقة المشاع كما صرح فى الشامية (ص ٧٧، ج ٤) ونصه هذا فى الهبة واما اذا تصدق بالكل على اثنين فانه يجوز على الاصح، بحر اه ولعله ان الصدقة يراد بها وجه الله وهو واحد فلا شيوع كما فى الدر (ص ٨٦، ج ٤) ولا يخفى ان الواهب لو علم ان الموهوب لهم تملكوا الارض وتصرفوا فيها لانفسهم لم يرض بذالك ابداً وهذا دليل ارادته التصدق للمسجد بالارض على السائلين ولو لم يحمل على الصدقة فتقول هبة الواحد لاثنين جائزة عندهما خلافاً له قالا ان هذه هبة الجملة منها اذا لتمليك واحد فلا يتحقق الشيوع، صرح به فى الهندية (ص ٢٧٢، ج ٣) وينبغى جواز هذه الهبة عند الامام ايضاً لان ما حصل من الحربى برضاه جائز عنده ولو لم يوجد فيه شرائط الصحة شرعاً وهى مسئلة الربا بين المسلم والحربى فكانت الهبة صحيحة اتفاقاً۔

وايضاً قال فى الدر فى احكام هبة المشاع عن الفصولين: الهبة الفاسدة تفيد الملك بالقبض وبه يفتى ومثله فى البزازية على خلاف ما صححه فى العمادية لكن لفظ الفتوى آكد من لفظ الصحيح كما بسطه المصنف مع بقية احكام المشاع وهل للقريب الرجوع فى الهبة الفاسدة، قال فى الدر. نعم، وتعقبه فى الشرنبلالية بانه غير ظاهر على القول المفتى به من افادتها الملك بالقبض فليحفظ اه (ص ٨١، ج ٤) فاذا تم قبض الموهوب لهم تملكوها ثم اذا جعلوا مسجداً تم الوقف فعلاً، قال فى الشامية: ولو بينهما ارض وقفاها ودفعاها الى واحد معاً جاز اتفاقاً اه وفى الدر: ولا يجوز وقف مشاع يقسم خلافاً للثانى (ص ٥٦٣ ج ٣)

واللہ اعلم۔

ازخانقاہ اشرفیہ امدادیہ تھانہ بھون

۷ رشعبان ۴۵ھ

مصالح مسجد کیلئے مسجد کی زمین پر دکانیں بنانے کا حکم۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعمیر مسجد کیلئے تین نمبر زمین کا پیسہ بھرا گیا، تیسرے نمبر کی زمین اس شرط پر ملی کہ اگر میری زمین پر مسجد نہ بنواؤ گے تو روز قیامت میں دامن گیر ہونگا یہ زمین بس فٹ ہم چورس ہے اسکی مشرقی جانب اسی نمبر کا ایک مکان دوسرے کا تھا بیس فٹ ہم چورس پنچوں نے اس مکان کو لینے کی کوشش کی مگر نہ ملا۔

پنچوں نے مجبوراً تین در کی چھوٹی مسجد اس بناء پر بنوائی کہ اس مکان کی زمین جس وقت ملیگی دو در اور بڑھا کر پانچ در کی پوری مسجد بنوائی جائیگی۔ تاکہ شرط پوری ہوجائے۔ بعد چند روز کے پنچوں نے یہ مکان قیمتاً مول لیا اب مشروطہ زمین اور منہدم مکان کی زمین پر مسجد کا فرش وغیرہ قائم کیا گیا۔ اور نماز بھی پڑھی جاتی ہے اب مشروطہ زمین اور منہدم مکان کی زمین جو مسجد بنوانے کیلئے قیمتہً لیگئی تھی اب صرف مسجد کیلئے اس زمین پر مکان بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

بینوا توجروا

المستفتی: محمد دین لعل محمد

الجواب

جو زمین معطی نے مسجد ہی کے واسطے دی ہے اس میں صرف مسجد کیلئے دوکان بنانا جائز نہیں "لان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ"، اور جو زمین مسجد کے پنچوں نے خریدی ہے اس کا حکم اس وقت بتلایا جائیگا جبکہ یہ معلوم ہو کہ یہ زمین جس شخص کی رقم سے خریدی گئی ہے اس نے وہ رقم مسجد کیلئے کیا کہکر دی تھی اس کا جواب مع اس پرچہ کے واپس کیا جائے تو حکم بتلایا جائیگا واللہ اعلم۔

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

۲۱ رشعبان ۴۵ھ

ایسے مدارس اسلامیہ کی اعانت کا حکم جن میں تصویر سازی وغیرہ کی تعلیم داخل نصاب ہو۔

سوال: مخدومنا ومقتدانا حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

غالباً حضرت والا کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ برھما کا ملک ہم لوگوں کے لئے ایک بالکل نیا ملک ہے اور یہاں کے رہنے والے مسلمانوں کا سلسلہ بھی بہت پرانا نہیں ہے سنا گیا ہے کہ تقریباً ڈھائی سو سال گذرے ہونگے کہ عالمگیر بادشاہ کے بھائی شاہ شجاع کے کچھ ہمراہی مسلمان یہاں آگئے تھے وہ یہاں رہنے لگے انہوں نے یہاں بیاہ شادیاں کیں اُن سے سلسلہ قائم ہوا اگرچہ ہندوستان میں بھی کثیر تعداد مسلمانوں کی مذہبی حالت بہت ردی ہے لیکن یہاں کے اصلی باشندے مسلمانوں کی حالت جنکو "زیر بادی مسلمان" کہا جاتا ہے وہاں کے مسلمانوں سے بھی بہت ہی گری ہوئی ہے چونکہ انکی مادری زبان برماہے اور برمی زبان میں مذہبی تعلیم کے مدارس کا کوئی سلسلہ نہیں ہے اسلئے "زیر بادی مسلمان" جب اپنے بچوں کی تعلیم کا خیال کرتے ہیں تو علی العموم مشنری اسکولوں، یا برما بت پرستوں کے اسکولوں میں داخل کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ بچے یا تو عیسائی ہوجاتے ہیں یا برہموں میں رہکر برھما بن جاتے ہیں اور بہت سے زیر بادی بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ماں باپ غربت کی وجہ سے ان کو تعلیم نہیں دلا سکتے لھذا وہ آوارہ ہوکر بدمعاش، ڈاکو وغیرہ ہوجاتے ہیں بعض مسجدوں میں امام مسجد مکتب خانہ کے طریقہ پر دو چار یا دس پانچ بچوں کو پڑھاتے ہیں اُن سے یہاں کی ضرورت پوری نہیں ہوتی بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بظاہر رجسٹرڈ (سرکاری امداد اور سرکاری نگرانی والے) اسلامی مدارس میں بہ نسبت اُن مکتب خانوں کے قرآن شریف وغیرہ دینی تعلیم بھی زیادہ ہوتی ہے اسلئے کہ ان رجسٹرڈ اسکولوں کے مدرسین علی العموم ٹریننگ (طریقہ تعلیم کے امتحان میں) پاس ہوتے ہیں، انکی تنخواہیں بھی زیادہ ہوتی ہیں اس کے برخلاف اُن رجسٹرڈ (غیر رجسٹری شدہ) اسکول زیادہ تنخواہوں والے اچھے استادوں کو نہیں رکھ سکتے اور رکھیں بھی تو ان کے مہتمین باقاعدہ نگرانی ان استادوں کی نہیں کر سکتے، رجسٹرڈ اسکولوں کی نگرانی کیلئے ایک مسلمان ڈپٹی انسپکٹر انگریزی تعلیم یافتہ سرکار کی طرف سے ملازم ہے ان رجسٹرڈ اسلامی اسکولوں کی تعداد بھی سہولت کی وجہ سے بڑھتی جاتی ہے ہر اسکول کے لئے سرکار سے دو یا تین مدرس ٹریننگ (طریقہ تعلیم کا امتحان پاس کئے ہوئے) ملتے ہیں جنکو پوری تنخواہ سرکار سے ملتی ہے یہ مدرس مسلمان ہوتے ہیں جن میں بہت سے

ایسے بھی ہیں جو کہ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں یعنی انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانوں کی طرح بالکل آزاد نہیں ہوتے، ان سرکاری اسلامی مدارس میں زیادہ تر چار کلاس تک کی پڑھائی اُردو زبان میں ہوتی ہے جغرافیہ، تاریخ، اسباق الاشیاء، طریق الصحۃ، حساب وغیرہ سکھایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہر کلاس میں روزانہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور کسی کلاس میں دو گھنٹہ قرآن شریف اور تعلیم الاسلام جناب مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی یا کوئی رسالہ دینیات اُردو پڑھایا جاتا ہے ان سرکاری مدارس میں ایک بات کے سوا بظاہر اور کوئی شرعی خرابی نہیں معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اسباق الاشیاء کا مضمون بچوں کو پڑھانے اور ان کو بخوبی ذہن نشین کرنے کیلئے شیر، بلی، شریفہ، خربوزہ جاندار اور بے جاندار چیزوں کی مٹی کی تصویریں اسکولوں میں رکھی جاتی ہیں اور مختلف چیزوں کی تصویریں بچوں کے ہاتھ سے کھینچوائی جاتی ہیں۔ پس دریافت امر یہ ہے کہ آیا ان سرکاری اسلامی مدارس میں ہم لوگوں کا مدد دینا اس خیال سے کہ ان میں قرآن شریف و دینیات کی تعلیم پر زور دیا جائے جائز ہے یا نہیں؟ اور اسلامی مدارس سرکار اس وقت رجسٹرڈ کرتی ہے جبکہ پہلے اپنے خرچہ سے مدرسہ قائم کیا جائے پھر جب مدرسہ کا مکان وغیرہ ٹھیک ہو اور پڑھنے والے بچوں کی تعداد بھی کافی ہو تو سرکار رجسٹرڈ کر کے اپنی امداد کا سلسلہ جاری کرتی ہے پس یہ ارشاد فرمائیں کہ آیا ابتداءً ایسے اسکولوں کا قائم کرنا اور پھر کسی واقف کار مدرسی کو حوالہ کر کے اسکو رجسٹرڈ کرا دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ شروع ہی سے کسی واقف کار کو آمادہ کر کے اسطرح پھر اسکی مالی مدد کرنا کہ تم فلاں بستی اور فلاں جگہ میں اردو مدرسہ قائم کرو اور پھر اسکو رجسٹرڈ کرا دو اور رجسٹرڈ ہونے سے پہلے سال ڈیڑھ سال تک ہم خرچہ دیتے رہیں گے اور رجسٹرڈ ہونے کے بعد بھی تھوڑی مالی مدد وقتاً فوقتاً کرتے رہیں گے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب

ان مدارس میں امداد کرنا اور ان کے اجراء وسعی میں اعانت کرنا شرعاً جائز ہے کیونکہ امداد کرنے والے کی نیت تعلیم اسلام واحکام اسلام میں اعانت ہے جو ان مدارس سے ان کے زعم میں بخوبی حاصل ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ گورنمنٹ کے حکم سے ان مدارس میں تصویریں رکھی جاتی ہیں اور طلبہ سے تصویریں بنوائی جاتی ہیں تو یہ گورنمنٹ کا فعل ہے یا طلبہ کا وہ، اس کے متعلق جدا استفتاء کریں کہ ہم کو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ باقی اعانت کرنے والے جبکہ نہ تصویروں کے خریدنے میں معین ہیں اور نہ اس فعل سے راضی ہیں بلکہ محض تعلیم قرآن وتعلیم احکام اسلام

کی نیت سے اعانت کر رہے ہیں ان کو اس کا گناہ نہ ہوگا، البتہ اعانت کرنے والوں کو یہ صاف کہدینا چاہیئے کہ ہماری رقم سے تصویریں نہ خریدی جائیں، ونظیرہ اعانة الغزاة و المجاهدين الذين معهم الات الغنا والمعازف التی تضرب وقت الحرب فان اعانتهم جائزة وفعلهم هذا حرام۔ واللہ اعلم

ازتھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
۵ ربیع الاول ۴۶ھ

مسجد کے اگر تالاب کے قریب ہونیکی وجہ سے منہدم ہونیکا خطرہ ہو تو اسکو منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں

سوال: نقل مسجد بضرورتہائے ذیل بجائے دیگر جائز است یا نہ؟ قریب تالا بیکہ کنارہ آن تالاب شکستہ شدہ روز بروز بسوئے مسجد می آید گمان است آن شکستگی مسجد را ضائع سازد و قریب مکانی دیوانی ہست لہذا وقت صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ کلام مردان وزنان بگوش آید ازان در نماز وذکر و تلاوت قرآن خلل پدید آید واکثر وقت ازیں حال مرغ خرمش وغیرہ ناپاک شود وہم بدبوئے ردث گاؤ می آید اکنون بکرانہ جنب تالاب است و باکناف مشرق آن تالاب جائے عمدہ ہست کہ مامون است از خللہائے بالا اگر جائز باشد آن جا نقل خواہم کرد۔

فقیر محمد عبد الجبار عفا عنہ

الجواب

اگر تالاب کی وجہ سے مسجد کے انہدام کا قوی اندیشہ ہے تو اس مسجد کو منتقل کر دینا جائز ہے جسکی صورت یہ ہے کہ مسجد کا سامان وخشت وغیرہ منتقل کر دیا جائے اور اس مسجد قدیم کی زمین کو زراعت وغیرہ کے کام میں نہ لایا جائے بلکہ اس کے گرد ایک احاطہ بنا کر محفوظ چھوڑ دیا جائے، فان موضع المسجد مسجد الی قیام الساعة کذا یظهر من العالمگیریة فی باب المسجد من الوقف، اور اگر یہ اندیشہ انہدام غالب نہ ہو تو باقی اعذار کی وجہ سے نقل مسجد جائز نہیں۔

واللہ اعلم

ازتھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
یکم جمادی الثانی ۴۶ھ

مسجد و مدرسہ میں مشترک دیوار بنانا مسجدیت کے منافی اور ناجائز ہے۔

سوال ۲: جامع مسجد شاہی اور مدرسۃ الغرباء مراد آباد کی عمارت متصل ہے کہ مسجد کی دیوار سے ملی ہوئی مدرسہ کی دیوار ہے اہل مسجد نے مسجد کی دیوار کو منہدم کر کے اسپر ڈاٹ قائم کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ دیوار ڈاٹ کا تحمل نہیں کر سکتی، اب یہ ارادہ ہوا ہے کہ مدرسہ کی دیوار کو بھی منہدم کر کے ایک چوڑی دیوار اٹھائی جائے اور ڈاٹ کو اسی حصہ پر قائم کیا جائے جو دیوار مسجد کا حصہ ہے مگر دیوار کے چوڑا ہونے سے اب وہ ڈاٹ کا تحمل کر سکے گی تو کیا یہ صورت جائز ہے کہ ایک چوڑی دیوار مسجد و مدرسہ میں مشترک رہے کہ اہل مسجد اپنی طرف اسمیں الماری وغیرہ قائم کر لیں اور اہل مدرسہ اپنی طرف الماری قائم کر لیں؟

السائل۔ حاجی سید مرتضیٰ علی، مہتمم مدرسۃ الغرباء قاسم العلوم مراد آباد

الجواب الاول

یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اشتراکِ مسجدیت کے منافی ہے اس سے مسجدیت باطل ہو جائے گی۔ (ملخصاً)

کتبہ کفایت اللہ، مفتی المدرسۃ الامینیہ دہلی

ج ۱۔ ۴۶ھ

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

قال فی الدر: لو بنیٰ فوقه بیتاً للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمّ المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذالك لم یصدق، تاتارخانیة، فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد اھ، وقال الشامی: ای مع انه لم یأخذ من هواء المسجد شیئاً اھ، ونقل فی البحر قبله، ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد و ان کان من اوقافه اھ

قلت: وبه علم حکم ما یصنعه بعض جیران المسجد من وضع الجذع علی جدار المسجد فانه لا یحل ولو دفع الاجرة اھ (ج-۳ ص۵۷۳)

فقہاء کا جدار مسجد پر وضع جذع سے مطلقاً منع کرنا ولو کان من اوقاف المسجد

بظاہر اسکی علت یہی ہے کہ یہ فعل عرفاً شرکت کو مستلزم ہے اور مسجد کا کوئی حصہ کسی دوسرے وقف سے مخلوط و مشترک نہیں ہوسکتا۔

کما فی الدر قبلہ: والملك ینزول عن الموقوف باربعة بافراز مسجد الخ، قال الشامی: عبر بالافراز لانه لو کان مشاعاً لا یصح اجماعاً وافاد انه یلزم بلا قضاء اھ (ص ۵۵۸ ج ۳)

جب مشاع کا وقف مسجد کیلئے باطل ہے تو بقاءً بھی مسجد کے کسی حصہ کو مشاع کردینا جائز نہیں، دوسرے: اس خلط و شرکت میں خرابی یہ ہے کہ شرکت جدار سے وہ جگہ مشتبہ ہوجائیگی جسمیں دیوار مسجد قائم ہے اور دیوار مسجد کی جگہ مسجد ہے اگر کسی وقت دیوار کو الگ کردیا جائے تو اس جگہ میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملیگا اور جدار مدرسہ کی جگہ کا یہ حکم نہیں پس ان دونوں کی جگہ کے اشتراک سے جدار مسجد کی مسجدیت باطل ہوتی جاتی ہے۔

وقد قال فی الحامدیة: ان التصرف فی الاوقاف باعتبار الاعظم لها لا باعتبار الاولیٰ اھ (ص ۱۸۱ ج ۱)

پس یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ دیوار اسطرح اٹھائی جائے کہ جدار مسجد و جدار مدرسہ کی جگہ ممتاز رہے اور جب چاہیں جدار مدرسہ کو مسجد سے بدون ضرر کے علیحدہ کرسکیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
۹ رجب ۴۶ھ

ساج مغصوب سے بنائی ہوئی سقف مسجد کا حکم اور اس کے ضمان کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد تقریباً سو سال سے بنی ہوئی ہے اور اس مسجد کے اندر برگہ یعنی لوڑ چڑھے ہوئے ہیں، اب بڑوں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ بڑے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ جس وقت مسجد بنانیکا ارادہ ہوا تو مسجد کے واسطے لوڑ خریدنے کا ارادہ کیا تو بڑوں نے روپیہ اپنے رشتہ داروں کے یہاں دوسرے موضع میں جو کہ تقریباً دس کوس کے فاصلہ پر تھا وہاں پر روپیہ پہونچا دیا کہ ہم کو لوڑ خرید کر دئے جائیں رشتہ داروں نے لوڑ خرید لئے

توجس وقت ٹور خرید کر لئے گئے تو خرید کرنے کے بعد جب غور کیا۔ تو پسند نہیں آیا۔ انہوں نے وہ ٹور دوسرے شخص کے مال میں ڈالدئے اور ان میں سے اچھے ٹور منتخب کر لئے اور جو خود مالک تھا اسکو معلوم نہیں ہوا، اب دوسرے ٹور چھانٹ کر بغیر اجازت مالک کے ہمارے یہاں بھیجدئے اور جو ٹور خریدے ہوئے تھے وہ مالک کے مال میں شامل کر دئے اور منتخب شدہ جو ٹور پہونچائے گئے تھے وہ مسجد پر چڑھادئے گئے۔ اب جب تفتیش ہوئی حالات بالا اصل طور پر دو بڑے عمر رسیدہ آدمیوں سے معلوم ہوا کہ یہ ٹور بدلے ہوئے ہیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ ہماری نماز اس مسجد کے اندر جائز ہے یا نہیں اگر شرعاً وہ ٹور ناجائز ہوں تو ان کو اتار لیا جائے اور اب خرید و فروخت کرنے والا کوئی حیات نہیں ہے۔ اب ان کو اتار کر کیا کریں اور کونسے استعمال میں لائیں فقط

از طرف۔ میانجی محمد ابراھیم سوجیلا دیوا ڈاک خانہ
جلکانہ ضلع سہارنپور۔

الجواب

اس مسجد میں نماز تو جائز ہے لیکن جب ان بزرگوں کا مشتبہ ہونا متفق ہو گیا تو شبہ کا زائل کرنا ضروری ہے جسکی ایک صورت تو یہ ہے کہ جس کے عمدہ ٹوروں سے مسجد کے ٹور بدلے گئے ہیں اس کے ورثاء کو دے دلا کر راضی کر لیا جائے تلاش سے اس کے ورثاء کا پتہ چل سکتا ہے اگر ورثاء سب بالغ ہوں اور وہ خوشی سے بدون معاوضہ کے یہ ٹور مسجد کیلئے رہنے دیں تو بدون معاوضہ بھی یہ ٹور مسجد کیلئے درست رہیں گے اور اگر ورثاء میں کچھ نابالغ بھی ہوں یا بالغ ہی ہوں مگر معاوضہ کے طالب ہوں تو ان بڑے عمر رسیدہ شخصوں سے جن سے واقعہ معلوم ہوا ہے دریافت کر لیا جائے کہ مسجد کے خراب ٹوروں اور اس شخص کے عمدہ ٹوروں کی قیمت میں تمہارے تخمینہ کے اندر کتنا فرق تھا جتنا فرق وہ بیان کریں اس کے حساب سے نابالغ ورثاء کو ان کے سہام کے موافق اور بالغ ورثاء کو جو طالب معاوضہ ہوں ان کے سہام کے موافق معاوضہ دیکر راضی کر دیا جائے اور اگر ورثاء کا پتہ نہ چلے تو اسی قدر رقم جو تخمینہ سے ان ٹوروں میں مسجد کے مال سے زائد ہو غریبوں کو خیرات کر دی جائے اور اگر ان ٹوروں کا مسجد میں لگانا ہی گوارا نہ ہو تو ان ٹوروں کو مسجد سے علیحدہ کر کے دوسرے حلال ٹور اس کے عوض میں بہ نیت عوض لگا دئے جائیں اور ان ٹوروں کو

بعینہٖ یا فروخت کرکے ان کی قیمت غریبوں پر خیرات کردی جائے اگر مالک کے ورثاء کا پتہ نہ چلے۔ اور اگر پتہ چل جائے تو یہ ٹوٹہ مالک کے ورثاء کو واپس دیدئے جائیں۔ ان سے مسجد کے خراب ٹوٹوں کی قیمت اس وقت کے حساب سے لی جائے بشرطیکہ ان کے عمدہ ٹوٹہ مسجد میں لگانیکے بعد اس قدر ناقص نہ ہوگئے ہوں کہ مسجد کے خراب ٹوٹوں کی قیمت کو یہ نقصان محیط ہوجائے اگر کل قیمت کو محیط ہوجائے تب تو یہ ٹوٹہ بعینہٖ ان کو واپس کرکے ان سے کچھ نہ لیا جائے اور بعض قیمت کو محیط ہو تو اسی حساب سے جو باقی رہے اُن سے لے لیا جائے اگر وہ قیمت کچھ نہ دیں تو ان اتارے ہوئے ٹوٹوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت سے اتنی رقم ان کو دیدی جائے جو مسجد کے خراب ٹوٹوں سے عمدہ ٹوٹوں میں زائد تھی موافق تفصیل سابق کے اور جو رقم باقی رہے اسکو خواہ وہ لوگ لے لیں جو اب حلال ٹوٹہ مسجد کیلئے چڑھائینگے اگر وہ بہ نیت معاوضہ ایسا کریں ورنہ باقی کو مسجد ہی کے دوسرے کاموں میں لگادیا جائے کیونکہ باقی ماندہ رقم مسجد کے لئے حلال ہے، هذا ما فهمته من القواعد فان من وضع جذع رجل فی سقفه وبنی علیه بملکه اذا کان یضره قلعه وعلیه الضمان کما فی الهدایة فی مسئلة الساذجة فقال من غصب ساجة وبنی علیها زال ملك المالك عنها ولزم الغاصب قیمتها اھ (ص ۳۶۲)، والغاصب هنا وکیل القیم فعلیه الضمان ولکن المغصوب قبضه المتولی ووضعهٗ فی سقف المسجد فکان ضامناً للمغصوب لمالکه ولا یجوز وضعه فی المسجد بعد تحقق الغصب الا برضاء المالك ورد القیمة الیه کما قال فی الهدایة ایضاً: ولا یحل له الانتفاع بها حتی یؤدی بدلها استحساناً (ص ۳۶۱ ج ۳) — واداء البدل هنا هو اداء ما کان بین ساج المسجد وساج المغصوب منه من الزیادة والنقصان وحین لا یوجد المالك فسبیله التصدق۔

واللہ اعلم

۱۸ رجب ۴۶ھ

عیدگاہ کی زمین پر کاشت کرنا جائز نہیں | **سوال:** ایک عیدگاہ میں تقریباً پندرہ برس سے

نماز عیدین ہوتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں ہوتی اور وہ آبادی سے علیحدہ جگہ پر واقع ہے پنج وقتہ نماز پڑھے جانے کا کوئی موقعہ نہیں اس کے کچھ حصہ میں ابتک عیدین کی نماز ہوتی ہے جس کا نقشہ حسب ذیل ھے

یہ وہ حصہ ہے جسمیں نماز عیدین ہوتی ہے

عید گاہ میں درخت نہ ہونیکی وجہ سے نماز عید میں تکلیف ہوتی ہے اور نیز چونکہ اس کے متعلق کوئی آمدنی نہیں ہے اور نہ کہیں اور سے امداد ملنے کی امید ہے اس لئے عید گاہ میں درخت لگانیکا ارادہ کیا گیا ہے درخت نصب کرنیکے بعد ان کی بلا صرفہ پرورش کیلئے یہ تدبیر سوچی گئی ہے کہ کسی شخص کو بغرض کاشت عید گاہ کی زمین دینا چاھئے تاکہ شخص مذکور کاشت کرکے خود نفع حاصل کرے اور درختوں کی پرورش بھی کرے پرورش درختان کی ضرورت رفع ہونیکے بعد سلسلہ کاشت ختم ہوجائیگا۔ یہ بھی معاہدہ ہے کہ عیدین کی نماز کیلئے کل یا جزو رقبہ عید گاہ حسب ضرورت وحسب طلب منتظمان بغرض نماز خالی کردیا جائیگا خواہ اسپر کوئی فصل موجود ہو اور اس کا کوئی معاوضہ وہ شخص نہیں لیگا چنانچہ حسب ذیل سوالات پیش آئے ہیں

(۱) یہ کہ عید گاہ جس میں نماز نہیں ہوتی ہے وہ اغراض مذکورہ بالا کی نیت سے عارضی طور پر کاشت کیلئے دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) وہ حصہ جس میں نماز عیدین ہوتی ہے اسکو اغراض مذکورہ بالا کیلئے کاشت پر دیا جاسکتا ہے ؟

(۳) کاشت پر دینے کیلئے مسلم یا غیر مسلم کاشتکار ہونیکی قید تو نہیں ؟

(۴) عید گاہ اور دیگر مساجد کا حکم حالات مندرجہ بالا کے لئے جداگانہ ہے یا ایک ہی ؟

امید ہے کہ مفصل جوابات سے مع حوالہ کتب بقید صفحہ وغیرہ سے آگاہ فرماکر ممنون فرمائیں گے ۔

ابرار حسین، وکیل ویٹ گنج ہردوئی

الجواب

قال فی الدر: واما المتخذ لصلاۃ العید او جنازۃ فهو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقاً بالناس لا فی حق غیره به یفتیٰ اھ فحل دخول له لجنب وحائض کفناء مسجد ورباط ومدرسة و مساجد حیاض واسواق اھ، قال الشامی: لکن قال فی البحر: ظاهره انه یجوز الوطأ والبول والتخلی فیه ولا یخفیٰ ما فیه فان البانی لم یعده لذالك فینبغی ان لا یجوز وان حکمنا بکونه غیر مسجد وانما تظهر فائدته فی حق بقیة الاحکام وحل دخوله للجنب والحائض اھ ومقابل هذا، المختار ما صححه تاج الشریعة ان مصلی العید له حکم المساجد وتمامه فی الشرنبلالیة اھ ملخصاً (ص ۶۸۷ ج ۱)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مصلّٰی عید کا احترام اور تنزیہ نجاسات وغیرہ سے مثل مسجد کے واجب ہے اور اسکی جگہ کو کاشت کیلئے دینا اس احترام کے منافی ہے کیونکہ پھر وہ کھیت ہوجائیگا جس میں غلاظت اور کھاد بھی ڈالا جائیگا لوگ بھی اس میں پیشاب پاخانہ سے احتراز نہ کرینگے لھذا جس حصہ میں نماز عید ہوتی ہے اس کو کاشت پر دینا جائز نہیں ہے باقی حصہ کو دینا جائز ہے جبکہ وہ نماز کے واسطے وقف نہ ہو بلکہ ضروریات عیدگاہ کیلئے وقف ہو اور منجملہ ضروریات کے وہ ضرورت بھی ہے جس کو سائل نے ظاہر کیا ہے پس فناء عیدگاہ کو کاشت پر دینا جائز ہے اور خود عیدگاہ کو جو نماز کی جگہ ہے کاشت پر نہ دیا جائے، اور جس حصہ کا کاشت پر دینا جائز ہے اس میں مسلم وغیر مسلم مزارع مساوی ہے البتہ مسلم اولیٰ ہے کیونکہ وہ نماز کی جگہ کا احترام کرے گا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
غرۃ شعبان سنہ ۴۶ھ

بانی یا اسکے لڑکے کو مسجد کی دیوار پر اس کے نام کا کتبہ لگانا شرعاً جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک مسجد قدیم الایام سے تعمیر شدہ ہے اب ایک عرصہ دراز کے بعد زید کہتا ہے کہ اس مسجد کا بانی اور متولی میرا باپ تھا اور اب میں ہوں، اب میں ایک عرصہ دراز کے بعد بانی کے نام کو نمایاں اور روشن کرنے کے واسطے بانی کے نام

اور تاریخ تعمیر مسجد ایک کتبہ پتھر پر کندہ کرا کر لگاتا ہوں اس امر سے زید کی برادری کے اکثر لوگ اس خیال سے ناخوش ہیں کہ یہ قول زید کے نام ونمود کیلئے ہے جبکہ قدیم زمانے سے یہ کتبہ نہ تھا تو اب کیوں لگایا جاتا ہے ایسی صورت میں یہ کتبہ لگانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب شرعیہ صراحت فرمادی جائے۔

المستفتی: اظہار الحق مدرس ماغبت
خورشید منزل ضلع میرٹھ

الجواب

اگر یہ شخص بانی کا لڑکا نہ ہوتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ اسکو اپنا نام مقصود نہیں صرف بانی کا نام اس غرض سے لکھتا ہے تاکہ لوگ اسکو دعاء دیں مگر چونکہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اس کے اس فعل میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اسکو اپنا نام کرنا مقصود ہے کہ ہم ایسے شخص کی اولاد ہیں جس نے یہ مسجد بنائی اور اس احتمال کا ظہور بھی ہوگیا کہ اہل محلہ کو اس شخص پر نام ونمود کے قصد کا شبہ ہے اس واسطے ایسی حالت میں اس شخص کو کتبہ لگانا مناسب نہیں اور اگر واقعی اسکی نیت نام ونمود کی ہے تو اسکو ایسا کرنا حرام ہے، فقد ورد فی الحدیث: من سمع سمع اللہ بہ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۵ رشعبان ۴۶ھ

نیز فقہاء کے کلام سے ایسے کتبوں کا نامناسب ہونا معلوم ہوتا ہے۔
وفی الدر المختار: ولا ینبغی الکتابۃ علی جدرانہ (ای المسجد) اھ
وفی رد المحتار: ای خوفاً من ان تسقط وتوطأ، بحر عن النہایۃ
اور یہ سب جواب کتبہ لگانے سے پہلے ہے اور اگر کسی نے لگادیا تو اس کا اکھاڑنا بھی درست نہیں کیونکہ وقف میں مرکب ہونے سے وہ وقف ہوگیا اور وقف میں ایسا تصرف مقر للوقف ممنوع ہے دوسرے اسمیں جزو مسجد کا بلاضرورت شکستہ کرنا ہے یہ بھی درست نہیں۔

اشرف علی
۶ رشعبان ۴۶ھ

مسجد میں ایسی زیادتی جس سے توسط محراب ختم ہوجاتا ہو محراب نبوی اور مقام ابراھیم پر امام کے کھڑے ہونے سے اس کے جواز پر استدلال کا جواب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ ایک شخص کسی جانب کی۔ داہنی جانب کچھ زمین وقف کرکے شامل مسجد کرنا چاہتا ہے جس سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ محراب جو امام کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے وسط میں نہیں رہتی بلکہ امام کی ایک جانب صوف زیادہ ہوتی ہے اور دوسری جانب کم جو عند الفقہاء مکروہ ہے اور اگر توسط امام قائم کرنے کیلئے امام کو محراب سے قدرے داہنی طرف کو ہٹا کر کھڑا کیا جائے تو اسمیں دو خرابی پیدا ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ اب بحالت موجودہ مسجد مذکور میں دو صفیں ہوسکتی ہیں اور امام کے محراب چھوڑ کر متوسط ہونیکی صورت میں ایک ہی صف ہوسکیگی فلھذا عرض توسیع فوت ہوجائیگی جو اس زمین کو شامل مسجد کرنے سے مطلوب ہے دوم یہ کہ بیرون مسجد جو صفیں قائم ہونگی ان میں ہمیشہ کیلئے یہ دستور رہیگا کہ بائیں جانب امام کے درازی صفوں کی زیادہ ہوگی بمقابلہ داہنی جانب کے اور اسکو فقہاء مکروہ لکھتے ہیں لیکن زید اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ مسجد حرام میں جب امام مقام ابراھیم پر کھڑا ہوکر نماز پڑھاتا ہے داہنی جانب کی صفوف زیادہ ہوتی ہیں بمقابلہ بائیں جانب کے نیز مسجد نبوی علیہ التحیۃ والصلوۃ کا نقشہ پیش کرکے یہ بتلاتا ہے کہ محراب نبوی اصل مسجد کی بائیں جانب میں ہے تو لامحالہ محراب میں کھڑے ہونے سے یمین کی زیادتی یسار پر لازم آتی ہے اور چونکہ خود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس پر عمل درآمد رہا لھذا کراھت تو کجا یہ صورت مسنون ٹھہری۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا توسط امام ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر ضروری نہیں تو سنت ہے یا صرف رواجی بات ہے اس کے خلاف میں کچھ مضائقہ نہیں شق ثانی میں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا قاطبۃ مکروہ فرمانا کیونکر صحیح ہوگا اور شق اول یعنی صورت سنت میں مسجد نبوی و مسجد بیت اللہ کا کیا جواب ہوگا؟

نیز یہ امر بھی قابل گذارش ہے کہ زیادتی جہت یمین کی صورت مسئولہ بقدر یک ثلث صف ہوگی فلھذا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس زمین موقوفہ کو شامل مسجد کرکے اس فعل مکروہ کا ارتکاب کیا جائے یا اس زمین کو دیگر ضروریات مسجد کیلئے چھوڑ دینا بہتر ہوگا؟ ——— نیز یہ کہ جو صورت خاص مقام ابراھیمی اور مسجد

نبوی کی ہے وہ انکی خصوصیات میں سے ہے یا دیگر مساجد کیلئے بھی یہ صورت بلا کراہت جائز ہوسکتی ہے اگر جائز ہے تو پھر فقہاء کے قول کراہت کا کیا جواب ہوگا جو کہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ امام کیلئے توسط ضروری ہے اور اس کے سوا مکروہ ہے. بینوا توجروا

الجواب

زید کا یہ کہنا کہ مسجد حرام میں جب امام مقام ابراھیم میں کھڑا ہوتا ہے تو داہنی طرف کی صفوف دراز ہوتی ہیں بمقابلہ بائیں جانب الخ اس کا یمین و یسار کا تفاضل وہاں واقع نہیں ہوسکتا البتہ اگر مصلی جہالت کی وجہ سے استدارہ کی رعایت نہ کرے تو یہ ان کا فعل ہے جو حجت نہیں ہوسکتا۔ اور محراب مسجد نبوی کے متعلق یہ کہنا کہ محراب نبوی اصل مسجد کی بائیں جانب میں ہے تو لا محالہ یمین کی زیادت یسار پر لازم آتی ہے الخ یہ اسلئے فاسد ہے کہ اصل مسجد نبوی کی پیمائش میں یہ نقشے معتبر نہیں بلکہ علماء و محدثین کے اقوال معتبر ہیں اور اقوال محدثین و مورخین سے محراب نبوی کا وسط جدار قبلہ میں ہونا ثابت ہے۔ جیساکہ در خلاصۃ الوفاء ص۱۰۵ لغایت ص۱۰۸، سے مفہوم ہوتا ہے جسمیں تفصیل کے ساتھ مسجد نبوی کی اصل پیمائش بیان کی ہے اور توسط امام حدیث میں ماموربہ ہے، فقد روی ابوداؤد وغیرہ بسند حسن وسطوا الامام وسدوا الخلل اور فقہاء نے بھی ترک توسط کو مکروہ کہا ہے پس اگر مسجد میں زیادت کی ضرورت نہیں ہے تو اسطرح زیادت نہ کی جائے جس سے توسط فوت ہو اور اگر بوجہ کثرت مصلین کے زیادت کی حاجت ہو تو زیادت کردی جائے اور امام توسط کا لحاظ رکھے گو اندر دو صفیں نہ ہوسکیں اور اگر اندر دو صفیں نہ ہوسکنے سے بھی تنگی لازم آئے تو ایسی صورت مجبوری میں ترک توسط جائز ہے لان الکراھۃ ترفع بالعذر کما صرحوا بہ فی الصلوٰۃ بین السواری وصلوٰۃ الامام علی الدکان ان کراھتھما عند عدم الضیق وحیث ضاق المقام فلا کراھۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۲ شعبان ۴۶ھ

(تنبیہ) یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ اس زمین کو وقف کرکے جزو مسجد بنایا جائے اور ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس جگہ کو وقف کرکے مسجد کے ساتھ ملحق کیا جائے مگر جزو مسجد نہ بنایا جائے اگر یہ صورت ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے فقط

چندۂ مدارس کے متعلق ایک استفتاء

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین

صورت ذیل میں کہ مسلمان مدارس اسلامیہ کیلئے چندہ بھیجتے ہیں اور منتظمان مدارس اس روپیہ کے خرچ کرنے میں وکیل اور مختار ہوتے ہیں یہ مختلف طریقوں پر خرچ کیا جاتا ہے کبھی تو ہلاک عین کی صورت میں یعنی ملازموں کی تنخواہوں میں اور طلباء کے وظائف میں دیدیا جاتا ہے اور کبھی اسطرح خرچ کیا جاتا ہے کہ عین باقی رہے اور اس سے نفع اٹھایا جائے اور اسکی دو صورتیں ہوتی ہیں: کبھی تو اس روپیہ سے جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ بہ نیت وقف خریدی جاتی ہے مثلاً اراضی صحرائی باغات وغیرہ یا مکانات سکنائی وغیرہ یا کتب وقفی وظروف برائے استعمال اور کبھی جائیداد غیر منقولہ اس لئے خریدی جاتی ہے کہ جب تک اس چیز کی ضرورت ہے یا کارآمد ہے اس وقت تک رکھا جائیگا اور جب اسکی ضرورت باقی نہ رہیگی تو اسکو فروخت کرکے مدرسہ کے کسی دوسرے کام میں روپیہ کو لگا دیا جائیگا مثلاً چندہ کے روپیہ سے طلبہ کی سکونت کے واسطے ایک مکان خرید لیا گیا۔ اور خریدنے کے وقت یہ نیت تھی کہ جب تک ضرورت ہے اور یہ مکان کارآمد ہے اس وقت تک رکھا جائیگا اور جب ضرورت نہ رہیگی یا اسکی فروختگی میں مدرسہ کا نفع زیادہ ہوگا اسکو فروخت کردیا جائیگا پس سوال یہ ہے کہ جب چندہ کے روپیہ سے مکان یا زمین کو خریدنے کے وقت نیت وقف کی نہیں کی گئی بلکہ اس نیت سے خریدا گیا کہ ضرورت کے وقت اسکو فروخت کردیا جائیگا تو آیا ایسی حالت میں یہ مکان وقف ہو جائیگا یا نہیں؟ اور اسکا فروخت کرنا مثل دوسرے ظروفِ استعمال کے جو بہ نیت وقف نہ خریدے گئے ہوں جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مہتمم صاحب مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند

الجواب

متولیان و مہتمانِ مدارس کے پاس جو رقم مدرسہ کیلئے علاوہ رقوم تملیک کے آتی ہے وہ مدرسہ کیلئے وقف و ھبہ ہے مگر چونکہ وقف منقول ہے اور وقف منقول میں اہلاک عین جائز ہے اسلئے اسکو تنخواہ مدرسین و وظائف طلبہ وغیرہ میں صرف کردینا جائز ہے اور بقائے بدل اس لئے واجب نہیں کہ اسمیں معنی ھبہ بھی ہیں لیکن اگر متولی و مہتمم اس رقم کے عوض کوئی عین خرید لیگا تو وہ عین گو وقف علی المدرسۃ ہوجائیگا کیونکہ مدرسہ کیلئے کوئی شئی خریدنا اس شئی کو مدرسہ سے ملحق کرنا ہے اور الحاق بالموقوف وقف ہے لیکن موقوف اور ملحق بالموقوف میں بعض احکام میں فرق ہے مثلاً موقوفِ اصلی کی بیع و استبدال متولی و مہتمم

کو جائز نہیں الا بشرائطه المذکورة فی القصة من کونه مستغنی عنه و اذن القاضی ببیعه وغیرہ اور ملحق بالوقف کو (جس کو متولی نے آمدنی وقف وغیرہ سے خرید کر اضافہ کیا ہے) متولی و مہتمم بیع کر سکتے ہیں جبکہ انفع للوقف ہو خصوصاً جبکہ متولی نے اسکو خریدا اسی نیت سے ہو کہ بوقت ضرورت و نفع اسکو بیع کر دیا جائیگا، فکان کما اذا شرط الواقف الاستبدال۔ اب دلائل ملاحظہ ہوں۔

قال فی الهندیة: رجل اعطی درهماً فی عمارة المسجد او نفقة المسجد او مصالح المسجد صح لانه ان کان لا یمکن تصحیحه وقفاً یمکن تصحیحه تملیکاً بالهبة و اثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض کما فی الواقعات الخ (ص ۴۴۰ ج ۳) دل علی صحة هبة المنقول للمسجد ولا بد من معنی الوقف فیه فان المسجد لا یصلح للملك فی نفسه فالتملیك للمسجد معناه نقل ملکه الی ملك الله تعالیٰ وهذا هو الوقف بعینه فهٰذا قسم جدید متردد بین الهبة والوقف۔

وفی الدر: اشتری المتولی بمال الوقف داراً للوقف لا تلحق بالمنازل الموقوفة ویجوز بیعها فی الاصح اهـ، قال الشامی: وفی البزازیة: قال ابو اللیث: فی الاستحسان یصیر وقفاً وهذا صریح فی انه المختار اهـ (رملی) ——— قلت: وفی التاتارخانیة: والمختار انه یجوز بیعها ان احتاجوا الیه اهـ (ص ۶۲۹ ج ۳) فالحاصل ان المختار کون الملحق بالوقف وقفاً مع انه لیس کاصل الوقف فی حرمة بیعه اصلاً بل المتولی فی سعة من بیعه عند الحاجة ونحوها

وفی الدر ایضاً: وفیها لا یجوز استبدال العامر الا فی اربع اهـ قال الشامی: الاولی لو شرطه الواقف اهـ (ص ۶۰۲ ج ۳)

تتمه ۱: وفی الهندیة: وذکر الخصاف فی وقفه لو شرط ان یبیعها ویصرف ثمنها الی ما رای من ابواب الخیر فالوقف باطل اهـ (ص ۲۱۶ ج ۳)

وفیه ایضاً: متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتاً او داراً ثم باعها جاز اذا کانت له ولایة الشراء هذه المسئلة مبنیة علی

مسألة اخریٰ ان متولی المسجد اذا اشتریٰ من غلة المسجد داراً اوحانوتاً فهذه الدار والحانوت هل تلتحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد ومعناه هل یصیر وقفاً اختلف المشائخ وقال الصدر الشهید المختار انه لا یلتحق ویصیر مستغلا للمسجد کذا فی المضمرات اھ (ص ۲۲۳ ج ۳)

جزئیہ اولیٰ سے معلوم ہوا کہ مہتمم مدرسہ اگر کوئی زمین یا مکان اس غرض سے خریدے کہ بوقت نفع وضرورت اسکو بیع کرکے اس کے ثمن کو مصالح مدرسہ میں جسطرح چاہیں خرچ کریں گے تو اتفاقاً اس صورت میں یہ زمین ومکان وقف نہ ہوگا اور اگر اس نیت سے خریدے کہ اس زمین ومکان کو بیع کرکے اسکی جگہ دوسری زمین ومکان خریدلی جائیگی یا کچھ نیت نہیں ہے تو اس صورت میں یہ زمین ومکان وقف ہوجائیگا عند بعض المشائخ اور بعض کے نزدیک اس صورت میں بھی وقف نہیں صرف مستغل ہوگا مگر احوط وراجح قول اول ہے۔ واللہ اعلم

تتمہ ۲ : اوپر یہ معلوم ہوچکا ہے کہ اگر متولی ومہتمم مدرسہ رقوم چندہ سے کوئی جائیداد خریدی اور کوئی نیت نہ ہو یا یہ نیت ہو کہ بوقت ضرورت اسکو بیع کرکے اسکی جگہ جائیداد خریدیں گے تو اس صورت میں یہ زمین وقف ہوجائیگی اور بوقت ضرورت اسکی بیع جائز ہوگی مگر قابل غور یہ امر ہے کہ اگر کسی وقت اسکو بیع کردیا جائے تو اس کے ثمن سے جائیداد ہی خریدنا ضروری ہے یا کتب خرید کر انکو وقف کردینا بھی جائز ہے۔ پس روایات میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس منقول کا وقف متعارف ہے اسکو بھی بجائے اس جائیداد کے وقف کرسکتے ہیں۔

قال فی الخلاصة: ولو شرط فی الوقف ان یبیعه ویجعل ثمنه فی وقف افضل منه له ان یبیعه ولا یبیعه الحاکم لکن ان رأه الحاکم اذن له اھ (کشوری ص ۴۱۴ ج ۴) ——— قلت: والافضل یعم الافضل ثواباً اومنفعة عاجلة۔

وفی الهندیة: ولو اشتریٰ بالثمن عرضاً مما لا یکون وقفاً فهو له والدین علله الخ (فتح القدیر ص ۲۱۷ ج ۳) فتقیید العرض بما لا یکون وقفاً یفید بمفهومه انه لو اشتریٰ بالثمن عرضاً تعورف وقفه

صح ولا یکون ضامناً، ولا یعارض ذالك ما فی العالمگیریة قبله وان کان الواقف، قال فی اصل الوقف علی ان ابیعها بما بدا لی من الثمن من قلیل او کثیر او قال علی ان ابیعها واشتری بثمنها عبداً او قال ابیعها ولم یزد علی ذالك قال هلال رح: هذا الشرط فاسد یفسد به الوقف (ص ۲۱۶ ج ۳) ——— فانه فیما اذا لم ینو باشتراء العبد جعله وقفاً مکان الاصل، اولان وقف العبد وحده لیس بمتعارف بل المتعارف وقفه تبعاً للعقار ونحوه ———

الجواب مع التتمة صحیح
اشرف علی
۷ رشوال ۴۶ھ

واللہ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۷ رشوال ۴۶ھ

مدارس عربیہ کیلئے قواعد وضوابط مرتب کرنا اور مدرسانِ مدرسہ سے انکی پابندی کرانا کیسا ہے

سوال: مدرسہ اسلامیہ واقع جامع مسجد امروہہ محلہ ملانہ کے نظم ونسق کے متعلق قواعد تیار کئے جارہے ہیں اُن میں اُن مُدرسان کی بابت جو قرآن، حدیث، فقہ، صرف، نحو، منطق، ہیئت، فلسفہ وغیرہ وغیرہ علوم کی تعلیم دیتے ہیں بعض حضرات کو یہ اعتراض ہے کہ ایسے قواعد جو انکی تنخواہ، رخصت، پابندی اوقات یا کسی معاوضہ یا کفالت وغیرہ کے متعلق ہوں انکو پابند کرنا بموجب شرع شریف ناجائز ہے اور انکے متعلق کوئی قاعدہ یا ضابطہ مرتب کرنا خلاف شرع ہے مدرسہ زیر نگرانی ایک مجلس شوریٰ کے ہے آیا مجلس شوریٰ کو اس نظام مدرسہ کے متعلق قواعد مرتب کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر مرتب ہوں تو جملہ مدرسین پر انکی پابندی شرعاً لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب

خود شریعت نام ہے پابندی احکام کا، پابندی احکام عین شریعت ہے۔ خلاف شریعت نہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں پابندی احکام ہے۔ پابندی اوقات بھی۔

قوانین مجلس شوریٰ، تمام اہل شوریٰ ومہتمم وناظم ومدرّسین وکل کارپردازانِ مدرسہ پر برابر حاوی ہیں اور اس کی پابندی سب کے ذمہ ہے۔

جو لوگ تعلیم کی نوکری کرتے ہیں اور تعلیم مع پابندی اوقات کے معاوضہ میں تنخواہ لیتے ہیں اور ان کی پابندی بالمعاوضہ ہوتی ہے اور تعلیم بھی بالمعاوضہ ہی ہے جس کو علماء متقدمین احناف اور امام صاحبؒ نے حرام فرمایا ہے اور متأخرین میں سے علماء بلخ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر ثواب تعلیم ان کو نہیں ملے گا، کیونکہ ان کی تعلیم خدا واسطے نہیں ہے، مال کے عوض میں ہے، اور جو لوگ تعلیم اور پابندی کا معاوضہ نہیں لیتے بلکہ ان کی کفالت کی جاتی ہے، اور ان کی تعلیم و پابندی لوجہ اللہ ہوتی ہے وہ ثواب کے مستحق ہوتے ہیں اور ان کے مددگار بھی ثواب پاتے ہیں غرض پابندی قوانین سب کے ذمہ ہوتی ہے۔ کسی کے ذمہ بالمعاوضہ اور کسی کے ذمہ میں لوجہ اللہ تعالیٰ، اور قوانین بنانا شرعاً جائز ہے البتہ جو قانون خلافِ شریعت ہوگا وہ نافذ نہ ہوگا واللہ اعلم۔

عبدالرحمٰن کان اللہ لہٗ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین

الجواب الثانی من جامع امداد الاحکام

اہل مدارسِ عربیہ کو مدرّسانِ مدرسہ کیلئے قواعد مرتّب کرنا جائز ہے اور مدرّسان پر ان کی پابندی لازم وواجب ہے، بدون پابندی قواعد کے ان کو تنخواہ لینا حلال نہ ہوگا اور جو لوگ مدرّسان مدرسہ کیلئے قواعد مرتّب کرنے کو ناجائز اور مدرّسان پر ان کی پابندی کو غیر لازم سمجھتے ہیں وہ غالباً مدارس کو بیت المال اور تنخواہ مدرسین کو مثل عطاء بیت المال کے سمجھتے ہیں، مگر یہ خیال ان کا غلط ہے کیونکہ اوّل تو مدارس عربیہ پر بیت المال کی تعریف صادق نہیں ورنہ لازم ہے کہ ان میں علاوہ طلبۂ علم اور مدرّسان مدرسہ کے دوسرے مستحقین بیت المال مثل یتامی، بیوگان ومسافران ومعذورین کا بھی حق ہو، حالانکہ ان کا مدارس میں کچھ حق نہیں، دوسرے ظاہر ہے کہ مدارس کا قیام چندہ دینے والوں کی امداد سے ہے، پس اس کا بیت المال ہونا یا نہ ہونا چندہ دینے والوں کی

ع متقدمین نے صرف استیجار علی نفس التعلیم کو حرام فرمایا ہے اور استیجار علی التعلیم مع القیود والقوانین کو حرام کسی نے نہیں کہا کیونکہ قیود وقوانین کی پابندی شرعاً بدون اجارہ کے فرض وطاعت نہیں پس یہ استیجار علی الطاعت نہیں بلکہ علی المباح ہے ۱۲ ظفر احمد غفر اللہ لہ ولمن تعلق بہ ولمن ھو متعلق بہ آمین

نیت پر ہے اور یقیناً چندہ دینے والے مدارس کو بیت المال اور مدرّسین کی تنخواہ کو عطاء بیت المال کے مثل نہیں سمجھتے بلکہ عموماً چندہ دینے والے مہتمانِ مدرسہ کو اپنا وکیل اور ملازمان مدرسہ کو اجیر سمجھتے ہیں، اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مدرسہ کے مدرّسین پابندئ عمل و پابندیِ وقت و پابندیِ قواعد کو اپنے ذمہ ضروری نہیں سمجھتے تو یقیناً چندہ دینے والے ایسے مدرسہ میں چندہ دینے سے رُک جائینگے، جس کو شک ہو وہ اس امر کا اعلان کر کے دیکھ لے کہ پھر مدرسہ میں چندہ کس قدر آتا ہے، رہا یہ امر کہ جب مدرّسین اجیر ہیں تو ثواب بھی ملے گا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اس صورت میں بھی ثواب ملے گا کیونکہ وہ دنیا کی بڑی بڑی ملازمتوں کو چھوڑ کر اور طلب دنیا سے کنارہ کشی کر کے خدمت علم دین کی ملازمت پر قلیل تنخواہ سے قناعت کیئے ہوتے ہیں فانما الاعمال بالنیّات۔

وفی الحدیث: ارأیت لو وضعها فی حرام الم یکن علیه وزره، قالوا: نعم، قال فاذا وضعها فی حلال فله اجره کما قال واللّٰه أعلم۔

ظفر احمد عفی عنه

الدّلیل

قال فی الدرّ: وما فی البحر من قیاس الوقف علی الغنیمة ردّه فی النهر، وحررناه فی الوقف، قال الشّامی: ردّه فی النهر حیث قال: اقول فی الدرر والغرر عن فوائد صاحب المحیط: للإمام والمؤذّن وقف، فلم یستوفیا حتی ماتا سقط لانّه فی معنی الصّلة وکذا فی القاضی، وقیل لا یسقط لأنه کالأجرة الخ وجزم فی البغیة بأنه یورث بخلاف رزق القاضی وانت خبیر بأن ما یأخذه القاضی لیس صلة کما هو ظاهر، ولا أجرًا لان مثل هٰذه العبادة لم یقل احد بجوازالاستئجار علیها، بخلاف ما یأخذه الامام والمؤذّن، فانّه لا ینفك عنهما فالنظر الی الاجرة یورث ما یستحقّ اذا استحقّ غیر مقیّد بظهور الغلّة وبید النّاظر، وبالنّظر الی الصّلة لا یورث وان قبضه النّاظر، وبهذا عرف ان القیاس علی الغنیمة غیر صحیح اھ

اقول: قوله: ان ما یأخذه القاضی لیس صلةً مخالف لما فی الهدایة

وغیرها ،کما سیأتی، نعم مایأخذه الامام ونحوه (أی المؤذّن) فیه معنی الصّلة ومعنی الأجرة ، وماجزم به فی البغیة یقتضی ترجیح جانب الأجرة وهو ظاهر لاسیّما علی ما أفتی به المتأخّرون من جواز الأجرة علی الأذان والامامة والتّعلیم وعن هذا مشی الامام الطرطوسی فی نفع الوسائل علی أن المدرّس ونحوه من أصحاب الوظائف اذامات فی اثناء السنّة یعطی بقدر ما باشر ویسقط الباقی ، بخلاف الوقف علی الذرّیة، والأولاد فانه اذامات مستحق منهم یعتبر فی حقه وقت ظهور الغلة فإن مات بعد ظهورها ولولم یبد صلاحها صار مایستحقه لورثته وإلاسقط اهـ وتبعه فی الاشباه وبه افتی فی الفتاوی الخیریة فلیکن العمل علیه من التفصیل (ص۴۵۸ ج-۳) وفیه ایضًا فی بیان أجر أیام الغیبة عن العمل وهذا ای التفصیل المذکور فی الغیبة إنما هو فیما إذا قال: وقفت هذا علی ساکنی مدرستی واطلق۔ أما لوشرط شرطا اتبع کحضور المدرس أیاما معلومة فی کل جمعة فلا یستحق المعلوم الامن باشر خصوصاً اذا قال: من غاب عن الدرس قطع معلومه فیجب اتباعه وتمامه فی البحر (ص۶۳۱ ج۳)

اقول: هذا کله حکم المدرسین المقیمین بمدرسة لها وقف من واقف، وامّا مدرّسو المدارس التی لیس لها من الوقف الاقلیل واکثر مداخلها من مایجمع من احاد النّاس من الدراهم، فکونهم اجراء ظاهر جدًّا واللہ اعلم۔

ظفر احمد عثمانی عفی عنه

مسجد میں کوئی چیز دیدی گئی تو دوسری مسجد میں اس کا منتقل کرنا جائز نہیں ہے

سوال: (۱۵۵۹ ج ۷) ایک شخص نے ایک مسجد میں قیمتی مصلّی دیا لیکن اس میں حفاظت کا انتظام نہ تھا ، اس واسطے وہ اہل محلہ میں سے ایک شخص اپنا گھر رکھ لیا ، معطی نے کہا کہ جب یہاں کارآمد نہیں تو دینے سے کیا فائدہ ! لاؤ میں دوسری جگہ پہنچادوں گا ، اس نے دوسری جگہ پہنچادیا، جہاں ہروقت کام میں آتا ہے ، اور محفوظ ہے ، اب کئی سال کے بعد اس

مسجد قدیم میں انتظام ہو گیا اور وہ نمازی اس معطی سے کہتے ہیں کہ ہمارا مصلّی لاؤ وہ یہ کہتا ہے کہ مسئلہ دریافت کرنیکے بعد کچھ کر سکتا ہوں، استفسار ہے کہ اس کا منتقل کرنا صحیح تھا یا نہیں؟ اور دوبارہ منتقل کرنا کیسا ہے؟

سائل محمّد اسلام

الجواب

جب مسجد میں کوئی چیز دیدی گئی اور متولی مسجد نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس مسجد کی ملک ہو گئی، اب اس کا دوسری مسجد میں منتقل کرنا اس وقت جائز ہے جب مسجد ویران ہو جائے اور یہاں کارآمد ہونے کی امید نہ رہے ورنہ نقل جائز نہیں، اور صورت مسئولہ میں اس شخص نے مصلّی کو ایسی حالت میں منتقل کیا کہ پہلی مسجد ویران نہیں بلکہ آباد کی گو نظم نہیں تھا اسلئے یہ مصلّی پہلی ہی کی ملک ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

امام و مؤذّن نصب کرنے کا حق اہل محلّہ کو حاصل ہوتا ہے یا بانی مسجد کو؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ایک خاص گورستان کے احاطہ میں واقع ہے اور گورستان والے اپنی طرف سے کچھ تنخواہ دیکر ایک پیش امام مسجد میں مقرر کرتے ہیں لیکن جب کبھی ان کے ہاں کوئی میّت ہوتی ہے تو وہ ہمراہ میت آکر اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور اس گورستان کے قریب ایک محلّہ آباد ہے، اہل محلّہ اس مسجد میں پنجگانہ نماز ادا کرتے ہیں اور مسجد کے تیل بتی اور رسّی ڈول وغیرہ کا خرچ بھی اہل محلّہ اٹھاتے ہیں لیکن اہل گورستان جو پیش امام رکھتے ہیں وہ اہل محلّہ کے خلاف رہتا ہے، اس کا چال چلن اہل محلّہ کے نزدیک متّقیانہ نہیں ہے جس کیوجہ سے اہل محلّہ اس پیش امام سے ناراض ہیں اور اس پیش امام کو بدلنا چاہتے ہیں، لہذا شریعت کے نزدیک اہل محلّہ کو اس پیش امام کو تبدیل کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور دیگر معاملات میں اہل محلّہ کو دخل دینے کا حق ہے یا نہیں؟ اہل گورستان کہتے ہیں کہ مسجد ہماری ملکیت ہے تمہارا دل چاہے ہمارے پیش امام کے پیچھے نماز پڑھو ورنہ دیگر مسجد میں جاکر پڑھو۔ جواب تحریر فرماکر عند اللہ ماجور ہوں۔

سائل حافظ عبد المجید دکاندار پرچون
شہر میرٹھ محلہ پوروہ

الجواب

قال فی الخلاصة: رجل بنی فی سکّة مسجداً، فنازعه بعض اهل السکّة فی عمارته او نصب المؤذّن، فالمختار أن الباني أولیٰ فی العمارة بالاتّفاق، فان اراد القوم من هو أصلح من ذلك فی المؤذن والامام فهم أولیٰ لان ضرر ذلك ونفعه یرجع الیهم (ص ۴۲۱ ج ۴ کتاب الوقف)۔

صورت مسئولہ میں اہل گورستان پر لازم ہے کہ اس مسجد میں امام ومؤذّن اہل محلّہ کی مرضی کے موافق مقرر کریں، کیونکہ مسجد کی آبادی اہل محلّہ ہی سے ہے، اگر امام ایسا مقرر ہوا جس کی امامت سے اہل محلّہ راضی نہ ہوئے تو مسجد کی آبادی اور پابندی جماعت میں خلل واقع ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم اور اہل محلّہ کو امام ومؤذّن کے سوا دیگر معاملات مسجد میں اہل گورستان کے مقابلہ میں بولنے کا حق نہیں

فقط واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ ۱۷ محرم الحرام ۴۸ھ

مسجد کے نیچے دوکانیں بنانا **سوال**: ایک شخص مسجد اس طرح بنانا چاہتا ہے کہ اس کے نیچے دکانیں ہوں اور اوپر مسجد ہو اور دکانیں مسجد کے پورے حصّے کے نیچے رکھنا چاہتا ہے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ صورت جائز نہیں تو اگر وہ مسجد کے مسقّف حصّے کے نیچے حوض رکھے اور صحن مسجد کے نیچے دکانیں رکھے، یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

السائل محمد حسین ٹینری کانپور

الجواب

مسجد کے نیچے دکانیں بنانا اس صورت میں ناجائز ہے جبکہ اوّل مسجد تیّار کرلی گئی ہو پھر اس کے نیچے تہ خانہ بنا کر دکان بنائی جائے اور اگر ابتدا ہی سے یہ صورت ہو کہ اول دکانیں بنائی جائیں پھر ان کے اوپر مسجد بنائی جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ دکانیں مصالح مسجد کیلئے ہوں اور مسجد ہی پر وقف ہوں۔

قال فی الشامیة: یؤخذ من التعلیل ان محلّ عدم کونه مسجداً

فیما اذا لم یکن وقفاً علی مصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال: واذا کان السرداب او العلو المسجد او کانا وقفاً علیہ صار مسجداً اھ وفی الدر: امّا لو تمّت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع اھ (ص ۵۷۳ ج ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۲۷ محرم الحرام ۴۸ھ

اس مسجد وعید گاہ کا حکم جو ضد اور نفسانیّت کی وجہ سے بنائے گئے ہوں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی جگہ عرصہ سے ایک مسجد اور عید گاہ مقرر ہے مابعدہ کسی بات پر لوگوں میں اختلاف پڑ گیا اور لوگ دو فریق ہو گئے. فریق اوّل تو مسجد قدیم اور عید گاہ میں نماز پڑھتے رہے اور فریق دیگر اس غرض سے کہ قدیم مسجد وعید گاہ خراب ہو جائے گی ایک نئی مسجد وعید گاہ قائم کر کے نماز پڑھنے لگے، اب یہ دریافت کرنا ہے کہ اس نئی مسجد اور عید گاہ پر نماز جائز ہے یا نہیں دیگر یہ ہے کہ پھر اگر دونوں فریق آپس میں اس شرط پر متفق ہو جائیں کہ نہ نئی مسجد وعید گاہ میں نماز پڑھیں نہ قدیم میں بلکہ سب مل کر ایک تیسری جگہ پر مسجد وعید گاہ بنا کر نماز پڑھیں تو یہ تیسری جگہ پر مسجد اور عید گاہ قائم کر کے نماز پڑھنا جائز ہو گا یا نہیں؟ بر تقدیر اوّل قدیم مسجد وعید گاہ کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب الاوّل

وہ مسجد جدید اور عید گاہ جدید دونوں صورتوں میں جو سوال میں مرقوم ہے حکم میں مسجد ضرار کے ہے کیونکہ مبنی ان کی بناء کا غرض فاسد ہے للّٰہیت نہیں. چنانچہ قرائن حال سے معلوم ہوتا ہے اور جو مسجد کہ مبنی اور منشا اس کا غرض فاسد ہو وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں. فی المدارس کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او بحال غیر طیب او بغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ تعالیٰ فھو لاحق بمسجد الضرار انتھی. واللہ اعلم

کتبہ فیض اللہ عفا اللہ عنہ

مفتی مدرسہ معین الاسلام ہاٹھزاری چاٹگام

الجواب الثانی

قدیم مسجد وعید گاہ میں نماز ادا کرنا چاہیئے، جدید مسجد اور عید گاہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے حق تعالیٰ کا ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مسجد کے بارے میں ہوا. لاتقم فیہ ابدا، تفسیر کشاف۔ اور مدارک میں ہے: کل مسجد مباھاۃ اورياء وسمعة اولغرض سوىٰ ابتغاء وجه الله تعالىٰ او بحال غير طيب فهولاحق بمسجد الضرار۔ اگر دینی عذر کی وجہ سے مثلاً مسجد اور عید گاہ کا امام دینی لحاظ سے اچھا نہیں ہے یا وہ مسجد بہت دُور ہے لوگوں کو وہاں آنے جانے میں بہت تکلیف ہوتی ہے تو اس مسجد کو ضرار کا حکم نہیں ہے اور تیسری مسجد کی حاجت سے زیادہ ہو کر بے حرمتی مسجد کی ہوئی جو شرعًا ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ ریاض الدین

مفتی مدرسہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور

الجواب الثالث

جواب صحیح ہے مسلمانوں کے لئے کسی شرعی وجہ کے بغیر مسجد قدیم اور عید گاہ سابق کو ترک کرنا اور ان کو ویران کرنا جائز نہیں ہے تاہم اگر سب مسلمان متفق ہو کر فتنہ اختراق کو مٹانے کے لئے تیسری مسجد اور عید گاہ کی تعمیر کرتے ہیں تو یہ عید گاہ اور مسجد شرعی حیثیت سے عید گاہ اور مسجد ہو جائے گی۔ مسلمانوں کے لئے اس میں نماز پڑھنا درست ہے اب اگر مسجد قدیم ویران ہو گئی اور سب لوگوں نے اس میں نماز پڑھنی ترک کی تو جب بھی اس کی مسجدیت فنا نہیں ہوگی وہ قیام قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبہ، عتیق الرحمٰن عثمانی دیوبندی

۲۸ محرم الحرام ۴۸ھ

الجواب الرابع

بندہ کے خیال میں محررہ بالا تینوں جوابوں میں کوئی منافات یا فرق نہیں ہے۔

اس لئے میں ان جوابات ثلاثہ کو صحیح سمجھتا ہوں۔

محمد اعزاز علی

دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور

الجواب الخامس من جامع امداد الاحکام

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

مسجد ضرار جس کا ذکر قرآن میں ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہدم کرا دیا تھا درحقیقت مسجد ہی نہ تھی کیونکہ اس کے بانی کفار (منافقین) تھے اور ان کی نیت بھی بناء مسجد نہ تھی بلکہ بناء بیت الشوریٰ لاضرار المسلمین تھی جس کو اخفاء مطلب کے لئے مسجد کی صورت پر بنایا گیا تھا۔

قال اللہ تعالیٰ: والذین اتخذوا مسجدًا ضرارًا وکفرًا وتفریقًا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل، اور چونکہ یہ مسجد ہی نہ تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کرادیا۔ اس پر مسلمانوں کی اُن مسجدوں کو جو ضد اور نفسانیت کی وجہ سے بناتے ہیں قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ جب کسی زمین کو مسجد یا مدرسہ کے لئے بشرائط وقف کر دیا جائے تو وقف یقیناً صحیح ہو جائے گا کیونکہ ارکان وشرائط وقف موجود ہیں۔ فان حد الوقف حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعۃ عند الامام وعندھما ھو جسھا علی حکم ملک اللہ تعالےٰ وصرت منفعتھما علی من احب ورکنہ الالفاظ الخاصۃ ومحلہ المال المتقوم وشرطہ شرط سائر المتبرعات وان یکون قربۃ ذاتہ معلومًا منجزاً۔ (درمختار ص ۵۵۶ ج ۳)

اس سے ظاہر ہے کہ جب ان ارکان وشرائط کا تحقق ہو جائے گا وقف متحقق ہو جائے گا اور فقہاء نے صحتِ وقف میں کسی جگہ بھی خلوصِ نیت کی شرط بیان نہیں

کی اور اگر یہ شرط ہو تو بہت سے مدارس وسرائے ومسافرخانہ وغیرہ جو امراء ورؤسا نے فخر وریا کے لئے بنائے ہیں باطل الوقف ہو جائیں گے اور ان کا انہدام وبیع وغیرہ جائز ہوگا بلکہ ورثاء واقف کی طرف واپس کر دینا واجب ہوگا اور اس کا کوئی قائل نہیں جب یہ مقدمہ ممہد ہو گیا اب سمجھئے کہ جن علمائے مسجد مباہات وریاء وسمعہ یا مسجد مال حرام کو ملحق بمسجد ضرار فرمایا ہے ان کا مطلب صرف اتنا ہے کہ "الاعمال بالنیات" ولایقبل اللہ الا بطیب" کی وجہ سے بانی وواقف کو ان صورتوں میں ثواب نہ ملے گا اور ان میں نماز پڑھنے والوں کو مسجد خالص کے برابر ثواب نہ ملے گا اور یہ مطلب نہیں کہ ان صورتوں میں مسجد، مسجد نہ ہوگی کیونکہ بطلان مسجدیت کی کوئی وجہ موجود نہیں جبکہ وقف مع الارکان والشرائط متحقق ہے۔ پس صورت مسئولہ میں دوسری نئی مسجد وعید گاہ بھی مسجد وعید گاہ بن گئی۔ لجواز تعدد الجمعۃ والعیدین فی مصر واحد اور اس میں نماز بھی درست ہے اور اس کا ہدم بھی جائز نہیں بلکہ حفاظت لازم ہے البتہ ثواب پہلی مسجد وعید گاہ میں زیادہ ہے اور دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے فرض واجب تو ادا ہو جائے گا اور ثواب جماعت ومسجد کا بھی ملے گا مگر مسجد خالص وکامل کے برابر ثواب نہ ملے گا اور یہ تفاوت بھی اس کے لئے ہے جس کے لئے مسجد قدیم احق ہے اور اگر کسی شخص کے لئے مسجد جدید احق ہو وہاں حکم بالعکس ہوگا باقی بانی کی نیت کا اثر مصلی کے عمل میں نہ ہوگا (اشرف) اور قدیم وجدید سب کو باطل کر کے تیسری مسجد وعید گاہ بنانا جائز نہیں کیونکہ جو مسجد، مسجد ہو چکی ہے اس کی تعمیر وآبادی وحفاظت لازم ہے ہدم وابطال وتعطیل جائز نہیں (لیکن اگر بن گئی تو اس کا حکم بھی مسجد ثانی کا ہوگا۔ (اشرف) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۵ صفر ۴۵ھ

مسجد کے متصل زمین پر جو وقف علی المسجد ہو اس پر کرایہ کے لئے دوکانیں بنانا اور فناء مسجد کی تعریف

سوال: السلام علیکم یا مولانا! جواب استفتاء ذیل بتوجہ و دین پروری مرحمت فرمایند کہ شکور خواہم ماند.

(۱) مسجدیست کہ بطرف گوشہ مغرب و شمال او یک قطعہ وقف علی المسجد متصل دیوار افتادہ است کہ نمازیان بعض وقت بول می کنند حالاً شخصے می خواہد کہ در آن قطعہ خانہ یا دوکان سازد و کرایہ آں در غلہ مسجد داخل نماید کہ در عمارت مسجد بکار آید آیا چنیں طور کردن جائز است یا نہ؟

(۲) فناء مسجد کرامی گویند و ہمیں قطعہ مذکورہ را فناء گفتہ شود یا نہ؟ و حکم فناء مسجد چیست یعنی در فناء مسجد مرور جنب و حائضہ جائز است یا نہ؟ و دراں دو کان کرایہ آں در عمارت مسجد صرف نمودن جائز است یا نہ؟

السائل عبدالفتاح
از شکارپور سندھ محلہ مہر شاہ وقبہ

الجواب

(۱) این فعل جائز است اگر خلافِ غرض واقف نہ باشد والّا اتباع غرض واقف لازم بود.

(۲) فناء مسجد گاہے صحنِ مسجد را گویند و گاہے متعلقات و ملحقات اورا، و مرور جنب و حائضہ از اول ممنوع است نہ از ثانی. واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۸ جمادی الاوّل ۴۸ھ۔

مسجد کے لئے یہ شرط ہے کہ اوپر نیچے سب زمین مسجد کے لئے وقف ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم نے ایک غیر مسلم سے ایک قطعہ مکان بغرض دوکان کرنے کے کرایہ ماہواری پر لیا اور دونوں کے درمیان شرط یہ ٹھہری بذریعہ تحریر کہ جب تک زید کا جی چاہے مکان مذکور میں رہے

اور جب جی چاہے چھوڑ دے غیر مسلم کو مکان سے نکالنے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی شرط پر ایک عرصہ دراز تک قریب سولہ سال کے دونوں قائم رہے اور کرایہ زید برابر غیر مسلم کو باخذر سید ادا کرتا رہا اس کے بعد زید نے باجازت غیر مسلم مالک مکان کے اپنے صرفہ سے اس مکان میں تعمیر کا اضافہ کیا تب غیر مسلم کو اور غیر مسلم نے ورغلا کر بہکا دیا کہ زید مسلم ہے اس سے مکان خالی کرالو اور کسی غیر مسلم ہندو کو دے دو تب اس نے زید سے کہا کہ میرا مکان خالی کر دو، زید نے انکار کر دیا شرط مذکورہ بالا کی بنا پر اس پر غیر مسلم نے پنچایت جمع کیا اور اس میں پیش کیا۔ اس پنچایت مذکورہ میں زید نے شرط مذکورہ کی تحریر کو پیش کیا۔ پنچایت والوں نے غیر مسلم کو ہرا دیا۔ اسی شرط کی رُو سے اور بازر کھا غیر مسلم کو اس کے بعد پھر کرایہ بدستور زید ادا کرتا رہا اس کے بعد زید نے اس موضع میں زمینداری نیلام خرید لیا باجازت مدیون ڈگری بعد خرید نے زمینداری کے غیر مسلم لاوارث فوت کر گیا تب اس کے بعد موضع کا بٹوارہ و تقسیم زمینداروں میں ہوئی۔ سرکاری طور پر بذریعہ درخواست شرکار موضع دیگر حصہ داران موضع نے عدالت میں یہ عذر پیش کیا کہ یہ مکان مسکونہ زید و دیگر چند مکانات لاوارث ہیں یہ سب پر حسب رسد تقسیم کی جائیں۔ عدالت نے عذر خارج کر دیا اور یہ فیصلہ کر دیا کہ مکانات جس زمیندار کے قبضہ میں ہیں انہی کو دیئے جائیں اس کے معاوضہ میں دوسری زمین سے دیگر حصہ داران کو دیئے جائیں اسی کے مطابق تقسیم ہو گئی۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ بروقت مخاصمت تخلیہ مکان غیر مسلم کے زید نے نیت کر لیا تھا اللہ پاک سے کہ یا اللہ! اگر یہ مکان حلال طریقہ سے مجھ کو مل گیا تو میں اس دوکان کے اوپر کے حصہ پر مسجد بنوا دوں گا بشرط استطاعت اور نیچے کے حصہ میں دوکان کروں گا۔ واضح رہے کہ مالک مکان غیر مسلم حصہ دار و زمیندار موضع نہیں تھا بلکہ کاشت کارانہ قابض تھا اب از روئے شرع شریف کے تحریر فرمائیں کہ مکان حلال طریقہ سے ملا ہے یا نہیں؟ اور چھت پر مسجد بنا کر نیچے اپنی دوکان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور چھت پر مسجد بنائیں تو کس طرح بنا سکتے ہیں آیا صرف امام کی جگہ نیچے زمین پر ہو اور بقیہ خالی جگہ نیچے قابل دوکان ہو یا کیسے ہو؟ خلاصہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

سائل، عجیب پھولپور، ڈاک خاص ضلع اعظم گڑھ

الجواب

صورت مسئولہ میں یہ مکان تو زید کو حلال طریقہ سے ملا ہے مگر اس کے اوپر مسجد نہیں بن سکتی کیونکہ مسجد کے واسطے یہ شرط ہے کہ اس کے نیچے اوپر کی سب زمین مسجد کے واسطے وقف ہو۔ اگر یہ شخص دوکان کو اپنی ملکیت میں رکھنا چاہے تو اوپر کے حصہ پر مسجد نہیں بن سکتی البتہ اگر دوکان کو بھی مسجد کے لئے وقف کرنا چاہے تو سوال دوبارہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۰ جمادی الثانی ۴۸ھ۔

نقل مسجد کی ایک صورت کا حکم | سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ موضع کھاڑی اسٹیٹ بنارس کے مسلمانوں کو مہاراجہ صاحب بنارس کی طرف سے زمین برائے تعمیر مسجد خاص اسلامی آبادی کے اندر ملی تھی اور اس جگہ ویسے لوگ برابر نماز پڑھا کرتے تھے پس امسال ماہ اگست میں زمین مذکورہ بالا پر تعمیر مسجد شروع کر دی گئی اور تین فٹ دیوار اونچی بھی آچکی تھی کہ قرب وجوار کے متعصب ہندوؤں نے جمع ہو کر زبردستی دیوار کو گرا دیا اور یہ معاملہ سپرد عدالت ہے پس حکام ضلع کی رائے ہے کہ مسجد دوسری جگہ بنائی جائے مگر قرب وجوار کے عام مسلمان اس بات پر اڑے ہیں کہ مسجد اسی جگہ بنائی جائے جہاں اس کی بنیاد پڑ چکی ہے دوسری جگہ پر بنانا شریعت کے خلاف ہے اس پر جناب کلکٹر صاحب بہادر، مذہبی ثبوت طلب کر رہے ہیں۔ علماء دین سے گذارش ہے کہ اس بارے میں شریعت کیا حکم رکھتی ہے کہ مسجد اسی جگہ موقوف علیہ پر بننی چاہیئے یا کہ دوسری جگہ بنائی جائے جواب مدلل مع ثبوت کے ہونا چاہیئے تاکہ عدالت ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب وھو الموفق للصواب

جس جگہ اب مسجد ہے اسی جگہ رکھنا ضروری ہے اس کے بدلے میں دوسری

جگہ لینا ہرگز جائز نہیں ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور کتب فقہ میں مصرح ہے چنانچہ عالمگیریہ[1] جو کہ مذہب حنفی کی ایک مسلّم ومقبول کتاب ہے اس میں صاف لکھا ہے:

لو کان مسجد فی محلة ضاق علی اهله ولا یسعهم ان یزید وا فیه فسألهم بعض الجیران ان یجعلوا ذالك المسجد له لیدخل هو فی داره ویعطیهم مکانهم عوضًا ما هو خیر له یسع فیه اهل المحلة قال محمد: لا یسعهم ذلك کذا فی الذخیره"

دیکھئے اس صورت میں باوجودیکہ مسلمانوں کو سخت ضرورت تھی مگر پھر بھی اجازت بدلنے کی نہیں دی اور صورت مندرجہ فی السوال میں تو کوئی ضرورت بھی نہیں ہے. پس اس حالت میں بدلنا تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا. کما لا یخفیٰ علیٰ من له ادنیٰ فهم اور ہدایہ کتاب الوقف میں تصریح کی ہے لم یکن له ان یرجع فیه ولا یبیعه[2] ولا یورث عنه (ص ۶۲۱ ج ۲)

علاوہ ان دو مقبول عام کتابوں کے دوسری کتابوں میں اس سے بھی زیادہ تصریحات موجود ہیں حتیٰ کہ مسجد اور محلہ مسجد بے آباد ہو جائے تب بھی اس جگہ مسجد رکھنا ضروری ہے. کما فی الدر المختار: ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی) ابدا الی قیام الساعة (وبه یفتی) حاوی القدسی (شامی ص ۳۸۲ ج ۳) ایسی ایسی صاف تصریحات کے بعد دیکھنے والے کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ سکتا کہ مسجد کا بدلنا حرام ہے لہٰذا زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں. خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہم مسجد اسی جگہ رکھیں گے مذہبی حیثیت سے نہایت ضروری ہے اس کے خلاف کرنا کسی طرح جائز نہیں.

فقط واللہ اعلم.

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ. از تھانہ بھون
مورخہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۵۱ھ

[1] فصل اول باب حادی عشر کتاب الوقف (ص ۲۳۹ ج ۳)

[2] اور تبادلہ کے بیع ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے.

نعم الجواب وھو عین الصواب
اشرف علی
۱۵ر جمادی الاوّل ۵۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمّد شفیع عفرلہ
خادم دارالافتار دارالعلوم دیوبند
وارد حال تھانہ بھون، ۱۵ جمادی الاوّل ۵۱ھ

حکم انتقاض دوکانہائے مسجد

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں چند دوکانیں وقف ہیں ان کی جب مرمت ہوتی ہے تو کچھ ملبہ اینٹ وتختہ وکیواڑ وغیرہا بوسیدہ بچے رہتا ہے فی الحال یا آئندہ کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ مسجد مذکور کی دوکانوں میں کام نہ آئے گا تو متولیان مسجد اس کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر فروخت کر کے مسجد کے دیگر مصارف میں اس کو لاسکتے ہیں یا نہیں ؟ محمد اسمٰعیل شاملی

الجواب

بچے ہوئے ملبہ کو فروخت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے ۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۳ رجب ۵۱ھ

کتبہ عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ ۱۵ر رجب ۵۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمّد شفیع عفرلہ
خادم دارالافتار دارالعلوم دیوبند
۱۷ر رجب ۵۱ھ

ایک مسجد کی آمدنی دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد کی اس کے خرچ سے اتنی زیادہ آمدنی ہو کہ سالانہ جمعہ میں جمع ہوتا رہتا ہو تو اس زائد آمدنی سے دیگر مساجد کی آمدنی کی صورت

نکال سکتے ہیں یا نہیں مثلاً دوکانیں بنادیں یا جائیداد خرید کردیں پھر اس کی آمدنی سے اپنا دیا ہوا روپیہ وصول کرلیں یہ جائز ہے یا ناجائز ؟

سائل محمدؐ اسماعیل
قصبہ شاملی

الجواب

قرض دینا دوسری مسجد کو اس شرط پر جائز ہو سکتا ہے کہ قاضی شرعی قرض کی اجازت دے دے اور یہاں قاضی ہے نہیں اس واسطے قرض دینے کی اجازت نہیں ہو سکتی، وجماعة المسلمين لا تقوم مقام القاضي في ذالك لان الاستدانة سهل واداء الدين عسير جدًا وعند المطالبة يقع النزاع كثيرًا فالمنع اولىٰ سدًّ الباب الفتنة كما افتى به العلامة التهانوي مد ظله العالي. البتہ اگر بالکل ضرورت سے زائد ہے اور آئندہ بھی مسجد میں ضرورت کا احتمال نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ بطور امداد کے دوسری مسجد کو روپیہ بالکل دے دیں مگر اس امداد میں اس مسجد کا حق مقدم ہوگا جو قریب ترین ہو ثم الاقرب فالاقرب و هذا كله مصرح في كتب الفقه. واللہ اعلم.

کتبہ
عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ رجب ۵۱ھ

البجواب صحیح
بندہ محمدؐ شفیع عفرلہ
خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۷ رجب ۵۱ھ

البجواب صحیح
اشرف علی
۲۳ رجب ۵۱ھ

مسجد کے کسی حصّہ کو دوکان بنانا جائز نہیں ہے

سوال: مخدوم مکرم و معظم محترم

بندہ ادام اللہ ظلکم وبرکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بس از آداب نیازمندانہ عرض پرداز ہوں عرصہ سے خیریت مزاج معلوم نہیں ہوئی۔ امید کہ آنحضرت مع اعزہ مع الخیر ہوں گے۔ باعث تصدیق یہ ہے کہ یہاں پر عرصہ کئی سال سے ایک مسجد معروف بہ "مسجد جوگیاں" شکستہ حالت میں پڑی ہوئی تھی چھت بھی گر گئی تھی اہلِ محلہ کو اکثر تاکید کی گئی کہ اس کی مرمت کر کے نماز کا اہتمام کریں مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ یہ مسجد ہندو مہاجنوں کے وسط میں ہے اس لئے مسلمانوں کو فکر ہوئی کہ کہیں اس کسمپرسی کی حالت میں کچھ عرصہ کے بعد ہندوؤں کے قبضہ نہ پہنچ جائے۔ اور بھائی ریاض الاسلام نے چندہ کر کے اس کی تعمیر اور مرمت کا کام شروع کر دیا ہے۔ یہ مسجد لب سڑک ہے اور کرسی بلند ہے مسجد کی سہ دری کے نیچے ایک دوکان پیشتر سے موجود ہے اب تجویز یہ ہے کہ ایک دوکان صحنِ مسجد کے نیچے نکال دی جائے تاکہ مسجد کا خرچ ان دونوں دوکانوں سے چلتا رہے ورنہ کچھ عرصہ کے بعد مسجد پھر ویران ہو جائے گی کیونکہ اہل محلہ عموماً مفلس اور بدشوق ہیں۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ ایسی حالت میں صحن مسجد کے نیچے دوکان بنانی جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

تعمیر کا کام شروع ہو گیا ہے جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں۔ فقط۔ والسلام

راقم ناچیز طفیل احمد۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر

۲۱ رجب ۱۳۵۸ھ

الجواب

قال فی الدر: لو بنی فوقه بیتًا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیه ثم اراد البناء منع ولو قال: عنیت ذالك لم یصدق "تاتارخانیة"، فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرة منه ولا ان یجعل شیئًا منه مستغلاً ولا سکنی اھ (بزازیة) قال الشامی: والمراد۔ بالمستغل ان یوجد منه شئ لاجل عمارته وبالسکنیٰ محلها

وعبارة البزازية على مافى البحر: ولا مسكنا وقد ردفى الفتح ما بحثه فى الخلاصة من انه لو احتاج المسجد الى نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بانه غير صحيح اھ (ص ۳، ۵۷۳ ج ۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ تمامیت مسجد کے بعد مسجد کے کسی حصّہ کو دوکان بنانا یا دوکان میں شامل کرنا اگرچہ مصلحت مسجد ہی کے لئے ہو جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۲ رجب ۵۸ھ

www.ahlehaq.org

احکام المقابر

ایسے قبرستان کو فروخت کرنا جس میں پیسے لے کر مردے دفن کئے گئے ہوں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک زمین کو میونسپلٹی کی اجازت حاصل کرکے اور سرکاری دفتر میں درج کرواکے قبرگاہ بنا دیا اور روپیہ لے کر مسلمانوں کی نعشیں اس میں دفن کرتا رہا ایک مدت کے بعد جب وہ زمین کچی اور پکی قبروں سے بھر گئی تو حسب قانون میونسپلٹی نے اس میں مردے دفن کرنا چھوڑ دیا مگر اس میں قبریں موجود ہیں اور مسلمان لوگ وہاں برابر زیارت کرنے جاتے ہیں۔ زید نے جو دیکھا اس کی آمدنی کی صورت بند ہو گئی تو اس نے درپردہ اس زمین کا کچھ حصّہ ایک مسلمان کے ہاتھ بیچ دیا۔ اور کچھ حصّہ کو ایک ہندو کے ہاتھ بیچ دیا۔ مسلمان مشتری نے اس پر مکان سکونتی اور پائخانہ بنایا اور ہندو مشتری اس زمین میں عمارت بنانے کی غرض سے یا اور کسی غرض سے اس کو کھود کر مسطح بناتا ہے اور قبروں کو مسمار کرکے ہڈیوں کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ ایسی حالت میں اب سوال یہ ہے کہ اس زمین کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں اس پر مکان سکونتی اور پائخانہ بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اس کو کھود کر قبروں کو مسمار کرنا اور مردوں کی ہڈیوں کو اکھاڑ کر پھینکنا جائز ہے یا نہیں۔ ان سب حرکات ناشائستہ پر مزاحمت کرنے اور مفسدوں کو ان حرکات سے باز رکھنا عام مسلمانوں کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت یہ ہے کہ زید نے اپنی زمین کو روپیہ لے کر مردوں کو دفن کیا اس وجہ سے جس قدر زمین ہر مردہ کے دفن کے لئے زید نے دی ہے وہ اس کی ملک سے خارج ہو گئی اور مردہ کے وارث اس کے مالک ہو گئے۔ لہٰذا اب زید کا اس زمین کو کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر فروخت کرے گا تو بیع فاسد ہو گی۔ مردوں کے ورثاء کو حق ہے کہ قبروں پر جو شخص بدون ان کی رضاء کے مکان بناتے اس کے مکان کو منہدم کر دیں۔

دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس صورت میں کہ زید نے اس مقبرہ کا کچھ حصہ ایک مسلمان

کے ہاتھ اور ایک حصّہ ہندو کے ہاتھ فروخت کیا ہے اور وہ مردوں کی ہڈیوں کو نکال کر باہر پھینکتا ہے یا قبروں پر پائخانہ بناتا ہے اس صورت میں مسلمانوں کی قبروں کی سخت توہین ہے۔ تمام اہل اسلام کو اس توہین مذہبی کی وجہ سے احتجاج کا حق ہے بلکہ سب کو لازم ہے کہ زید کو مجبور کریں کہ خریداروں کو رقم واپس دے اور قبرستان کو خالی کرالیں واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عثمانی عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۱ رجب ۴۰ھ

الجواب صحیح
اشرف علی ۱۱ رجب ۴۰ھ

قبر پر سے خودرو گھاس یا درخت کا کاٹنا اور پھلدار درخت کا پھل کھانا کیسا ہے اور قبر ختم کرکے زراعت کا حکم

سوال: اگر کسی قبر پر خودرو گھاس یا درخت ہے تو اس گھاس اور درخت کو قطع کرنا اور کسی استعمال میں لگانا ایسا ہی اگر کوئی پھلدار درخت ہو تو اس کا پھل کھانا کیسا ہے؟

۲۔ اگر کسی زمین پر مردہ دفن کیا جائے تو اس قبر کو کھیت بنانا یعنی اس پر زراعت وغیرہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کیا اس کے لئے کوئی میعاد ہے (کہ اتنے سال کے بعد تو جائز ہے اور اس سے پہلے جائز نہیں؟)

الجواب

۱۔ گھاس کا کاٹنا تو جائز ہے مگر بلا ضرورت شدیدہ تر گھاس کاٹنا اچھا نہیں اور ضرورت میں کچھ حرج نہیں، البتہ درخت کے کاٹنے میں تفصیل ہے۔ اوّل یہ بتلایا جائے کہ قبرستان وقف ہے یا مملوک اور وقف ہے تو متولی کوئی ہے یا نہیں اور متولی نہیں ہے تو اب تک اس قبرستان کے درخت وغیرہ کس طرح صرف ہوتے رہے اور بعد وجود شرائط حل قطع محض قبر پر درخت کا ہونا حلِ قطع سے مانع نہیں۔ اسی طرح پھلدار درخت کا پھل قاعدہ شرعیہ سے توڑا جائے تو محض قبر پر درخت، ہونے سے اس کے پھل میں کچھ خرابی نہیں آتی۔

۲۔ جب تک قبر کا نشان موجود ہو یا نشان نہ ہو مگر ظاہر حالات سے معلوم ہوتا ہو کہ ابھی جسم میت خاک خوردہ نہیں ہوا ہوگا اس وقت تک اس پر زراعت وغیرہ جائز نہیں اور جسم کے خاک خوردہ ہونے کی میعاد ہر ملک میں الگ ہے۔ عام طور پر کوئی میعاد مقرر نہیں

کی جاسکتی۔ اپنے یہاں کے مبصرین سے یا علماء محققین سے دریافت کرلی جائے اور جب یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ جسم خاک خورہ ہو گیا ہوگا اس کے بعد قبر پر زراعت جائز ہے۔ بشرطیکہ موضع قبر زارع کا مملوک ہو۔ موقوف نہ ہو۔ اگر موقوف ہوگا تو زراعت جائز نہ ہوگی بلکہ وہ زمین قبر کے کام لائی جائے گی۔

قال فی الشرنبلالیة وکرہ قلع الحشیش الرطب وکذا الشجرة من المقبرة لأنہ مادام رطبًا یسبّح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالیٰ الرحمة ولا بأس بقلع الیابس منهما اھ قال الطحطاوی تحت قولہ لأنہ مادام رطبًا الخ۔ ومن ھذا قالوا لا یستحب قطع الحشیش الرطب مطلقًا ای ولو من غیر جنایة (وھی مقبرة) من غیر حاجةٍ افادہٗ فی الشرح عن قاضی خان اھ (ص ۳۶۴) قلت والظاھر ان الکراھة تنزیھیة کما یقیدہ التعلیل۔

۲۔ فی الشامیة (قلت وقد تقدم) انہٗ اذا بلی المیت وصار ترابًا یجوز زرعہٗ والبناء علیہ ومقتضاہٗ جواز شیٔ علیہ (ص ۹۴۵ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از خانقاہ امدادیہ ۶ رجب ۱۳۴۵ھ

قبرستان کی زمین پر مدرسہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

عمارت مسجد اور دفن موتی کے واسطے وقف کا ایک بڑا باغ آمدنی والا ہے اس میں سے ایک جگہ کو لوگوں نے مقبرہ بنالیا تھا اب ۲۵ سال سے اس مقبرہ میں دفن کرنا چھوڑ دیا اور قبروں کی علامات بھی مٹ گئیں اور اس مقبرہ میں دو جھاڑ تھے۔ ایک کم آمدنی والا دوسرا بے آمدنی والا۔ ان دونوں جھاڑوں کو نکال کر مقبرہ کی جگہ اب ایک مدرسہ تعمیر کیا ہے۔ اسی میں سے مال صرف کر کے تیار کیا ہے جو اجارہ باطلہ وفاسدہ ہے اور جرمانہ[1] اور چندہ[2] نکاح اور مسجد مذکور کے وقف کی آمدنی سے حاصل ہوا ہے۔ اب اس مدرسہ میں رہ کر پڑھنا اور درس دینا جائز ہے یا نہیں۔ مع دلیل وحوالہ کتب جواب سے ممنون فرمائیے۔

[1] جرمانہ وہ مال ہے جو خطاء کی تعزیر میں لیا جائے۔

[2] نکاح کا چندہ وہ مال ہے جو نکاح کرنے والے سے لیا ہے۔

الجواب

اگر زمین مقبرہ ہیں بحالت استغناء عن الدفن مدرسہ کا قیام باذن واقف ہوا ہے. اگر واقف زندہ ہے یا باذن متولی وقف ہوا ہے یا باذن عامہ مسلمانان ہوا ہے اگر واقف موجود متعین نہیں ہیں" مدرسہ کا تعمیر کرنا جائز ہے ورنہ نہیں .

عن الفقیہ ابی جعفر عن ھشام عن محمدؒ یجوز أن یجعل شیئًا من الطریق مسجدًا او یجعل شیئًا عن المسجد طریقًا للعامۃ ذکرہ الإمام خواھرزادہ فی کتاب الشرب کذا فی الخلاصۃ وفی العالمگیریۃ کما احفظ ولم اجد موضعہٗ الآن یجوز ان یجعل المقبرۃ مسجدًا ولا یجوز ان یجعل المسجد مقبرۃً پس مقبرہ کو مدرسہ کرنا بھی جائز ہے قیاسًا علی المسجد بشرطیکہ مردوں کا جسم بغلبہ ظن خاک ہو گیا ہو اور نئی قبریں اس جگہ نہ ہوں جہاں مدرسہ بنایا گیا ہے اور بشرطیکہ جائز آمدنی سے مدرسہ بنایا جائے اور صورت مذکورہ میں ناجائز آمدنی سے مدرسہ بنایا گیا ہے . مدرسہ تو ہو گیا لیکن بانی کو حرام آمدنی لگانے کا گناہ ہوا. اب اس مدرسہ میں جو شخص رہے اس کو اگر وظیفہ و تنخواہ ایسی ہی حرام آمدنی سے ملتی ہے تو اس شخص کو مدرسہ کی ملازمت جائز نہیں اور اگر تنخواہ وغیرہ حلال آمدنی سے ملتی ہے تو ملازمت اور مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا جائز ہے .

قال ابو یوسفؒ اذا غصب ارضًا فبنیٰ فیھا مسجدًا او حمامًا او حانوتًا فلا بأس بالصلوٰۃ فی المسجد والدخول فی الحمام للإغتسال وفی الحانوت للشراء ولیس لہٗ أن یستأجرھا وإن غصب دارًا فجعلھا مسجدًا لا یسع لأحد أن یصلی فیہ ولا أن یدخلہ کذا فی العالمگیریۃ ص ۲۱۴ ج ۶)

وفیہ ایضًا. الغاصب اذا خلط المغصوب بمال غیرہ او بمال نفسہ فھو علی ضربین خلط ممازجۃٍ وخلط مجاورۃ فی مالا یمکن التمیز بینھما بالقسمۃ فالخالطنا من ولاحق للمالک فی المخلوط بالاجماع اھ مخلصًا (ج ۶/۴۸) ولا یخفی ان النماء حصل بعد الخلط فی الأموال فلاحق لمالک فی النماء وانّما حقھم فی ذمۃ الباقی فینبغی ان یجوز استعمالہٗ۔

چالیس پچاس سال پرانی قبروں کی جگہ کھود کر حوض بنانا کیسا ہے ؟

سوال : ایک وقف کے مقبرہ میں چالیس پچاس سال کی پرانی کئی قبروں کو کھود کر اندر کی ہڈیاں وغیرہ نکال کر اس جگہ کو خالی کر دیا یا اس جگہ حوض بنا دیا۔ اب اس جگہ میں نماز جنازہ پڑھنا یا چلنا پھرنا بیٹھنا یا اس حوض کو استعمال کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

مسلمان مُردوں کی ہڈیوں کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا جائز نہیں۔ اس کا گناہ منتقل کرنے کرنے والوں کو ہوا۔ باقی اب وہاں دوسروں کو نماز پڑھنا یا وہاں پر بنے ہوئے حوض سے کام لینا جائز ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۴۴ھ

پرانی قبر کو مسجد میں داخل کرنا

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد بہت چھوٹی ہے جس میں پورے طور پر نمازی لوگ نہیں آسکتے اس کو بڑھانا چاہتے ہیں مگر تین طرف سے بالکل جگہ نہیں اور دوسری طرف اگر مسجد بڑھائی جائے تو ایک قبر مسجد کے اندر آجاتی ہے ایسی صورت میں مسجد کا کیا حکم ہے۔ اگر اس مسجد کا اسباب لے کر کشادہ زمین میں اس اسباب سے مسجد تعمیر کرائی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر پرانی ہے۔ سو اگر ایسا ہے تو اس قبر کا نشان مٹا کر یعنی اس کی بلندی کو دوسری زمین کے ہموار کر کے اس زمین کو مسجد کے اندر لے لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ موضع قبر وقف ہو۔ اگر وقف نہ ہو تو ورثاء میت سے یا جو اس زمین کا مالک ہو اجازت حاصل کر کے ایسا کیا جائے اور اگر جدید ہے پرانی نہیں تو ابھی اس کو جزء مسجد بنانا جائز نہیں۔ جب تک کہ قدیم اور بوسیدہ نہ ہو جائے۔ اس صورت میں اس مسجد کو اس حال پر چھوڑ دیا جائے اور دوسری جگہ بڑی مسجد بنائی جائے قدیم مسجد کا منہدم کرنا اور اس کا سامان جدید میں لگانا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

قال فی الدّر: توخذ ارض ودار أوحانوت بجنب مسجد ضاق علی الناس بالقیمة کرها عمادیة: قال الشامی وفی الفتح ولو ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف علیه اوحانوت جاز أن یؤخذ

ویدخل فیہ اھ زاد فی البحر عن الخانیۃ بأمر القاضی وتقیدہٗ بقولہٖ وقف علیہ ای علی المسجد یفید انھا لو کانت وقفًا علی غیرہٖ لم یجز لکن جواز اخذ المملوکۃ کرھًا یفید الجواز بالأولی لأن المسجد للہ تعالٰی وکذا الوقف ولذا ترک المصنف فی شرحہٖ ھذا القید وکذا فی جامع الفصولین تأمل (ص ۵۹۴ ج ۳) قلت ولکن عامۃ المسلمین فی ذالک کالقاضی کما فی اقامۃ الامام للجمعہ فإن الحاجۃ ماسّۃٌ وایضًا ففی البقاء القبر وموضعہ وقفًا فی العمران مخالفۃ السنۃ فان الدفن خارج العمران ھو السنۃ لغیر الانبیاء وایضًا فالقبور التی تکون فی العمران لا یدفن فیھا آخرون کما ھو العادۃ فلا بأس بطمس علامتھا وجعلھا مسجدًا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۲۵ رجب ۴۶ھ

پرانے قبرستان پر مزید ایک دو ہاتھ مٹی ڈال کر اس میں مردے دفنانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی ایک قبرستان جس کے ایک طرف ایک مسجد بھی واقع ہے۔ اس وجہ سے اس میں بہت تنگی ہے اور مدّت سے کثرت دفن موتیٰ کی وجہ سے اس قبرگاہ میں کوئی جگہ نہیں رہی کہ آئندہ کوئی دفن کیا جائے کیونکہ اگر قبر کھودی جاتی ہے تو مردے کے اجزاء ہڈیاں وغیرہ ملتی ہیں اور اب اہلِ محلہ اتفاق کرتے ہیں اس پر ایک مٹی ڈال کر اونچا کر دیا جائے پھر دفن کریں یہ جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب

جب یہ بات متحقق ہے کہ اس قبرستان میں کثرت موتیٰ کی وجہ سے جگہ نہیں رہی۔ تو اب اس قبرستان کو چھوڑ کر کوئی دوسری زمین دفن موتیٰ کے لئے اختیار کرنی چاہیئے اور جب تک یہ ظن غالب نہ ہو جائے کہ قبرستان اوّل کے مردے بوسیدہ ہو کر خاک ہو گئے ہوں گے اس وقت تک یہاں دوسرے مردے دفن نہ کئے جائیں۔ پس جو صورت اہلِ محلہ نے اتفاق سے پاس کی ہے بدون سخت ضرورت و مجبوری کے جائز نہیں۔ پس مجبوری اور

ضرورت کو ظاہر کیا جائے۔ کیا دوسری زمین دفنِ موتیٰ کے لئے میسر نہیں آسکتی ؟

قال فی مراقی الفلاح : ولا بأس بدفن اکثر من واحد فی قبر واحد للضرورة قالہ قاضیخان ویحجز بین کل اثنین بالتراب (قال الطحاوی ولیس منها ای من الضرورة ضیق محل الدّفن فی تلك المقبرة مع وجود غیرها لما فیہ من هتك حرمة المیت الاوّل وتفریق اجزاءہ ولکن فی الدفن نوقہ هتك حرمتہ کما لا یخفی ۱۲) قال فی مراقی الفلاح ولو بلی المیت صار ترابًا جاز دفن غیرہ فی قبرہ ولا یجوز کسر عظامہ ولا تحول شئ منها ولا ینبش وان طال الزمان اھ واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ، ۱۶ شوال ۴۶ھ

قبرستان کو عیدگاہ بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان میں بحکم سرکار دفن اموات بند کر دیا گیا اور بوجہ بعد زمانہ کثیر قبریں برباد ہو رہی ہیں حتی کہ بعض مقامات میں نشانات قبور بھی نمایاں نہیں رہے ہیں پس ایسی جگہ کہ جہاں قبروں کا نشان تک بھی باقی نہیں رہا ہے ضرورتاً عیدگاہ بنا لینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا وتوجروا۔

تنقیح : یہاں یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ قبرستان وقف ہے یا وقف نہیں ؟ (۲) اس قبرستان میں قبریں کس قدر عرصے کی ہیں آیا ظن غالب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مُردوں کی لاشیں خاک خوردہ ہو گئی ہوں گی یا نہیں۔ واللہ اعلم

جواب تنقیح

قبرستان مذکور صورتاً عرفاً تو وقف ہے۔ حکماً نہیں عرض کیا جا سکتا ہے۔ اصل واقفان کے وارث بھی اس کو وقفی قبرستان سمجھتے تھے اور اقرار کرتے ہیں۔ باقی قبور اندازاً چالیس پچاس سال یا کم و بیش کی ہوں گی جن کے متعلق گمان غالب تو یہی ہے کہ ہڈیاں وغیرہ خاکستر ہو چکی ہوں گی۔ انیس سال سے تو اس قبرستان میں اموات دفن ہونا ہی بحکم سرکار بند ہے اور نہ معلوم قبور کب کی ہوں گی۔

الجواب

جب اصلی مالکان کے وارث اس قبرستان کو وقفی قبرستان تسلیم کرتے اور اقرار کرتے ہیں تو اس قبرستان کو عید گاہ بنانا درست نہیں بلکہ اس کو قبرستان ہی رکھنا ضروری ہے اور جب اتنی مدّت گذر جائے کہ پہلی اموات خاک خوردہ ہونا ظن غالب سے معلوم ہو تو پھر اس میں دفن اموات شروع کر دینا چاہیئے۔ گورنمنٹ سے اجازت لے کر امید ہے کہ گورنمنٹ اس قدر مدّت گذر جانے پر ضرور اجازت دے دے گی۔

قال فی الھندیۃ: سئل الاوزجندی عن المقبرۃ فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتیٰ لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا و استغلالھا قال لا ولھا حکم المقبرۃ اھ (ص ۴۵۳ ج ۳) (۱)

فقولہ ولھا حکم المقبرۃ یفید بقاءھا مقبرۃ علی حالھا فید فن فیھا غیر من دفن فیھا اولا۔ واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۳ ربیع الثانی ۴۷ھ

قبرستان میں جوتے پہن کر چلنے کا حکم

سوال: جوتی پہن کر زیارت قبور جائز ہے یا نہیں۔ از راہ کرم مدلل جواب سے مشرف فرمائیں۔ اس بارے میں دو فریق میں اختلافِ عظیم ہو رہا ہے۔ ایک فریق خلاف ادب بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ جوتا نکال کر جانا مستحب ہے۔ دوسرا فریق جوتا پہن کر جانے کو مباح کہتا ہے اور اعتقاد استحباب کو بدعت کہتا ہے مگر فریقین میں سے دلیل ایک کے پاس بھی نہیں۔

الجواب

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا جائز ہے۔ کما فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ولا یکرہ المشی فی المقابر بالنعلین عندنا (ص ۳۶۲) البتہ اگر کسی ضرورت سے کسی قبر پہ پاؤں رکھنا پڑ جائے تو جوتا نکال دینا چاہیئے۔ لما فیہ ایضاً فی شرعیۃ الاسلام

(۱) ھندیہ: ج ۲/ ۴۷۰ :

ومن السنّةِ أن لا یطاء القبور فی نعلیه: فقط واللہ اعلم

کتبہ، عبدالکریم عفاعنہ
الجواب صحیح
ظفر احمد عفاعنہ
از خانقاہ امدادیہ ۲۵ شعبان ۴۸ھ

پرانی قبروں کو مسجد میں داخل کرنا سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں علاوہ صحن کے دس بارہ آدمیوں کی ایک صف کھڑی ہوتی ہے اور اسی قدر محلّہ کے نمازی بھی ہیں لیکن اہل محلّہ کی رائے ہوئی کہ محراب مسجد بڑھا لی جائے تاکہ مسجد میں دو صفیں ہوسکیں اور مسجد کی پشت پر قبرستان ہے لہٰذا محراب مسجد گرائی گئی اور جس وقت نیو کھودی گئی تو اس میں دو قبریں پختہ نمودار ہوئیں اور اس پر ڈاٹ قائم کرکے نیو کی دیوار اٹھالی گئی اور محراب تیار ہوگئی لہٰذا اب موجودہ صورت میں ایک قبر مسلّم محراب میں ہے اور دوسری قبر نصف محراب کے اندر ہے اور نصف باہر ہے اور درمیان میں محراب کی دیوار اٹھی ہوئی ہے لہٰذا ڈیڑھ قبر محراب میں ہوئی اور نصف باہر، اور اسی محراب میں امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں تو اب سب کے نیچے قبر ہے اور اس پر ڈاٹ ہے اور ڈاٹ پر نماز پڑھائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

تنقیح

اس سوال کے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں ان کا جواب آنے پر مسئلہ لکھا جائے گا۔

(۱) وہ قبرستان وقف ہے یا کسی کی ملک ہے (۲) اب اس قبرستان کی دفن موتٰی کے لئے ضرورت ہے یا نہیں (۳) اگر اب وہاں دفن کی ضرورت نہیں رہی تو اس کی کیا وجہ ہے (۴) اگر ملک ہے تو مالک نے اجازت محراب بنانے کی دے دی ہے یا نہیں۔

(۵) اگر ملک چند اشخاص کی ہے تو یہ بھی لکھا جائے کہ ان میں کوئی نابالغ تو نہیں ہے۔

(۶) اور اجازت سب شرکاء بخوشی دے رہے ہیں یا بعض۔ (۷) قبریں کس زمانہ کی ہیں اور ان کے متعلق ظن غالب اہل تجربہ کا کیا ہے کہ آیا وہ میت مٹی ہوگئی ہوگی یا نہیں؟

جواب تنقیح

(۱) وہ قبرستان ملک ہے۔ (۲) اب اس قبرستان میں دفن موتٰی کی ضرورت نہیں۔

(۳) اس لئے کہ اب اس میں جگہ باقی نہیں ہے۔ (۴) مالک نے محراب بنانے کی اجازت دے دی ہے (۵) ملک چند اشخاص کی تھی لیکن سب نے اجازت دے دی اور ان میں کوئی نابالغ نہیں ہے (۶) وہ قبریں زمانہ شاہی کی ہیں اور ان کے متعلق ظن غالب یہی ہے کہ وہ میت مٹی ہو گئی ہوگی لیکن ہڈیاں ضرور باقی ہوں گی کیونکہ تقریباً چار پانچ سال ہوئے کہ ایک جگہ پر مٹی لینے کے لئے ایک بڑا گھڑا کھودا گیا تھا تو اس میں کچھ ہڈیاں نکلیں تھیں۔

الجواب

صورت مذکورہ میں محراب بنانا جائز ہے جب مالکوں نے اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کی اجازت دے دی ہے تو وہ جگہ مسجد ہو گئی اور جب ظنِ غالب یہ ہے کہ میت مٹی ہو گئی تو اب اس پر کچھ بنانا وغیرہ جائز ہے اور چونکہ کچھ ہڈیاں باقی رہنے کا احتمال ہے اس وجہ سے احترام قبر کے لئے ڈاٹ لگا دینا مزید احتیاط کی صورت ہے اس لئے یہ سب کچھ بہت مناسب کیا گیا اور اس محراب میں نماز پڑھنا بلاشبہ درست ہے۔

کما فی الشامیۃ (ص ۸۳۵ ج ۱) قال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابًا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

مورخہ ۱۲ ربیع الثانی ۵۰ھ

قبرستان میں درخت لگانا اور اس کی آمدن قبرستان میں صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ یہاں پرتاب گڑھ میں ایک قبرستان عام اس نوعیت کا ہے کہ اراضی اس کے مالکان سے بذریعہ حکم سرکار مقامی میونسپلٹی نے حاصل کی مسلمانوں کو عام اجازت اراضی مذکور میں اپنے مردے دفن کرنے کی ہے اور یہی قبرستان مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ قبرستان مذکور میونسپلٹی کی طرف سے ایک مجلس منتظمہ کے زیر اہتمام ہے مجلس مذکور کے اراکین سب مسلمان ہیں۔ قبرستان مذکور کے متعلق امور ذیل وضاحت طلب ہیں۔

(۱) آیا قبرستان مذکور کی ایسی اراضی پر جس میں قبور موجود ہیں درمیان قبور خالی جگہ پر درخت اس نیت سے اور غرض سے لگائے جا سکتے ہیں کہ بار آور ہونے کے بعد پھل، پھول، لکڑی وغیرہ فروخت کر کے اس کی رقم اس قبرستان کی درستی وغیرہ میں لگائی جا سکتی ہے۔

(۲) اگر سوال اوّل کا جواب اثبات میں ہے تو آیا ایسے درخت وغیرہ کوئی شخص کارِ خیر سمجھ کر مجلس منتظمہ کی اجازت سے لگا سکتا ہے یا صرف مجلس منتظمہ ہی ایسا کر سکتی ہے۔

(۳) آیا قسم بالا کے پھل، پھول، لکڑی خرید کر استعمال کرنے میں کوئی حرج تو نہیں۔

(۴) قبرستان مذکور کو خالی اراضی میں جس پر فی الحال قبریں نہیں ہیں شرائط بالا کے ماتحت درخت وغیرہ لگائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

تنقیحات برسوال مذکور

(۱) یہ زمین میونسپلٹی نے قیمتاً لی ہے یا مفت اور مفت لی ہو تو پھر یہ بھی لکھا جائے کہ ہمیشہ کے واسطے لی گئی ہے یا کسی وقت واپسی کا بھی وعدہ ہے۔

(۲) اس زمین کو وقف کیا گیا ہے یا ویسے ہی عام دفن کرنے کی اجازت ہے۔ اگر وقف نہیں تو اس زمین کا مالک کون ہے۔

(۳) کیا درخت لگانے کی ضرورت ہے یا ویسے ہی شوقیہ لگانے کا قصد ہے اگر نہ لگائیں تو کیا حرج ہے۔

(۴) خاصی حصّہ میں درخت لگانے کی وجہ سے جگہ میں تنگی تو نہ ہوگی۔

جواب تنقیحات بالا

(۱) میونسپلٹی نے زمین معاوضہ دے کر ہمیشہ کے لئے حاصل کی ہے اب واپسی کا امکان نہیں ہے۔

(۲) باضابطہ دفن نہیں کیا گیا مگر قانوناً بمنزلہ وقف کے ہے اور مالک زمین بذریعہ قانون حصول اراضی میونسپلٹی ہے۔

(۳) ضرورت صرف اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ قبرستان میں جو لوگ بہ ضرورت جائیں ان کے واسطے کچھ سایہ وغیرہ ہو جائے۔ دوسری اصل غرض یہ ہے کہ درختوں کی فصل وغیرہ کے ذریعے سے آمدنی ہو جو قبرستان پر یوں صرف کی جائے کہ اسے محدّد اور محاط کر دیا جائے اور جو ضروریات ہوں ان پر صرف کیا جائے۔

(۴) جگہ میں تنگی نہ ہوگی اور درخت نہ لگانے سے کوئی حرج نہیں ہے البتہ ذریعہ آمدنی

درکار ہے جو کوئی نہیں۔ ایک مزید سوال یہ ہے کہ پرانا حصّہ جس میں قبریں ہیں اور قبر والی اور بغیر قبر کی زمین میں امتیاز نہیں ہو سکتا ایسی زمین پر درخت لگانا اور ان کی فصل بیچنا یا صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

جواب تنقیحات موصول ہوا اب اصل کا جواب نمبروار لکھا جاتا ہے۔

(۱) درخت لگانا اور اس کی آمدنی قبرستان میں صرف کرنا جائز ہے۔

(۲) مجلس منتظمہ کا خود لگانا اور دوسرے کو حکم دینا دونوں ایک حکم رکھتے ہیں۔

(۳) کچھ حرج نہیں۔

(۴) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ا میں مذکور ہوا۔

علاوہ ازیں جوابات تنقیحات کے بعد جس سوال کا اضافہ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس جگہ بہت عرصہ سے دفن موقوف ہو چکا ہے اور اس زمین کی حالت سے گمان غالب ہو کہ اب اموات مدفونہ مٹی ہو چکی ہوں گی تب تو وہ خالی زمین کے حکم میں ہے ورنہ پھر جس جگہ کے متعلق غالب گمان یہ ہو کہ وہ قبر ہے وہاں درخت نہ لگائیں اور جس جگہ کے متعلق غالب گمان یہ ہو کہ یہ درمیانی جگہ ہے وہاں درخت لگانا جائز ہے۔ احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

مورخہ ۱۹ رجب ۵۱ھ

سرکاری قبرستان میں اپنے لئے زندگی میں قبر کھودنا

سوال: جناب مفتی صاحب بعد سلام مسنون کے بعد معروض ہے کہ میں ایک غریب شخص ہوں اپنی دلی دہشت کے مارے بستی کے سرکاری قبرستان جس میں برسات میں قبر کھودنا پانی نکلنے کے باعث بہت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ زمین بہت نیچی ہے۔ ایک گز کھودنے سے پانی آتا ہے۔ اس زمین کے اندر تقریباً دو گز زمین اپنے دفن کے لئے کسی قدر مٹی جمع کر کے ہموار زمین سے کچھ اونچی کی ہے اور اس جگہ کی حفاظت کرتا ہوں چونکہ اس کی مرمت میری دلی عبرت کا باعث ہے نہ پختہ کی ہے اور نہ موم بتی سے روشن کرتا ہوں صرف جمع کردہ مٹی کی حفاظت کرتا ہوں کیا ایسا کرنا جائز ہے۔

الجواب

یہ صورت اپنی مملوک زمین میں تو جائز ہے مگر ایسی زمین میں جس کے ساتھ حق عامّہ

متعلق ہو جائز نہیں کیونکہ جس زمین میں حق عامہ متعلق ہو اس میں کسی خاص حصے کا تعین قبل از وقت کسی کو حق نہیں۔ البتہ اگر سائل اس زمین میں سے کچھ قطعہ اپنے خاندان کے دفن کے لئے سرکار سے خریدے تو پھر اس پر اس کا اونچا کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۲۴ شوال ۴۸ھ

جس جگہ قبرستان ہونے کا شبہ ہو اس کے استعمال کا حکم

سوال: میں موضع سڈمان پرگنہ برہ ضلع بنارس کا باشندہ ہوں بسلسلہ پیشہ بنارس شہر میں مقیم ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ موضع ضلع سڈمان کی پرانی آبادی سوری نسل کے مسلمانوں کی تھی (جس نسل سے شیر شاہ سوری گذرا تھا) لیکن سیکڑوں برس سے اس آبادی کا پتہ نہیں ہے اور نہ ان کی نسل باقی ہے۔ پرانے زمانے کی قبریں پانی سے اس قدر ڈھل گئی ہیں کہ ہڈیاں سطح زمین پر جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ تھوڑی اراضی ایک کوٹری کی کاشت دخلکاری ہے۔ یہ اراضی بھی جب سے کاغذات کا پتہ چلتا ہے زیر کاشت ہے یعنی قبل ۱۸۴۰ء سے زیر کاشت ہے۔ یہ اراضی میرے پاس تخمیناً ۳۰ برس سے آئی ہے۔ امسال سرما میں بیس ۲۰ ہزار اینٹ تھپوایا ہے۔ یہ اینٹ اراضی مذکور الصدر کی مٹی سے تیار ہوا ہے مٹی کھودنے سے جا بجا مُردوں کی ہڈیاں ملیں اور ایک مقام پر بہت سی ہڈیاں ملیں اور قیاس یہ ہوتا ہے کہ زمانہ جنگ میں ایک ہی جگہ پر بہت سے مُردے ڈالے گئے ہوں (واللہ اعلم بالصواب) اس اراضی سے متصل میری دوسری اراضی ہے جو سابق میں پہلی اراضی کا جزو تھا۔ اور کچھ سطح اس کی نیچی ہے وہاں پر میں نے بھٹہ لگوانے کا ارادہ کیا اور بھٹہ لگانے کی دیوار بھی تیار کر لی گئی۔ مجھے بذات خود یہ خیال ہو رہا ہے کہ ممکن ہو کہ یہ زمین قبرستان رہی ہو اور ایسی حالت میں اینٹ کا اراضی کی مٹی سے بنانا اور پکوانا اور بھٹہ لگوانا بُرا تو نہیں ہے اور مذکورہ بالا امور کا لحاظ کر کے مجھے کیا کرنا چاہیئے اینٹ پکواؤں یا نہیں۔ براہ کرم اپنی رائے عالی سے جلد سرفراز فرمائیں کیونکہ بھٹہ لگانے کا وقت بالکل قریب ہے۔

الجواب

جس جگہ کے بارے میں یقین ہو کہ یہاں مسلمانوں کا وقف کردہ قبرستان ہے

وہاں کسی کو اپنی ذاتی دنیوی کام کے لئے کھودائی کرنا جائز نہیں اور مردوں کو دفن کرنے کے لئے جائز ہے۔ بشرطیکہ قبر کا نشان قائم نہ ہو اور جو زمین وقف قبرستان نہیں بلکہ کسی کی ملکیت ہے اور وہاں قبروں کے نشانات ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم نہیں کہ یہاں دفن اجازت سے ہوا یا بلا اجازت اور قبریں نئی نہیں بلکہ قبریں بہت پرانی ہوں تو اس زمین کا کھودنا اور استعمال میں لانا جائز ہے۔ اگر اتفاق سے کسی جگہ ہڈیاں نکل آئیں ان کو اسی جگہ احتیاط سے دفن کر دیا جائے اور جہاں نشانات بھی نہ ہوں محض شبہ ہی ہو وہاں کی جگہ کا استعمال بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اگر ہڈیاں نکلیں تو مثل سابق عمل کیا جائے۔

قال فی مراقی الفلاح : والنبش حرام الا ان تکون الأرض مغصوبة فیخرج لحق صاحبها ان طلبه وان شاء سواه بالارض وانتفع بها زراعة وغیرها. وان دفن فی قبر حفر لغیره بأرض لیست مملوکة لأحد وامّا اذا کانت مملوکة فهی مغصوبة وحکمها سبق (ط) ضمن قیمة الحفر من ترکة والا فمن بیت المال او المسلمین اھ قلت وانّما قیدت جواز الحفر فی جواب السوال بان تکون القبور قدیمة لعدم علم السائل بکون الدفن غصبًا او بالإذن فینبغی الاحتیاط فی نبش ما کان علامة القبر فیه ظاهرة. واللہ اعلم.

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۱۲ ذیقعدہ ۴۵ھ

قبرستان کی آمدنی کی بعض صورتوں کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مخیر سیٹھ نے ۱۹۱۹ء میں سترہ ایکڑ زمین قبرستان کے لئے وقف کی اور اس میں سے اس وقت مربع مسجد و مدرسہ، نماز جنازہ کے لئے، مکان وضو طہارت کے لئے حوض کنواں، امام و خدام مسجد کے لئے رہائش مکانات کے لئے مخصوص کی اور متولیان وقف کو ہدایت کی کہ قبرستان سے کسی وقت کچھ آمدنی ہو تو اس کو مسجد کے پیش امام اور عالم مدرسہ کی تنخواہوں میں صرف کریں اور جو بچے

اس کو دوسرے قبرستان میں بوقت ضرورت لگا دیں چونکہ وقف مذکور میں آمدنی کی کوئی صورت نہیں تھی اس لئے متولیان نے قبر کی کھودائی فی قبر ۱۱ سے ۱۲ مقرر کی اور قبروں کے لئے تابوت اور ٹکڑیاں بانس وغیرہ مہیا کئے جو دفن کے وقت قیمتاً فروخت کئے جاتے ہیں اس سے جو آمدنی ہوتی ہے اس کو گورکنوں کی تنخواہوں، مسجد کے پیش امام مؤذن اور مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے قبرستان کے لئے موٹر عطا کیا جس کا کرایہ معہ روپیہ اہلِ میت سے لیا جاتا ہے جس کی میت کو موٹر میں لایا جاتا ہے۔ واقف مذکور بھی چار سال تک متولیان میں شامل رہے اور انہوں نے بھی اس آمدنی کو مصارف مذکورہ میں صرف کیا مگر اب کچھ لوگوں نے واقف کو بہکا دیا ہے جس کی وجہ سے وہ مصارف مدرسہ میں اس آمدنی کے صرف کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ پس بصورت مسئولہ قبرستان کی اس آمدنی کو مصارف مدرسہ و تعمیر مدرسہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال میں جتنی صورتیں قبرستان کی آمدنی کی ظاہر کی گئی ہیں یعنی اجرت گورکن، قیمت تابوت وجو بہائے قبر و کرایہ موٹر۔ ان کو قبرستان کی آمدنی کہنا حقیقتاً صحیح نہیں۔ کیونکہ قبرستان کی حقیقی آمدنی وہ ہو سکتی ہے جو زمین قبرستان سے متعلق ہو مثلاً قبرستان کے درخت فروخت ہونے سے آمدنی ہوتی یا قبرستان کی زمین میں کچھ دوکانیں یا مکانات ایسے ہوتے جو کرایہ پر چلتے جب یہ صورت نہیں تو ہر سہ صورت ہائے آمدنی سے وقف مذکور اور اس وقف کے واقف کو کچھ تعلق نہیں بلکہ متولیان قبرستان جنہوں نے اس آمدنی کے ذرائع مہیا کئے ہیں وہ اس آمدنی کو قبرستان کی ضروریات میں صرف کرکے جو باقی رہے اس کو مدرسہ اور تنخواہ مدرسین اور تعمیر مکانات مدرسہ وغیرہ جو قبرستان سے متعلق ہیں صرف کر سکتے ہیں البتہ کرایہ موٹر کی آمدنی میں واقف موٹر کی شرائط کا اتباع ضروری ہے۔ اس کی شرائط میں مصارف مدرسہ و تعمیر مکانات مدرسہ میں تصریحاً یا اطلاقاً اس آمدنی کا لگانا جائز ہو تو صرف کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

وھذا کلّہٗ ظاھر بل اظھر من ان یخفی علی من لہ ادنی بالعلم والفقہ۔ واللہ اعلم۔

اور یہ جواب مذکورہ الصدر علی سبیل التنزل ہے اور اگر یہ امر تسلیم کر لیا جائے کہ واقف کو قبرستان کی حقیقی آمدنی میں مدرسہ اور متعلقات مدرسہ پر صرف کرنے کی ممانعت کا حق حاصل ہے جب بھی ہر سہ صور تہائے آمدنی مذکورہ میں یہ حق حاصل نہیں لیکن جبکہ وقف نامہ کے صد۲ سطر۱۲ اور دفعہ ۱۶ پر تصریح ہے کہ آمدنی وقف سے مدرسہ اور عالم کا تقرر کیا جائے اور جملہ امور مذکورہ کا اجراء و ابقاء کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ان امور کا اجراء و ابقاء بدون مصارف کے نہیں ہو سکتا تو واقف کو اس وقف کی حقیقی آمدنی میں بھی مدرسہ اور متعلقات مدرسہ پر صرف سے مخالفت کا حق حاصل نہیں۔ امید ہے کہ حضرت اقدس کے جواب باصواب سے باوجود اختصار کے سوال کی تمام دفعات کا جواب معلوم ہو گیا ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۲۶ ج ۲ ۵۶ھ

قبرستان میں کھانا پینا کیسا ہے؟ سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ واقف قبرستان نے سترہ ایکڑ زمین قبرستان کے لئے وقف کرتے ہوئے وقف نامہ میں تصریح کر دی ہے کہ اس میں سے دو سو فٹ مربع قطعہ زمین میں مسجد و مدرسہ وغیرہ تعمیر کیا جائے بقیہ قبرستان کے لئے رکھی جائے یہ دو سو فٹ مربع قطعہ قبروں سے بالکل خالی ہے اور قبرستان کے کنارے پر ہے جیسا نقشہ مرسلہ ہمراہ استفتاء سے ظاہر ہے۔ اس میں مدرسہ طلبہ کے حجرے، مسجد امام و عالم کے لئے مکانات، وضو کے لئے کنواں، حوض، ملازمین قبرستان کے لئے رہائشی مکانات وغیرہ بنے ہوئے ہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ اس زمین میں جو کہ قبرستان سے ملحق ہے ——— مگر قبروں سے بالکل خالی ہے طلبہ وغیرہ کے لئے کھانا پکانا، کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب وھو الموفق للصدق والصواب

قبرستان میں کھانے پینے کی حرمت کی تو کوئی دلیل نہیں۔ غایت مافی الباب بلاضرورت نامناسب کہا جا سکتا ہے البتہ فقہاء نے قبروں پر چلنے کو قبروں پر سونے کو اور قبروں پر پیشاب پاخانے کرنے کو مکروہ فرمایا ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں ضحک فی المقابر کی ممانعت آئی ہے۔ سو یہ سب اس مقام کے ساتھ خاص ہیں جہاں قبریں بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جنازہ کے ساتھ آگ لے جانے کی جو کراہت آئی ہے اس کا

منشاء بھی رسم جاہلیت کی مخالفت ہے کہ وہ لوگ اظہار شوکت کے لئے جنازہ کے ساتھ آگ لے جاتے تھے. باقی ضرورت کی وجہ سے اگر قبرستان میں آگ لے جائی جائے جیسا کہ رات کو دفن کے لئے چراغ کی ضرورت ہو تو اس کی ممانعت نہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے رات کے وقت ایک صحابیؓ کو دفن کیا اور قبر میں چراغ جلایا گیا.

(رواہ الترمذی وحسنہ ص ۱۲۵ ج ۱)

یا اگر قبرستان ہی میں میت لاوارث کی تجہیز و تکفین کی جائے تو پانی کا گرم ہونا سر پر وکفن کو دھونی دینا ظاہر ہے کہ قبرستان میں ہی ہوگا جس کے منع کی کوئی دلیل نہیں. بہرحال قبرستان کے احکام اس مقام کے ساتھ مخصوص ہیں جہاں قبریں بنی ہوئی ہوں اور جو جگہ اس سے علیحدہ ہے گو اس کے ساتھ ملحق اور متصل ہو اس کا حکم قبرستان کا سا نہیں وہاں سونا، کھانا پینا، بولنا، ہنسنا، کھانا پکانا سب درست ہے. دیکھئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں تین قبریں تھیں تو کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں کھاتی پیتی سوتی نہ تھیں اور کیا اس گھر میں کھانا نہ پکتا تھا یقیناً قبروں کی جگہ کو کسی طریق سے ممتاز کر کے گھر میں سب کام ہوتا تھا. اسی طرح قبرستان مذکورہ فی السوال کے ساتھ جو دو سو فٹ زمین مقام قبور سے علیحدہ ممتاز رکھی گئی ہے وہاں کھانا پینا، سونا، چلنا پھرنا، کھانا پکانا وغیرہ سب درست ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ مدرسہ میں چلنا پھرنا، سونا بھی جائز نہ ہو جس کا کوئی قائل نہیں. واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی یکم رجب ۵۶ھ

ما احسن الجواب وھو الحکمۃ وفصل الخطاب

مسلمانوں کو قبرستان میں مدرسہ عربیہ دینیہ قائم ہو جانے سے خوش ہو جانا چاہیئے تھا کہ ان کے اموات کے انس اور سرور و بہجت کا سامان ہو گیا کہ وہاں قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس ہوگا جو سبب نزول رحمت باری ہے. کیا عجب ہے کہ درس قرآن و حدیث سے جملہ اموات کی مغفرت ہو جائے مگر کس قدر حیرت و تعجب کا مقام ہے کہ بعض حضرات بلا وجہ اس سلسلہ خیر کی مخالفت میں سرگرم ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دیں. آمین

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون
یکم رجب ۵۶ھ

قبر پر زراعت کا حکم اگر کسی زمین پر کوئی مردہ دفن کیا جائے تو اس قبر کو کھیت بنانا یعنی اس پر زراعت وغیرہ کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اگر جائز ہے تو کیا اس کے لئے کوئی میعاد ہے ؟ (کہ اتنے سال کے بعد تو جائز ہے اور اس سے پہلے جائز نہیں) یا نہیں ؟

الجواب

جب تک قبر کا نشان موجود ہو یا نشان نہ ہو مگر ظاہر حالت سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ابھی جسم میت خاک خوردہ نہیں ہوا ہوگا اس وقت تک اس پر زراعت وغیرہ جائز نہیں اور جسم کے خاک خوردہ ہونے کے میعاد ہر ملک میں الگ ہے عام طور پر کوئی میعاد مقرر نہیں کی جاسکتی ہے اپنے یہاں کے مبصر میں سے یا علماء محققین سے دریافت کر لی جائے اور جب یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ جسم خاک خوردہ ہو گیا ہوگا اس کے بعد قبر پر زراعت جائز ہے بشرطیکہ موضع قبر زارع کا مملوک ہو موقوف نہ ہو اگر موقوف ہوگا تو زراعت جائز نہ ہوگی بلکہ وہ زمین قبر کے کام میں لائی جائے گی۔

وفی الشامیة: (قلت: وقد تقدم) انه اذا بلی المیت وصار ترابًا یجوز زرعه والبناء علیه ومقتضاه جواز المشی علیه اھ (ص ۹۴۵ ج ۱) واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۶ رجب ۱۳۴۵ھ

كِتَابُ الشَّرِكَةِ وَالمُضَارَبَة

شرکتِ جائیداد کا ایک مسئلہ جبکہ شرکاء نے عدمِ تقسیم کا معاہدہ کر رکھا ہو

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ انوری بیگم، وقیصر بیگم و افسر بیگم ان چاروں بہنوں کی ایک مشترکہ اراضی ہے جس کے متعلق ان چاروں میں یہ معاہدہ ہوا تھا اور اس کی باضابطہ رجسٹری بھی ہو چکی ہے کہ یہ مشترکہ اراضی کبھی آپس میں تقسیم نہ ہوگی اور نہ کسی شریک کو اپنے حصّہ کے فروخت کی کبھی اجازت ہوگی بلکہ یہ اراضی ہمیشہ مشترک رہے گی اور جب کبھی کسی شریک کو کوئی ضرورت تقریب وغیرہ کی پیش آئے تو وہ اس اراضی کو اپنے کام میں لائے یعنی اس میں مہمانوں کی نشست وغیرہ کا انتظام کرے۔ اب یہ حالت ہے کہ وہ اراضی مسماۃ افسر بیگم کے مکان کے سامنے اور متصل ہے اور اس سے ہمیشہ مسماۃ افسر بیگم یا ان کے کرایہ دار فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں جس وقت اس اراضی کے متعلق مندرجہ بالا معاہدہ ہوا تھا اس وقت مسماۃ اکبری بیگم نابالغہ تھی اور ان کی طرف سے ان کی ماں نے جو ان کی ولی ہیں اس معاہدہ کو منظور کیا تھا کہ مسماۃ اکبری بیگم جب بالغ ہوئیں تو انہوں نے کبھی اس معاہدہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا اور ہمیشہ اس معاہدہ کے خلاف رہیں۔ اب مسماۃ اکبری بیگم کا انتقال ہو گیا اور ورثار اکبری بیگم بھی اس معاہدہ پر رضامند نہیں ہیں۔ نیز مسماۃ قیصر بیگم کا بھی انتقال ہو گیا ہے اور ان کے ورثار بھی اس معاہدہ کو بُرا سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت میں شرعاً ورثاءِ مسماۃ اکبری بیگم و بعض ورثار مسماۃ قیصر بیگم اس معاہدہ کو کالعدم کر سکتی اور توڑ سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اس مشترکہ اراضی کو تقسیم کرا کر فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگرچہ بعض شرکار مثلاً افسر بیگم وغیرہ اس معاہدہ کو توڑنا اور اراضی کا تقسیم کرانا پسند نہ کریں۔

سائل، خلیل احمد عفی عنہ
۲۸ شعبان ۱۳۴۱ھ

الجواب

یہ معاہدہ محض مہمل ہے تمام شرکاء کو شرعاً اپنے حصّہ کی تقسیم وعلیحدگی کا پورا اختیار ہے اور ہر شریک اپنے حصّہ کی بیع وغیرہ بھی کرسکتا ہے اگر یہ معاہدہ حلف کے ساتھ ہوا ہو تو اس کو توڑنے کے وقت صرف کفارہ قسم لازم آئے گا مگر گناہ کچھ نہ ہوگا کیونکہ جو قسم کسی خلافِ شرع کام کے متعلق کھائی جائے اس کا توڑنا اور کفارہ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے ففی الحدیث الصحیح: من حلف علی امر ثم رای غیرہ خیراً منہ فلیأتہ ولیکفر عن یمینہ او کما قال.

اور معاہدہ مذکور کا خلاف شرع ہونا ظاہر ہے۔ لما فیہ من ابطال حقوق الملک لہٰذا اس کے توڑنے میں بصورتِ حلف بھی کچھ گناہ نہیں بلکہ توڑ دینا ضروری ہے۔

واللہ اعلم

۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ

کسی ایک شریک سے بدون اجازت دوسرے شرکاء کے معاملہ مزارعت اور مزارع کے لئے اس کی آمدنی کا حکم

سوال: ایک علاقہ میں رواج ہے کہ مزارع کو زراعت کے لئے زمین دی جاتی ہے۔ نصف یا ثلث یا رُبع غلہ زمین پر یعنی مالکِ زمین کے اگرچہ شرکاء کثیر ہوں آمدنی زمین کی ہے اس کا نصف مزارع کا ہوگا اور نصف مالکین کا ہوگا اب اسی بناء پر زید مالک زمین نے عمرو مزارع کو کوئی بیس بیگہ زمین زراعت کے لئے دی ہے کہ نصف آمدنی زید کی ونصف عمرو کی ہوگی لیکن واقع میں اس رقبہ زمین میں زید کی دو ہمشیرہ بھی بوجہ وراثت کے حقدار ہیں لیکن رواج کی رُو سے ان کو مستحق نہیں سمجھا جاتا نصف آمدنی عمرو مزارع لیتا ہے اور نصف زید لیتا ہے اب اگر زید اپنی ہمشیرہ کو زمین سے حصّہ دیتا تب بھی عمرو تو نصف ہی آمدنی کا لیتا اور زید رُبع لیتا۔ غرض اس صورت میں یہ ہے کہ آیا عمرو جو نصف لیتا ہے اس میں حق غیر کا مخلوط ہے یا نہیں؟ اگر غیر کا حق (حصّہ) عمرو میں مخلوط ہے تو وہ کیونکر مخلوط ہوسکتا ہے حالانکہ اگر زید اپنی دونوں ہمشیرہ کو

شرع کے موافق رقبہ زمین سے حصّہ دیتا اور زمین شریک کر لیتا اور پھر کل زمین مشترک زراعت کے لئے عمرو کو دی جاتی جب بھی تو عمرو کو یہ ہی نصف آمدنی کا ہوتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہا ہے اور زید کو ربع آتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہا ہے اور زید کو ربع آتا تشریک کی حالت میں کیونکہ ربع اپنی دونوں ہمشیرہ کو دینا پڑتا غرض یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں تصرف عمرو کا تو حق غیر ہے بلا اجازت غیر و رضا غیر کے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ جو زید کو حصّہ آمدنی کا آیا ہے وہ مخلوط ہے حق غیر کے ساتھ اور یہ معلوم نہیں کہ عمرو کا حصّہ بھی مخلوط ہے حق غیر کے ساتھ یا نہیں ؟

الجواب

اقول وباللہ التوفیق

قال فی الحامدیۃ: غاب احد شریکی الدار فاراد الحاضران یسکنها رجلاً ویؤجرها رجلاً لا ینبغی ان یفعل ذالك دیانة اذا التصرف فی ملك الغیر حرام ولا یمنع قضاءً اذا الانسان لا یمنع من التصرف فیما بیده لو لم ینازعه احد فلو آجر واخذ الاجر یرد علی شریکه نصیبه لو قدروا لا یتصدق لتمکن الخبث فی حق شریکه فکان کغاصب آجر یتصدق بالاجر او یرده علی المالك واما نصیبه فیطیب له اھ (ص ۹۰ ج ۱)

واجاب عما اذا باع الشرکاء حصتهم من الثمرة الا واحداً منهم عناداً او المشتری لا یرضی الا بشراء الجمیع وکذا اذا آجروا الا واحداً منهم بقوله لا یجبر ان یبیع مع الشرکاء بل یبیعون حصتهم فقط اذا تجد الثمره وتقسم وکذالك فی الدار لا یجبر علی الاجارة بل یوجر شرکاءه حصصهم

والمستاجرون يهايؤن الممتنع فی السکنیٰ بقدر انصبائهم۔
(ص ۹۱ ج ۱)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے جو نصف غلہ طے پایا ہے اس میں سے بقدر اس کے حصّہ کے جائز ہے اور بقیہ دوسرے ورثاء کو دینا واجب ہے اور مستاجر یعنی عمرو کے لئے جو نصف قرار پایا ہے وہ اس کو لینا جائز ہے اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمین میں زید کے سوا کوئی اور شریک بھی ہے؟ یا شرکت کا علم ہے لیکن دوسرے شرکاء کے اذن وعدم اذن کا علم نہیں اور اگر دوسرے شرکاء کا عدم اذن معلوم ہے تو عمرو کے لئے اس زمین میں کاشت کرنا بقدر حصّہ زید کے حلال ہے اور دیگر شرکاء کے حصص میں کاشت اس کو حلال نہیں ہے پھر زید کے حصّہ میں اس زمین کے جتنے سہام ہوں اس میں تو عقد درست ہے اور دیگر ورثاء کے حصّوں میں درست نہیں بلکہ ان کی زمین میں جو اس نے کاشت کی ہے اس میں سے بقدر تخم اور اجرت مثل کے اس کو حلال ہے زائد حلال نہیں ہے بلکہ اس کا تصدق واجب ہے البتہ اگر عمرو زید کو اس زمین کی پیداوار کا نصف کامل نہ دے بلکہ نصف میں سے اس کو بقدر اس کے حصّہ کے دے اور باقی دیگر ورثاء کے پاس پہنچا دے اور وہ اس پر راضی ہوں تو دوسرا نصف جو عمرو کے لئے طے ہوا ہے پورا عمرو کے لئے حلال ہے جس کا تصدق واجب نہیں۔

قال فی الحامدیة: والحاصل ان فی المسئلة قولین او ثلاثة۔ الاوّل انه اذا زرع ارض غیره بلا امره لایکون غصباً بل یحل علی المزارعة وحصة رب الارض علی ماجری علیه عرف القریة من ثلث اوربع. والقول الثانی جواب الکتاب: انه یکون غاصباً والزرع کله له لکن یتصدق بما فضل عن بذره واجر مثله. والقول الثالث: انه یکون مزارعة اذا کان صاحبها اعدها للاستغلال بان کان یرفعها مزارعة لغیره ولایزرعها بنفسه اھ (ص ۵۸ ا ج ۲)

قلت: واذا علم عدم رضا الشرکاء وعدم اذنهم

فالظاهر كونه غاصبًا لا مزارعًا. والله اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۱۳ ذی قعدہ ۴۵ھ

مضاربت میں نقصان کا حکم سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے کہا کہ تم مجھ کو کچھ روپیہ دے دو جس سے تجارت کروں اور نفع و نقصان کا شریک ہوں گا۔ عمر نے بکر سے کچھ روپیہ قرض لے کر زید کو دے دیا۔ زید نے مالِ تجارت خریدا جس میں زید کو نقصان رہا۔ اب زید نقصان کا شریک ہے یا نقصان عمر پر ہی رہے گا۔ زید نے نقصان کا شریک ہونا خود کہا تھا۔ بینوا توجروا

الجواب

یہ صورت مضاربت کی ہے اور مضاربت میں مضارب امین و وکیل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تجارت میں کچھ نقصان پیش آئے جو رأس المال تک پہنچ جائے تو اگر وہ دونوں یعنی مضارب اور ربّ المال نفع کو تقسیم کر لیتے ہیں تب تو دونوں بلحاظ نسبت شرکت نفع کو واپس کر کے اصل رقم کو پورا کریں اور اگر اس سے بھی زیادہ نقصان ہو کہ نفع وصول شدہ کو واپس کر کے بھی اصل رقم پوری نہ ہو یا اصل رقم سے نفع ہی نہ ہوا ہو تو مضارب پر کسی حال میں ضمان نہ ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اگرچہ مضارب یہ بھی کہہ دے کہ میں نقصان کا شریک ہوں کیونکہ یہ شرط خود فاسد ہے مگر اس شرط سے مضاربت فاسد نہیں ہوئی۔

فی العالمگیریة: قال القدوری فی کتابه کل شرط یوجب جهالة الربح أو قطع الشرکة فی الربح موجب فساد المضاربة وما لا یوجب شیئًا من ذالك لا یوجب فسادها نحو أن یشترطا أن تکون وضیعة علیهما کذا فی الذخیرة اھ ج ۵/ ۱۷۵

وفی الهدایة: وکل شرط یوجب جهالة فی الربح یفسده لإختلاف مقصوده وغیر ذالك من الشروط الفاسدة لا یفسدها ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعة علی المضارب: (ج ۳ ص ۲۴۲)

وفی الهدایة ایضًا وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لأنه امين وان كانا يقتسمان الربح والمضاربة بحالها ثم هلك المال بعضه أو كله حتى يستوفى ربّ المال رأس المال فإن فضل شئ كان بينهما لانه ربح وان نقص فلا ضمان على المضارب لما بينا اهـ ملخصًا (ج ۳ ص ۲۵۰ و ۲۵۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں زید نقصان کا شریک نہیں سارا نقصان عمر ہی کو برداشت کرنا پڑے گا بشرطیکہ زید نے عمدًا کچھ تعدّی نہ کی ہو جو نقصان کا سبب ہوئی ہو۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹ جمادی الاخریٰ سنہ ۴۰ھ

مشترکہ زمین میں ایک شریک نے درخت لگا دیئے تو کیا باقی شریکوں کا ثمر میں حق ہوگا یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مشترکہ زمین میں ایک شریک نے باغ لگایا اور اس باغ نے تمام زمین کو گھیر لیا اور کوئی شئ زراعت کی اس زمین میں کوئی نہیں کر سکتا ایسی حالت میں دوسرے شریک جنہوں نے باغ نہیں لگایا تو ان کو اراضی مذکورہ سے آمدنی حاصل نہیں ہو سکتی تو ثمرات باغ کا مالک محض باغ لگانے والا ہوگا یا سب شرکاء ثمر کے مالک ہوں گے اور درختوں کا مالک لگانے والا ہوگا یا سب شرکاء ہوں گے؟

الجواب

صورت مسئولہ میں درختوں کا مالک صرف لگانے والا ہی ہے تمام شرکاء مالک نہیں ہاں شرکاء کو یہ حق ہے کہ زمین کو تقسیم کر کے لگانے والے سے مطالبہ کریں کہ ہمارے حصّہ زمین میں سے درختوں کو اکھاڑے نیز درخت لگانے سے اگر زمین ناقص ہو گئی ہو تو شرکاء اس زمین کے نقصان کا ضمان بھی اس سے لے سکتے ہیں۔

قال فی الدّر: فی غصب المجتبیٰ، زرع بلا اذن شریکه (ای فی الارض بأن كانت مشتركة بينهما نصفين ۱۲ شامی) فدفع له شريكه نصف البذر ليكون الزرع بينهما قبل النبات لم يجز وبعده جاز، وان اراد قلعه يقاسمه (ای يقاسم الأرض المشتركة بينهما) ويقلع من

نصیبہ ویضمن الزّراع نقصان الأرض بالقلع والصواب نقصان الزراع اھ

قال الشامی مرادہٗ ان الصواب ان یقول ویضمن الزّراع نقصان الأرض بالزرع ووجہ التصویب أن الأرض ینقصھا الزرع لا القلع لأنھا تحرت لأجل الزرع اھ (ج ۳ ص ۵۵۰)

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۵ محرم ۱۳۴۲ھ

شرکتِ عنان میں کسی ایک شریک کو وکیل بالعمل بنانا، تقسیم منافع وخسارہ میں شرکاء کا اختلاف اور عامل سے ضمان لینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید، عمر، بکر، خالد اور فاروق پانچ مسلمانوں نے ایک ایک ہزار روپیہ شریک کیا کہ راب خرید کر کھینچی ڈالی جائے یعنی کھانڈ بنائی جائے اور فروخت کی جائے۔ خالد شریک امین اور کارکن قرار پایا اور سب شرکاء نے روپیہ اس کو دے دیا۔ فاروق کو کھینچی کے کام سے واقفیت ہے اس لئے اس کا عمل بھی مشروط ہے ——— اور اس لئے وہ نفع نقصان میں ۴ پیسے فی روپیہ کا شریک ہے اور باقی شرکاء ۳، ۳ پیسے کے حصّے دار۔ اختتام سال پر خالد نے کہا کہ تجارت میں نقصان ہوا۔ اور سرمایہ تقریباً ثلث کم ہو گیا۔ فاروق نے اپنے حصّہ کا ۱/۴ کے حساب سے خسارہ مجرا دے کر روپیہ واپس لے لیا مگر زید، عمر، بکر نے حساب کی تفصیل دیکھے بغیر خالد سے کہا کہ اس باقی سرمائے سے اس سال دوبارہ کھینچی ڈالو۔ کیا عجب ہے سالِ گزشتہ کی تلافی ہو جائے۔ چنانچہ اب شرکاء مساوی رقم اور مساوی نفع ونقصان کے شریک رہے اور اختتام سال پر خالد نے کہا کہ امسال پھر اسی نسبت کا خسارہ ہوا اور دونوں سالوں کا حساب گوشوارہ بنا کر پیش کر دیا جس میں فکس ایک ہزار سرمایہ میں سات سو کا خسارہ اور تین سو روپیہ باقی دکھایا۔ اب حساب دیکھنے پر خالد (امین) کی چند غلطیاں معلوم ہوئیں جو اس سے قبل اعتماد کی بناء پر حساب نہ دیکھنے کے سبب علم میں نہ آئی تھیں۔ سرمایہ سالِ اوّل پانچ ہزار روپے تھا مگر گوشوارہ میں راب پانچ ہزار دو روپیہ کی خریدی اور تقریباً سو روپیہ ابتدائی مصارف تیاری میں ہی لگ گئے اور یہ ایک سو دو روپیہ خالد امین نے اپنے پاس سے یا جس کو فروختگی مال پر

مجرا لیا۔ شرکاء کہتے ہیں کہ یہ اضافہ ہماری اطلاع و اجازت کے بغیر ہوا خلط مفسد للشرکت اور موجب ضمان ہے۔

۲ : فاروق سے خسارہ کی رقم بحساب ½ لی جبکہ بشرط نفع میں تہائی مجرا لی۔ شرکاء کہتے کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے عدد رؤس المال پر نقصان پڑنا چاہیئے تھا اور اس لئے سالِ دوم کے لئے سرمایہ کی رقم مجہول ہوگئی۔ سالِ دوم میں جو کچھ سرمایہ بعد مجرائے خسارہ چہار شرکاء کا ہوا ، خالد امین نے اس سے دو چند کی راب خریدی اور خسارہ سب شرکاء پر بعدد رؤس ڈالا۔ شرکاء کہتے ہیں کہ بہ اضافہ کثیرہ تقریباً ڈھائی ہزار باوجودیکہ ابتداء میں صراحۃً کہہ دیا تھا کہ اس بقیہ سرمایہ سے شرکت ہو نہ اس میں کوئی شریک اضافہ کرے نہ واپس کرے ہمارے اذن کے بالکل خلاف ہوا اور مختصر مال کی تجارت ہوتی تو تیاری جلد اور اچھے نرخ پر ہوتی اس اضافہ سے تاخیر ہوکر ہمارے لئے مزید خسارہ کا سبب بنی اس لئے شرکت ہی فاسد ہوگئی۔ ہمارا رأس المال واپس کرو۔ اور یہ تجارت تمہاری ذاتی تجارت ہے۔

گوشوارہ سے معلوم ہوا کہ راب خریدشدہ ہر دو سال میں تقریباً پانچ سو من ہے اور کھانڈ و منجہا و شیرہ تیار و فروخت شدہ کا میزان چار سو من ہے یعنی تقریباً سو من وزن کی مال میں کمی ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ کھینچی ڈالنے والوں سے ہم تحقیق کر چکے ہیں کہ چھیجے میں پانچ سات من کمی کا اوسط رہتا ہے اور یہ کمی بھی شیرہ میں پانی ملا کر پوری کر لی جاتی ہے کہ غلیظ شیرہ فروخت نہیں ہوتا۔ پس جب تم کو اقرار ہے کہ شیرہ میں پانی بافراط تم نے بھی ملایا ہے تو پھر اتنا مال کہاں گیا اور حد ہے کہ پانچ من فیصد کا اوسط چھیج میں ڈال دو مگر باقی مال کو پورا کر دیا اس کی قیمت بازاری نرخ پر لگا کر محاسبہ کرو۔ خالد چونکہ زمیندار ہے اس نے اپنی ذاتی راب کو بھی شرکت میں ڈال دیا اور بازاری نرخ مجرا لیا۔ اسی طرح تیار شدہ مشترکہ کھانڈ میں کچھ مقدار خود لے کر بازاری نرخ پر اپنے نام لکھی ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں بائع اور مشتری ایک ہی شخص ہوا اور یہ تصرف بھی ہماری اطلاع و اجازت اور رضا کے خلاف ہے۔

گوشوارہ میں خرید شدہ راب اور فروخت شدہ کھانڈ و منجہا و شیرہ کا محض نرخ

تاریخوار ظاہر کیا گیا ہے۔ شرکاء کہتے ہیں کہ جب تک بائعان و مشتریان کی رسیدات نہ ہوں ہم کیسے جانچ کریں کہ حساب صحیح ہے۔ خالد امین کا سب اعتراضات پر جواب یہ ہے کہ میں امین تھا اور دوسرے اعتماد اور اعتبار پر سب کام شرکا نے چھوڑا اس لئے میرا قول قابل تسلیم ہونا چاہیئے اور میں کہتا ہوں کہ حساب صحیح ہے۔ اور مال کی کمی کا سبب اگر ملازموں و کارکنوں کی بے احتیاطی یا خیانت ہو تو اس کا میں ذمہ دار نہیں اور میرے پاس بجز اس کے کچھ جواب نہیں کہ حساب یہی ہے کہ جو میں نے پیش کیا اس سے زیادہ میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

شرکاء کہتے ہیں کہ سال دوم میں بہت ہی بے عنوانی ہوئی کہ کچھ سرمایہ تھا اور کچھ بنا لیا کہ خلافِ تصریح دو چند مال خرید لیا اور پھر اس کا خسارہ سب پر ڈال دیا۔ لہٰذا اس خلط اور مخالفت نے تجارت کو تمہارا ذاتی بنا لیا اور اگر خلط موجب للضمان ہے تو سالِ اوّل کی شرکت بھی فاسد ہوئی کہ گو کم سہی مگر خلط و اضافہ بلا اجازت شرکاء اس میں بھی ہے۔ نیز دوسرا بڑا سوال کمی مال کی بابت ہے کہ شرکاء اس کام کے کرنے والوں کا تجربہ دلیل میں پیش کر کے اجراء مال کی مال کے ساتھ مساوات طلب کرتے ہیں اور امین شریک جواب دیتا ہے کہ مجھے خبر نہیں کمی کس طرح ہوئی اور میں بحیثیت امین ہونے کے تاوان نہیں دے سکتا۔ یہ سب ہیچ میں گیا۔ خواہ میری ناتجربہ کاری ہو یا کارکنان نے کھا لیا ہو یا چرا لیا ہو مجھے علم نہیں۔ اب حضرات علمائے سوال یہ ہے کہ یہ شرکت کس قسم کی ہے اور جن امور میں فریقین کا نزاع ہے ان میں حق کس طرف ہے اور آخری فیصلہ کیا ہے کہ رأس المال شرکاء کو لینے کا حق ہے یا خسارہ جو گوشوارہ میں دکھایا گیا ہے دینا واجب ہے۔

الجواب

(۱) قال الشامی: ولا خلاف ان اشتراط الوضیعۃ بخلاف قدر رأس المال باطل و اشتراط الربح متفاوتاً عندنا صحیح اھ

(ج ۳ ص ۲۰ ھ)

(۲) وفیہ ایضاً وحاصل ذالک کلّہ انہ اذا تفاضلا فی الربح

فان شرطا العمل عليهما سوية جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وكذا لو شرطا العمل على احدهما وكان الربح للعامل بقدر رأس ماله اكثر ولو كان الاكثر بغير العامل اولاقلهما عملاً وله ربح ماله فقط اه (ج ٣ ص ٥٢٧) (١)

وفيه ايضًا۔ قبله باسطرٍ فان شرطا الربح بينهما بقدر رأس مالهما جاز ويكون مال الذى لا عمل له بضاعة عند العامل له ربحه وعليه وضيعته وان شرطا الربح للعامل اكثر من رأس ماله جاز ايضًا ويكون مال الدافع عند العامل مضاربةً ولو شرطا الربح اكثر من رأس ماله لا يصح الشرط ويكون مال الدافع عند العامل بضاعة لكل واحد منهما ربح ماله والوضيعة بينهما على قدر رأس مالهما ابدًا اهـ هذا حاصل ما فى العناية)

(٣) قال فى الدر: والربح على ما شرطا اهـ قال الشامى وقيد بالربح لأن الوضيعة على قدر المال وان شرطا غير ذلك كما فى الملتقى وغيره (ج ٥: ٥٢٨)

(٤) وفيه ايضًا: ويطالب المشترى بالثمن فقط ويرجع على شريكه بحصته منه ان ادى من مال نفسه اى مع بقاء مال الشركة والا فالشراء له خاصة لئلا يصير مستدينا على مال الشركة بلا إذن اهـ

قال الشامى، اى ان لم يبق مال الشركة اى لم يكن فى يده مال بل صار مال الشركة اعيانًا وامتعةً فاشترى بدراهم او دنانير نسيئةً ما شراء له. خاصة دون شريكه لو وقع على الشركة صار مستدينًا على مال الشركة واحدٌ. شريكى العنان لا يملك الاستدانة الا ان يأذن له فى ذالك بحر عن المحيط (ج ٣ ص: ٥٣٠)

(٥) وفيه ايضًا ولكل من شريكى العنان والمفاوضة أن يستأجره

(١) جواب میں نقل کردہ جزئیات شامی ایچ۔ ایم سعید والے نسخہ میں ج ۴ ص ۳۱۲ تا ۳۱۵ پر ہیں۔ محمد افتخار عفی عنہ۔

يبضع ويودع ويعير ويضارب ويوكل ببيع وشراء وبنقدٍ ونسيئةٍ
ويسافر بالمال ومؤنة السفر والكرا، من رأس المال ان لم يكن فى
يده دراهم ولا دنانير من الشركة فاشترى بدراهم اودنانير
فهوله - خاصة لأنه لو وقع مشتركا تضمن ايجاب مال زائد
على الشريك وهو لم يرض بالزيادة على رأس المال" والواجبة" ومقتضاه
أنه لو رضى وقع مشتركا لأنه يملك الاستدانة بإذن شريكه
كما قدمناه اهـ (ج ٣ ص ٥٣٢)

(٦) وفيه ايضًا. وهو اى الشريك امين فى المال فيقبل قوله بيمينه
فى مقدار الربح والخسران والضياع والدافع الى شريكه ويضمن
بالتعدى وهذا حكم الأمانات نهاه عن الإخراج فخرج ثم ربح
فاجبت أنه غاصب حصة شريكه بالاخراج فينبغى أن لا يكون الربح
على الشرط انتهى ومقتضاه فساد الشركة نهر. وفيه وتفرع على
كونه امانة ما سئل قارئ الهداية عمن طلب محاسبة شريكه فأجاب
لا يلزم بالتفصيل ومثله المضارب والوصى والمتولى نهر اهـ قال الشامى
سيذكر الشارح فى الوقف عن القنية ان المتولى لا تلزمه المحاسبة
كل عام ويكتفى القاضى منه بالاجمال لو معروفًا بالأمانة ولو متّهمًا
يجبره على التعيين شيئًا فشيئًا ولا يحسبه بل يهدّده ولو اتهمه يحلفه اهـ
والظاهر انه يقال مثل ذالك فى الشريك والمضارب والوصى فيحمل
اطلاقه على غير المتّهم اهـ (ج ٣: ص ٥٣٦) (١)

(٧) وفى الفتاوى الكاملية: سئلتُ عن الشريك او المضارب اذا خلط
مال الشركة او المضاربة بمال آخر بدون اذن الشريك او ربّ المال وهلك
المال هل يضمن: فالجواب فى فتاوى قارى الهداية وهذا لفظه
الشريك أو ربّ المال اذا قال شريكه او عامله إعمل برأيك فخلط مال

(١) نسخة اتيج. ايم سعيد: (ج ٤: ٣١٩/ ٣٢٠)

الشركة أو المضاربة بمال غيره لا يكون متعديا فاذا هلك لم يضمن وان لم يقل له ذالك يكون متعديا بالخلط۔ فيضمن مطلق هلك ام لا۔ وإذا اختلف فى الإذن فالقول قول المالك الّا ان يقيم الآخر بينة على الإذن اھ (ص ٩٤)

صورتِ مسئولہ میں شرکتِ اولیٰ میں فاروق کا نفع میں حصّہ زیادہ ہونا تو جائز تھا لیکن نقصان میں حصّہ کم ہونا جائز نہ تھا مگر اس سے شرکت فاسد نہیں ہوئی یہ شرط باطل تھی۔ اس لئے فاروق پر بھی نقصان سب کے برابر ڈالا جائے اور جو اس کی طرف زیادہ ہو گیا ہو وہ واپس لے کر جملہ شرکاء میں برابر تقسیم کیا جائے۔ ملاحظہ ہو روایت نمبر ا و ٢ و ٣ اور شرکت اولیٰ میں جو دو روپیہ کی راب زیادہ ہوئی ہے اگر شرکاء نے خالد کو رأس المال بڑھانے کی اجازت تعمیماً یا تخصیصاً نہیں دی تھی تو بقدر دو روپیہ کے راب خالد کی تھی اور اس کو مال مشترک میں ملانا جائز نہ تھا۔ اس کے خلط سے خالد سارے مال کا خود مالک ہو گیا اور اس پر ضمان لازم ہو گیا۔ (بحکم روایت نمبر ٧)

قاعدہ کا مقتضاء یہی ہے اور استحسان کا ذکر آگے آتا ہے اور سو روپیہ جو ابتدائی مصارف میں خالد نے لگایا ہے اگر وہ اجرت عمّال وغیرہ کی جنس سے ہے تو یہ موجب ضمان نہیں۔ ملاحظہ ہو روایت ٥ ومؤنة سفر والكراء من رأس المال الخ۔

اور شرکت ثانیہ میں خالد نے چونکہ اپنی ذاتی راب بھی مال شرکت میں مخلوط کی اور سرمایہ سے دوچند رقم کا مال خرید کر مالِ مشترک سے مخلوط کیا ہے اور سوال میں مذکور ہے کہ شرکاء نے اس کی اجازت نہ دی تھی لہٰذا خالد اس میں بھی غاصب ہو گیا اور خلط کی وجہ سے اس پر ضمان لازم آ گیا۔ (ملاحظہ ہو روایت ٥، ٦، ٧)

پس شرکتِ ثانیہ میں تو خالد یقیناً ضامن ہے اور یہ تجارت خالص اسی کی تجارت شمار ہو گی اور شرکت اولیٰ میں قواعد کا مقتضا تو یہی ہے کہ دو روپیہ کی راب زائد مخلوط کرنے کی وجہ سے ضامن قرار دیا جائے مگر چونکہ اس قدر قلیل مقدار سے تحرز دشوار ہے کیونکہ بعض دفعہ رقم موجود کے بالکل برابر مال نہیں مل سکتا۔ کچھ آنا روپیہ کی مقدار زائد لینے پر تاجر مجبور ہوتا ہے اس لئے بقاعدہ المعروف كالمشروط اس قدر قلیل

زیادت عفو ہے لیکن شرکت ثانیہ میں زیادت بمقدار کثیر ہے جو عرفاً و عادۃً کسی طرح اجازت کے تحت میں داخل نہیں ہوسکتی۔ پس اگر خالد کو اس زیادت کی اجازت نہ تھی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو خالد شرکت ثانیہ میں تمام شرکاء کے رأس المال کا ضامن ہے اور اس کا نفع و نقصان سب اسی پر ہے۔ رہا مال کی کمی کا سوال سو اس کے متعلق سب شرکاء خالد امین سے زجر و تنبیہ کے ساتھ تفصیل حساب کا مطالبہ کرسکتے ہیں، اور موقع ضرورت میں قسم لے سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتا۔ فقط۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح عندی
اشرف علی
۱۳ صفر ۴۵ھ

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ صفر ۴۵ھ از تھانہ بھون

الدّر النّظیم فی احکام الشّرکۃ والتصرف فی مال الیتیم

حضرت مولائی مرشدی سیّدی ہادی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اما بعد۔

معروض یہ ہے کہ بندہ یتیم کے مال مخلوط و یتیم کے ساتھ کاروبار کرنے کا حکم نہ جاننے کی وجہ سے تردد و پریشانی میں ہے۔ اب حضور چند مندرجہ ذیل صورتوں کے حکم سے واقف فرما کر بندہ درماندہ کو مسرور فرمائیں۔

ایک صورت شرکت اموال کی مال میں سے یہ ہے کہ بعض وارث بالغ اور بعض یتیم ہیں اور وہ یتیم جیسا مال میں شریک ہے ایسا ہی خورد و نوش میں شامل ہے۔ آیا ایسا مال مخلوط خریدنے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض یتیم خورد و نوش میں بالغ کے ساتھ شامل ہے اور بعض شامل نہیں۔ آیا ایسا مال مخلوط بالغ سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اتنا سمجھدار ہوگیا ہے کہ نفع و نقصان سمجھ کر بازار میں فروخت کرتا ہے آیا اس کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایسے مال مخلوط مذکورہ یعنی شرکت املاک میں سے جو مال زمانہ گذشتہ میں خرید چکا ہوں اس کے بابت کیا حکم ہے اور ایسے مالِ مخلوط کا کھانا کیسا ہے؟

بے خبری کی وجہ سے جو کھا چکا ہوں اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہے۔ آیا کھانے کے عوض یتیم کو کھانا کھلا دینے سے رہائی ہو جائے گی یا نہیں اور جو آم وغیرہ کھائے ان کی قیمت یتیم کو خود اندازہ کر کے دینا چاہیئے یا اس کے ولی سے اندازہ کرانا چاہیئے۔ غرض یہ کہ جس صورت سے میری رہائی ہو جائے ارشاد فرما کر مسرور فرمائیں اور جو یتیم اب بالغ ہو گیا ہے وہ اپنا حق معاف کر دے تو معاف ہو جاوے گا یا نہیں؟ والسلام

تنقیح

(۱) پہلے یہ امر واضح کیا جائے کہ یہ وارث بالغ جو یتیم کا مال مخلوط بیع کرتا ہے۔ یہ رشتہ قرابت میں یتیم کا کیا لگتا ہے (۲) نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ یہ وارث بالغ یتیم کے جس مشترک و مخلوط مال کو بیع کرتا ہے۔ یہ مال کس قسم کا ہے منقول ہے یا غیر منقول اور غیر منقول کیسا ہے سریع الفساد جیسے پھل وغیرہ یا غیر سریع الفساد اور یتیم کو ان اشیاء کی بیع کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۳) اور یہ یتیم سمجھدار جو بیع شراء کرتا ہے یہ ولی کی طرف سے مأذون فی البیع ہے یا نہیں؟

(۴) اور یتیم بالغ ہونے کے بعد جن حقوق کو معاف کرتا ہے وہ حقوق کس قسم کے ہیں۔ اس کے بعد جواب دیا جائے گا۔ فقط۔ ظفر احمد از تھانہ بھون

۲۵ محرم ۴۵ھ

جواب تنقیح

پہلے دو سوالوں کا جواب یہ ہے کہ مجھے تین ورثاء بالغ کے ساتھ معاملہ کرنا پڑتا ہے ایک جگہ وارث بالغ یتیم کا چچا لگتا ہے۔ اس نے منقول شئ جیسے گائے، بکری وغیر منقول شئ جیسے درخت وغیرہ یتیم کی ضرورت کے لئے بیع کی۔ دوسری جگہ میں ایک وارث بالغ یتیم کا عینی بھائی لگتا ہے اور ایک یتیم کا حقیقی ماموں لگتا ہے۔ اس نے بھی شئ منقول جیسے کتاب وغیرہ اور غیر منقول غیر سریع الفساد جیسے درخت باتس وغیرہ اور سریع الفساد جیسے پھل وغیرہ یتیم اپنی ضرورت کے لئے بیع کرتا ہے۔ تیسری یتیم کی ماں ہے۔ وہ بالغ وارث موجود نہ ہونے کے وقت اکثر غیر منقول سریع الفساد شئ

ضرورت کے وقت بیع کرتی ہے جیسے کھٹل، کیلا، آم وغیرہ۔
آپ کے تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یتیم سمجھدار ولی کی طرف سے ماذون فی البیع ہوتا ہے۔ اس میں ایک بات اور دریافت طلب ہے کہ ——————
—————— فقط ماں کی طرف سے ماذون فی البیع والشراء میں کوئی قباحت ہوگی یا نہیں۔ اور چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ دو قسم کے حقوق ہیں مالی جیسے یتیم کا مال مخلوط سے کھانا کھالیا ہے اور دوسرے حقوق بدنی جیسے تعلیم دیتے وقت حد سے زیادہ مار پیٹا ہے۔

الجواب

قال ابن عابدین: فی حاشیة البحر عن جامع الفصولین فی التصرفات الاعیان المشترکة فقال ارض وکرم بین حاضر وغائب أو بین بالغ ویتیم فالحاضر أو البالغ یرفع الأمر إلی القاضی ولو لم یرفع ففی الأرض یزرع بحصته ویطیب له ذالك ویقوم علی الکرم فیبیع ثمره ویأخذ حصّته ویوقف حصّة الغائب ویبیع له ذالك واذا قدم الغائب ضمنه القیمة او اجاز بیعه وذکر محمد فی مواضع أخر لو أخذ الشریك نصیبه من الثمن او اکله جاز ویبیع نصیب الغائب ویحفظ ثمنه فلو حضر صاحبه یخیر کما مرّ قال ... هذا استحسان اهـ (ج ۵ ص ۱۶۷)

وفی الفتاوی الحامدیه: (ج ۲ ص ۲۹۶) ثم ان ما مرّ أن المال الیتیم یملك بیع مالا بد منه خاص بغیر العقار من نحو المنقولات امّا العقار فلیس له بیعه ولو مع الوجود المسوغات لما فی الدر المختار حیث قال و هذا ان بیع العقار للمسوغ لو البائع وصیًا لا من قبل أم وأخ فانهما لا یملکان بیع العقار مطلقًا ولا شراء غیر طعام وکسوة۔ الخ تأمل اهـ۔

اس کے بعد جوابات سوالات معروض ہیں۔

ع۱ یتیم کے ساتھ جو مال دوسرے ورثاء کا مشترک ہے۔ اگر وہ عقار یعنی مکان وجائیداد کی قسم سے نہیں بلکہ منقولات کی قسم سے ہے تو اگر سریع الفساد ہے جیسے پھل وغیرہ جب تو وارث شریک بالغ کو جائز ہے کہ اپنا اور یتیم دونوں کا حصّہ فروخت کردے اور خریدنے والے کو خریدنا بھی جائز ہے اور وارث بالغ کو لازم ہے کہ یتیم کے حصّہ کی قیمت اس کے لئے الگ محفوظ رکھے یا اس کے نفقہ میں لگائے اور اگر سریع الفساد نہ ہو جیسے درخت وغلّہ وغیرہ تو ولی یتیم کو یتیم کا حصّہ اس وقت بیع کرنا جائز ہے جبکہ یتیم کو نفقہ کے واسطے بیع کی حاجت ہو۔ ورنہ نہیں اور ولی وہ ہے جو یتیم کا عصبہ قریب ہو کہ اس سے قریب اور کوئی نہ ہو یا یتیم اس کی پرورش میں ہو یا وصی ہو۔ غیر ولی کو مال غیر سریع الفساد بقدر اپنے حصّے کے مشترکہ فروخت کرنا درست ہے۔ یتیم کے حصّے کی بیع کا اس کو اختیار نہیں اور جب یتیم کو حاجت ہو تو جس طرح بیع جائز ہے خریدنا بھی جائز ہے اور اگر بلاضرورت ولی نے یتیم کا حصّہ بھی فروخت کردیا تو خریدار کو تو وہ مال خرید کردہ حلال ہے لیکن ولی کو گناہ ہوا اور اگر خریدار کو بعد میں معلوم ہوا کہ یتیم کو اس کے حصّے کی قیمت نہیں پہنچی ہے تو ورع اور تقویٰ یہ ہے کہ بعد بلوغ کے اس کو اس کے حصّے کی قیمت دے دے یا معاف کرالے، باقی واجب نہیں کیونکہ یتیم کا دین دراصل ولی کے ذمّہ تھا اور جائیداد میں سے یتیم کا حصّہ بیع کرنا اور خرید کرنا درست نہیں۔ الّا للاَب او الجد او وصیهما عند الحاجة الشدیدة۔

(۲) ایسے مال مخلوط کا خریدنا جائز ہے جب کہ مال مخلوط سریع الفساد ہو یا غیر سریع الفساد ہو لیکن یتیم کی ضرورت سے ولی نے بیع کیا ہو اور یتیم کے حصّہ کی قیمت کا ولی کو الگ محفوظ رکھنا لازم ہے جو اس کے نفقہ میں صرف کی جائے۔

(۳) جب ولی کی طرف سے ماذون ہو تو یتیم سے بیع شراء کا معاملہ درست ہے بشرطیکہ اس کو نقصان نہ دیا جائے اگر وہ بوجہ بچپن کے غبن فاحش سے مال کو بیع کرے تو غبن فاحش سے خریدنا جائز نہیں بلکہ ایسی قیمت دی جائے جس سے اس کو نقصان نہ ہو اور یہ تقویٰ ہے اور فتویٰ سے یتیم مأذون کے ساتھ غبن فاحش سے بھی معاملہ صحیح ہے یعنی قضاءً

قال فی الدر: فلو أذن مطلقًا بلا قید صحّ کل تجارة منه ای المأذون امّا لو قید فعندنا یعمّ خلافًا للشافعی فیبیع ویشتری ولو بغبن فاحش خلافا لهما (وأدخل الشامی فیه الصبی والمعتوه المأذون لهما اهـ۔

(ص ۱۵۳ ج ۵) قلت والاحتراز والخروج عن الخلاف أولی وأحوط.

(۴) اگر یتیم کا خورد و نوش ولی کے ساتھ مخلوط ہو اور ولی کسی کی دعوت کرے تو اگر یہ معلوم ہو کہ ولی اس خلط میں یتیم کے نفع کا لحاظ رکھتا ہے اس کو ضرر نہیں پہنچاتا تو اس کے یہاں دعوت کھانا، آم وغیرہ کھانا جائز ہے اور اگر وہ خلط سے یتیم کو ضرر پہنچاتا ہو تو جائز نہیں اور بعد بلوغ کے اگر یتیم اپنا حق معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔ لکونہ إبراء عن الدین وھو صحیح" اور اگر معاف نہ کرے تو مثلیات میں مثل لازم ہے اور غیر مثلیات میں قیمت لازم ہے۔ وقت أکل کی قیمت کا حساب لگایا جائے۔ اگر وقت أکل کی قیمت یاد نہ ہو تو دو" عادل مسلمانوں سے وقت اداء کی قیمت کا حساب کرا کر قیمت ادا کر دی جائے واللہ اعلم۔

حررہ الأحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
مؤرخہ ۲۸ ربیع الثانی ۴۵ھ

جس زیور میں کچھ رقم بالغ بیٹی کی اور کچھ باپ کی ہو اسے ماں پہن سکتی ہے؟

سوال: معاملہ کی ایک صورت میں حکم چاہتا ہوں میری لڑکی اب تقریباً گیارہ سال کی ہے۔ کئی برسوں سے میں ہر مہینہ اس کو نیز دوسرے بچوں کو ایک روپیہ یا زائد بھی دیا کرتا ہوں اور وہ رقم انہی بچوں پر ہی صرف کر دی جاتی ہے۔ لڑکی چونکہ سیانی ہو چکی ہے اس لئے وقتاً فوقتاً کچھ زیور بنوا دیا جایا کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کے پاس سے کچھ روپیہ لے کر اور اس میں کبھی اس سے زائد اور کبھی کم اپنے پاس سے ملا کر کوئی زیور بنوا دیا جاتا ہے۔ یہ زیور نہ تو محض اس کی جمع سے بنا ہے اور نہ ہی کل روپیہ میں نے ہی لگایا ہے اور نہ جس قدر روپیہ میں نے لگایا ہے اس کے لئے یہ نیت کی ہے کہ وہ بھی لڑکی کو دے دیا تو ایسی صورت میں وہ زیور کس کی ملک میں سمجھا جائے گا۔ اور اس کا برتنا یعنی کبھی کبھی لڑکی کی ماں کو اس کا پہن لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

یہ زیور مشترک ہے یعنی لڑکی کا بھی ہے اور آپ کا بھی ہے۔ اب اس سے آپ منتفع ہو

سکتے ہیں اور لڑکی بھی اور آپ کی اجازت سے لڑکی کی ماں بھی کیونکہ اس کا انتفاع حکماً آپ ہی کا انتفاع ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ یہ انتفاع قدر ملک سے زائد نہ ہو مثلاً زیور میں اگر آدھی رقم آپ کی ہے اور آدھی لڑکی کی تو مہینہ میں پندرہ دن سے زیادہ اس کی ماں استعمال نہ کرے اور اگر دو ثلث آپ کی اور ایک ثلث لڑکی کی ہے تو مہینہ میں ۱۹-۲۰ دن سے زیادہ استعمال نہ کرے۔ وھذا ھو المھایاۃ التی جعلھا الفقہاء طریق الانتفاء بالمشترک۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ
۶ رج ۲ سنہ ۴۵ھ از تھانہ بھون

عقد مضاربت و شرکت دونوں اکٹھے ہونے کا حکم

سوال: اس طرف اس طرح کی شرکتیں ہیں جن کا رواج بہت کثرت سے لوگوں میں ہو رہا ہے بشرکت اور مضاربت دونوں شامل ہیں۔ مثلاً زید، عمر بکر تین شخص ہیں، دو کے پاس روپیہ ہے ایک کے پاس روپیہ نہیں۔ زید نے مبلغ ایک ہزار روپیہ دیا اور بکر نے مبلغ ایک ہزار روپیہ دیا اور عمر نے کچھ روپیہ نہیں دیا تھا۔ تینوں میں یہ بات طے پائی کہ اس روپیہ سے ہم لوگ مال خرید و فروخت کریں اور نفع و نقصان اس صورت سے تقسیم کریں گے کہ ہم لوگ زید، بکر، عمر کے کام کرنے کا مزدوری میں حصہ نفع نقصان میں فی آدمی ۱/۳، ۱/۳ لیں گے اور زید، بکر نے جو ایک ایک ہزار روپیہ اپنے پاس سے کام کرنے کے لئے دیا ہے۔ اس روپیہ کا معاوضہ نفع و نقصان میں ۱/۳، ۱/۳ ہزار پر جملہ سب ۱۵/۱۰ ہوئے۔ اور ایک پائی جو بچ گئی وہ خیرات کا حصہ نفع نقصان میں ان لوگوں نے مقرر کر دیا۔ اب شرکت اور مضاربت دونوں صورتیں صحیح ہوئیں یا نہیں۔ اگر شرکت صحیح ہوئی اور مضاربت صحیح نہیں ہوئی یعنی کام کرنے والے کا نقصان کا حصہ دینا ہے مزدوری کا نقصان ہوا اس نے مجبوراً اپنے نفع کے لئے اس شرط پر کام کیا تو کام کرنے والا گناہگار ہوا کہ نہیں۔ کیونکہ اس ملک میں بجز اس صورت کے کوئی مہاجن راضی نہیں ہوگا۔ کام کرنے والا دو چار برس تک برابر نفع کا حصہ پاتا رہا اور ایک سال نقصان کا حصہ دیتا ہے۔ تو اس کی مزدوری اس سال کی ضائع ہوئی ہے۔ اپنی پرورش کے خیال سے اس کام

میں شرکت کرتا ہے۔ اگر نہ کرے تو کوئی اُسے رکھے بھی نہیں اور کوئی دوسری صورت آسان اس شرکت اور مضاربت کو درست کرنے کی ہو تو بتلائی جائے۔

الجواب

یہ صورت مضاربت صحیح نہیں۔ مضاربت میں عمل ربّ المال کی شرط مفسد ہے۔

قال الخلاصة ولصحة المضاربة شرائط منها التخلیه حتی لو شرط عمل ربّ المال فسدت المضاربة۔ (ج ۴ ص ۱۸۸) (۱)

صورت جواز یہ ہے کہ جس شخص کی رقم نہ ہو اس کو ماہواری تنخواہ پر ملازم رکھا جائے یا دلّالی پر رکھا جائے کہ تُو دوکان میں کام کر جتنے کا مال بکے گا فی روپیہ تجھ کو اتنا دیا جائے گا۔ شریک نہ بنایا جائے اور اگر شرکت کے بغیر کوئی کام نہ کرے تو پھر مال دینے والے اپنی رقم کی کچھ مقدار بے رقم والے کو ہبہ کر دیں اور شرکت عنان کی صورت اختیار کریں جس کے احکام کسی عالم سے زبانی معلوم کر لئے جائیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۶ رجب ۴۳ھ

شرکت عنان کی ایک صورت معاوضہ حقوقِ گڈوِل و مارکہ کے متعلق چند سوالات

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید اور عمر دونوں ایک دوکان میں شریک ہو کر کام کرتے تھے۔ اس وقت بہت چھوٹا کام تھا۔ دوکان کے مال پر کوئی دوکان کا مارکہ یعنی ٹکٹ نہیں تھا۔ بحالت شرکت ڈھائی برس میں عمرو بقضاء الٰہی فوت ہو گیا اور سارا کام زید کے ہاتھ آ گیا۔ پس زید نے عمرو کے بیٹے بکر کو ایک چھوٹے حصّہ[عہ] کی مقدار شریک دار قرار دے کر اپنے ساتھ بٹھایا اس کے بعد جب دوکان کو ترقی ہوئی اور دوکان کے مال پر دوکان کے ٹکٹ بھی ہو گئے۔ تب بکر نے اپنا حصّہ بڑھانا چاہا۔ پس

(۱) فی الشامیه: (ج ۵: ۶۴۵) تحت قوله: (وعمل من جانب) المضارب اهـ قید به لأنه لو اشترط ربّ المال أن یعمل مع المضارب فسدت الخ محمد افتخار عفی عنہ

عہ: یہ حصّہ عمرو متوفی کے حصّہ کے برابر تھا یا کم ۱۲ ظ

زید نے اس شرط پر بکر کا حصّہ دوکان میں بڑھا دیا کہ دوکان کے ٹکٹوں میں بکر کا کوئی حق نہیں ہے جس کی بابت فریقین میں باقاعدہ تحریر ہو گئی اور اس کے مطابق عملدرآمد ہوتا رہا۔ پھر کچھ مدت کے بعد فریقین میں تحریری معاہدہ ہوا کہ اگر زید بکر کو دوکان سے علیحدہ کرے تو دوکان کے موجودہ مال اور نفع کا حساب کر کے بکر کے حصّہ کے موافق نقد روپیہ اس کو دے دے گا اور اس کے علاوہ ٹکٹوں کے حق کے بابت مبلغ ساڑھے تین ہزار روپے بھی دے کر اس کو دوکان سے علیحدہ کر دے گا اور اگر بکر خود بخود علیحدہ ہو جائے تو اس کو دوکان کے ٹکٹوں کا کوئی حق نہ ملے گا۔ صرف مال اور نفع میں سے اس کے حصّہ کی مقدار نقد روپیہ دے دیا جائے گا۔

پھر کچھ مدت بعد آخری تحریری معاہدہ ایسی حالت میں ہوا کہ دوکان کی اور زیادہ ترقی ہو چکی تھی اور بجائے ایک دوکان کے دو دوکانیں باہمی شرکت میں ہو چکی تھیں۔ پہلی پرانی بڑی دوکان ۱ سے موسوم تھی اور دوسری چھوٹی نئی دوکان کو نمبر ۲ کہا جاتا تھا۔ اس آخری معاہدہ سے تقریباً پندرہ سال پیشتر سے زید اپنے بیٹے خالد کو دوکان میں شریک کر چکا تھا لیکن ٹکٹوں میں اس کا کوئی حق نہیں رکھا گیا تھا۔ اس آخری معاہدہ کے مطابق بھی زید کا بیٹا خالد دوکان میں شریک دار قرار پایا۔ شرط یہ ٹھہری کہ اگر بکر خود بخود دوکان سے علیحدہ ہو جائے تو اس کو دونوں مذکورہ دوکانوں میں سے کسی دوکان کے پانے کا حق نہیں ہے۔ صرف موجودہ مال اور نفع میں سے اپنے حصّے کی مقدار نقد رقم پانے کا حقدار ہے اور بکر خود علیحدہ نہ ہو بلکہ زید اس کو دوکان سے علیحدہ کر دے تو بکر کو چھوٹی دوکان ۲ معہ اس کے کل ٹکٹوں کے ملے گی اور بڑی دوکان ۱ اس کے کل ٹکٹوں کے زید کی رہے گی جس کے ساتھ اس کا بیٹا خالد بھی باہمی قرارداد کے مطابق شریک رہے گا اور اگر پہلی دوکان ۱ چلی جائے مثلاً اس طرح سے کہ مالک دوکان اس کو خالی کرا لے تو زید معہ جملہ حقوق کے دوکان ۲ کا مالک ہو جائے گا اور بکر کو اس کے حصّہ کی مقدار یعنی ایک روپیہ میں ساڑھے پانچ آنہ کے حساب سے موجودہ مال اور نفع میں سے نقد روپیہ اور بابت گڈوِل تیرہ ہزار سات سو پچاس (۱۳۷۵۰) روپے دیا جائے گا۔ اس بناء پر دونوں دوکانوں کے حقوق گڈوِل کی قیمت چالیس ہزار روپے

رکھی گئی جس میں چھبیس ہزار دو سو پچاس روپیہ بڑی دوکان نمبر ۱ کی جانب اور تیرہ ہزار سات سو پچاس روپیہ چھوٹی دکان ۲ء کی جانب قرار پایا تھا۔ گڈول اس حق کا نام ہے جو ہر تاجر کو اس کے مارکوں (یعنی ٹکٹوں) اور اس کی دوکان کے خاص نام اور ایک مدت تک ایک خاص جگہ پر دوکان جم جانے کی بابت قانوناً و عرفاً حاصل ہوتا ہے۔ اس آخری معاہدہ کے بعد کچھ مدت تک کام ہوتا رہا۔ اب بڑی دوکان ۱ء مالک مکان نے خالی کرا لی اور اس کی جگہ پر ایک اور دوکان کرایہ پر لے لی گئی جو کہ سابقہ اصلی دوکان سے بہت چھوٹی اور کرایہ میں بھی بہت گراں ملی ہے۔ اس کرایہ پر لی ہوئی دوکان کو بھی دوکان نمبر ۱ کہتے ہیں۔ اب زید نیا تحریری معاہدہ دو برس کے لئے شرکاء سابقہ کے حصص میں کسی قدر کمی بیشی کر کے اس طرح کرنا چاہتا ہے کہ زید، بکر، خالد، سابقہ تین شریکوں کے ساتھ زید کے دوسرے دو بیٹے جعفر اور امین بھی مل کر پانچ شراکت دار قرار پائیں۔

شرائط ۱ء اس طرح پر ہوں کہ اگر دو برس مدّتِ مقررہ کے اندر بکر کو علیحدہ کیا جائے یا بکر خود علیحدہ ہو جائے یا زید کا انتقال ہو جائے تو چھوٹی دوکان ۲ء معہ اس کے جملہ حقوق گڈول کے بجز ایک ٹکٹ کے بکر کو دے دی جائے گی اور اس کے ساتھ اس ایک ٹکٹ کے معاوضہ میں جو کہ مستثنیٰ کر لیا گیا ہے یا دونوں دوکانوں میں مجموعہ حقوق کے لحاظ سے چالیس ہزار روپیہ بھی بکر کو دے دیا جائے گا اور اگر اس مدّت مقررہ کے اندر بکر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثار کو اس وقت کے موجودہ مال اور نفع کے حساب سے نقد روپیہ اور بابت حقوق گڈول چالیس ہزار روپے ملا کر دے دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دونوں دوکانوں سے اس کے ورثاء کو کوئی سروکار نہ رہے گا بلکہ دونوں دوکانوں کے حقوق گڈول کا مستقل اور پورا مالک زید قرار پائے گا اور ۳ء اگر خالد دوکان سے علیحدہ ہو جائے یا اس کا انتقال ہو جائے تو موجودہ مال اور نفع میں حصّہ کے علاوہ مبلغ پچیس ہزار روپیہ اس کو یا اس کے ورثاء کو دیا جائے گا۔ اور دونوں دوکانوں سے اس کو یا اس کے ورثا کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ بقیہ ۴ء دونوں شریک جعفر اور امین کو علیحدہ کرنے یا علیحدہ ہو جانے کے وقت کوئی حق کسی دوکان کے کسی گڈول میں نہیں ہے۔ صرف اس وقت کے موجودہ مال اور نفع میں سے بقدر حصّہ کے

نقد پانے کے حق دار ہوں گے۔

(۵) دوران مدّت مذکورہ میں زید کا انتقال ہوجانے پر اس کے حقوق گڈول کا مستقل مالک صرف اس کا ایک بیٹا خالد رہے گا۔ زید کے حقوق گڈول کی قیمت مبلغ اسی ہزار روپیہ رکھی گئی ہے۔ پس زید کے بعد خالد کا فرض ہے کہ اس کے حقوق گڈول کی مذکورہ قیمت اسی ہزار روپیہ اور اس وقت کے موجودہ مال اور نفع میں سے اس کے حصّہ کے حساب سے نقد روپیہ اس کے یعنی زید کے ترکہ میں شامل کرے تاکہ اس کے ورثاء بچوں، بیویوں میں جن میں خالد، جعفر، امین تینوں بھی شامل ہیں میں حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم ہوجائے۔ زید کے بعد خالد کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ حسب تفصیل مذکورہ بالا بکر کو چالیس ہزار روپے نقد اور دوکان ع۲ باستثناء ایک ٹکٹ بقیہ اس کے کل ٹکٹوں کے ساتھ دے کر اس کو شرکت سے بالکل علیحدہ کردے اسی طرح بقیہ دو شریکوں کو بھی جن کا گڈول میں کوئی حق نہیں ان کی شرکت کی مقدار اس وقت کے موجودہ مال و نفع کا روپیہ دے کر شرکت سے علیحدہ کردے۔

(۶) زید اور خالد دونوں کا انتقال ہوچکنے کے بعد مدّتِ مذکور کے اندر بکر کا حق وہی رہے گا جو اوپر مذکور ہوا اس سے زیادہ نہیں۔

(۷) مذکورہ بالا جملہ شرائط دو برس کی مدّت کے بعد بھی جب تک دوسرا نیا تحریری معاہدہ مکمل نہ ہوجائے واجب العمل رہیں گی۔ پس ارشاد ہو کہ بطور معروضہ بالا نیا تحریری معاہدہ شرعًا جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہے تو اس کے قریب قریب جواز کی کون سی صورت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرکت شرکتِ عنان ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ لا یملك الشریك الشركة الّا باذن شریكه جوهرة كذا فی الدر (ج ۳: ص ۵۳۳)

پس زید کا اپنے دونوں بیٹوں کو فی الحال شریک و دکان کرنا شرکاء سابقین کی اجازت پر موقوف ہے اور ان کے شریک کرنے سے اگر بکر اور خالد کے حصص میں

کمی آتی ہو تو اس کے لئے بھی ان کی اجازت بطیب قلب کی ضرورت ہے. یہاں یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ باپ کا بیٹوں کو شریکِ دوکان کرنا دو طرح پر ہے. ایک یہ کہ بیٹوں کا محض نام دوکان کے شرکاء میں شمار کر لیا جائے یہ شرکت معتبر نہیں اور اس صورت میں اولاد باپ کی معین شمار ہوگی. ان کا مستقل حصّہ دوکان میں نہ ہوگا بلکہ اولاد کے حصص بھی باپ کی ملک ہوں گے جس میں باپ کے سب ورثاء کا حق شرعی ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے بیٹوں کو اوّل کچھ سرمایہ یا نقد روپیہ برعایت شرائط ہبہ تملیکا دے دے اور بیٹے اس سرمایہ یا نقد کو دوکان میں لگا کر شریک ہوں. یہ صورت شرکت کی معتبر ہے. اس وقت ہر بیٹا اپنے حصّہ کا مستقل مالک ہوگا جس میں دیگر ورثاء زید کا حق نہ ہوگا بلکہ ہر بیٹے کے حصّہ میں صرف اسی کے ورثا حقدار ہو سکیں گے.

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة: وامّا قول علمائنا أبٌ وابن یکتسبان فی صنعةٍ واحدة ولم یکن لهما شیءٌ ثم اجتمع لهما مالٌ یکون کلّه للأب إذا کان الإبن فی عیاله فهو مشروط کما یعلم بعبارا تهم بشروط منها اتحاد الصنعه وعدم مال سابق لهما وکون الإبن فی عیال ابیه فاذا عدم واحد منهما لا یکون کسب الإبن لِلأب وانظر إلی ما علّلوا به المسئلة من قولهم لأن الإبن اذا کان فی عیال الأب یکون معینًا له فیما یصنع فمدار الحکم علی ثبوت کونه معینًا له فیه فاعلم ذلك اھ (ج ۲/ ۱۸)

اور جس صورت میں باپ اپنے بیٹوں کو سرمایہ نقد دے کر دوکان میں شریک کرے. اس وقت شرعًا باپ کے ذمّہ اولاد میں تسویہ ضروری ہے کہ ہر بیٹے کو برابر نقد یا سرمایہ دے ہاں یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کا سرمایہ یا روپیہ برابر حصّہ کے ساتھ دوکان میں شریک کرے بلکہ اختیار ہے کہ کسی کا حصّہ دوکان میں زیادہ رکھے کسی کا کم. اور سرمایہ یا روپیہ برابر لگا کر یہ بھی شرکاء کو حق ہے کہ نفع میں کسی شریک کا حصّہ برابر رکھا جائے اور کسی کا کم. کیونکہ شرکت عنان میں باوجود مساوات رأس المال کے نفع میں زیادت و نقص ہو سکتا ہے مگر یہ سب شرکاء کی رضاء سے ہونا چاہیئے اس کے بعد

تحریر معاہدہ جدید میں جو یہ شرط کی گئی ہے کہ اگر دو۲ برس مدّت مقررہ کے اندر بکر کو علیحدہ کیا جائے یا بکر خود علیحدہ ہو جائے یا زید کا انتقال ہو جائے تو چھوٹی دوکان ع۲ معہ اس کے جملہ حقوق گڈول کے بجز ایک ٹکٹ کے بکر کو دے دی جائے گی الخ

اس میں علیحدہ کرنے کا حق صرف زید کے لئے ثابت کیا گیا ہے حالانکہ شرعًا ہر شریک شرکت کو فسخ کر کے دوسرے کو علیحدہ کرنے کا اور خود علیحدہ ہو جانے کا حق رکھتا ہے۔ اب اگر دوکان شرکاء کی مِلک ہے تو یا تو دونوں اس کو تقسیم کر کے الگ الگ حصّے بنالیں یا ایک شخص دوسرے کا حصّہ اس کی رضامندی سے خرید کر ساری دوکان کا مالک ہو جائے۔ چاہے زید ایسا کرے یا بکر دونوں اس میں مساوی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ بکر کے حصّہ کو زید ہی خرید کر اسے الگ کر سکے اور بکر اس کے حصّہ کو خرید کر اسے الگ نہ کر سکے یا زید ہی اگر چاہے تو بکر کو علیحدگی پر مجبور کر کے تقسیم دوکان کا مطالبہ کر سکے اور بکر ایسا نہ کر سکے اور اگر دوکان کرایہ کی ہے تو مالک دوکان جس شریک کو اپنی دوکان کرایہ پر دینے کے لئے راضی ہو۔ وہی دوسرے کو الگ کر سکتا ہے یعنی اگر مالکِ دوکان تنہا زید کو دوکان کرایہ پر دے تو وہ بکر کو الگ کر سکتا ہے اور اگر تنہا بکر کو دے تو وہ زید کو الگ کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ شرکت خواہ موت سے فسخ ہو یا شرکاء کی علیحدگی سے۔ بہر دو۲ صورت جس شریک کو دوکان سے الگ کیا جائے اس کو اس کے حصّہ کے موافق اصل اور نفع میں سے حصّہ دیا جائے گا اور اس کے لئے ابھی سے دوکان ع۲ کو تجویز کر دینا شرعًا خلافِ قاعدہ ہے۔ کیا معلوم اس وقت تک کس قدر حصّہ ہو اور دوکان ع۲ اس سے کم ہو یا زیادہ لہٰذا یہ شرط صحیح نہیں اور اگر بکر اس وقت اس کو منظور بھی کرے تو آئندہ اس کے موافق عمل کرنا اس پر واجب نہیں بلکہ وقت فسخ شرکت کے وہ ہر دوکان سے اپنے رأس المال اور نفع وغیرہ کے موافق حصّہ لے سکتا ہے۔ خواہ وہ دوکان ع۲ کے برابر ہو یا زیادہ اور جس طرح دیگر شرکاء اس کو دوکان ع۱ سے الگ کر کے دوکان ع۲ دینا چاہتے ہیں وہ بھی یہ حق رکھتا ہے کہ دیگر شرکاء کو ع۱ سے الگ کر کے ع۲ ان کو دے دے اور دوکان ع۱ تنہا مالک سے کرایہ پر لے لے یا خرید لے اور شرکاء دوکان ع۱ کو ان کے حقوق کا معاوضہ برضاء یک دیگر دے کر الگ کر دے اور اگر دوکان شرکاء کی ملک ہے تو تقسیم یا خرید کے لئے باہمہ دیگر رضامندی شرط ہو گی۔

اس کے بعد جو یہ شرط کی گئی ہے کہ اگر اس مدّت مقررہ کے اندر بکر کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء کو موجودہ مال و نفع کے حساب سے نقد روپیہ اور بابت حقوقِ گڈول چالیس ہزار روپیہ ملا کر دیا جائے گا. اس کے علاوہ دونوں دوکانوں سے اس کے ورثاء کو کوئی سروکار نہیں ہوگا الخ

اس میں اوّل تو وہی کلام ہے جو اوپر گزر چکا کہ اگر یہ دوکانیں زید و بکر کی ملک ہیں تو جس طرح زید بکر کا حصّہ بکر کی رضا سے خرید کر ان دوکانوں کا مالک ہو سکتا ہے. یوں ہی ورثاءِ بکر بھی زید کا حصّہ زید کی رضامندی سے خرید کر دوکانوں کے مالک ہو سکتے ہیں اور اگر کرایہ کی ہیں تو دوکان سے کسی شریک کو علیحدہ کرنے کا حق مالک دوکان کو ہے. چاہے وہ زید کو کرایہ پر دے یا ورثاء بکر ان دونوں کو کرایہ پر لے لیں. دوسرے ورثاء بکر کو یہ بھی حق ہے کہ وہ سرمایہ ہر دو دوکانوں سے موافق حصّہ بکر کے عین سرمایہ لے لیں. قیمت سرمایہ لینے پر ان کو مجبور نہیں کیا جا سکتا البتہ جب کوئی شریک دوکان سے علیحدہ ہوگا پھر علیحدگی کے بعد حقوق گڈول میں بھی ان شرکاء کی شرکت باقی نہیں رہے گی. کیونکہ یہ حقوق شرکت رأس المال کے تابع ہیں. جب اس میں شرکت منقطع ہو گئی تو تابع میں بھی منقطع ہو جائے گی. اب یا تو ورثا بکر ان ٹکٹوں اور مارکوں کو تقسیم کر لیں جو زید و بکر میں مشترک تھے اس طرح کہ بقدر حصّہ زید کے حقوق گڈول اس کے پاس ہیں اور بقدر حصّہ بکر کچھ ٹکٹ اور مارکہ ورثاء بکر کو دے دیئے جائیں یا اس وقت باہم رضامندی سے بطور صلح کے ان حقوق کا معاوضہ ایک شریک دوسرے کو دے دے جس کی کچھ مقدار ابھی سے مقرر کر دینا صحیح نہیں. کیا معلوم وقت فسخ شرکت کے کس قدر مقدار ہو اور اگر ان حقوق کا معاوضہ دوسرا شریک رضامندی سے نہ دینا چاہے تو پھر تقسیم سرمایہ کی وہ صورت ہوگی جو آئندہ آتی ہے.

یہاں یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ حقوق ٹکٹ و مارکہ اصل مذہب کے موافق متقوّم نہیں کیونکہ مارکہ کوئی عین نہیں ہے اور نہ کسی عین متقوم کے ساتھ لزوماً قائم ہے.

ولکنّهم قالوا یجوز اخذ العوض فی الحق المجرّد علی وجه الاسقاط للحق واستنبطوا من فرع فی مبسوط السرخسی وهو

ان العبد الموصى برقبة شخص وبخدمته للآخر لو قطع طرفه
او شج موضحة فأدى الأرش فإن كانت الجناية تنقص الخدمة
يشترى به (اى بالأرش) عبد آخر يخدمه او يضمّ اليه ثمن
العبد بعد بيعه فيشترى به عبد يقوم مقام الاوّل فإن اختلفا
فى بيعه لم يبع وإن اصطلحا على قسمة الارش بينهما نصفين
فلهما ذلك ولا يكون ما يستوفيه الموصى له بالخدمة من الإرش بدل الخدمة
لأنه لا يملك الاعتياض عنها ولكنه اسقاط لحقه به كما لو صالح موصى
له بالرقبة على مال دفعه للموصى له بالخدمة يسلم العبد له اه .
قال الحموى فربّما يشهد هذا للنزول عن الوظائف بمال اه قال
فليحفظ هذا فانه نفيس جدًا قال الشامى ثم استشكل ذلك بما
مرّ من عدم جواز الصلح عن حق الشفعة والقسم فانه يمنع
جواز اخذ العوض لههنا ثم نقل جوابه عن البيرى بما حاصله
أن ثبوت حق الشفعة للشفيع وحق القسم للزوجة وكذا حق الخيار
فى النكاح للمغيرة انّما هو لدفع الضرر عن الشفيع وامرأة وما ثبت
لذلك لا يصلح الصلح عنه لان صاحب الحق لما رضى علم انه لا يتضرر
بذلك فلا يستحق شيئًا امّا حق الموصى له بالخدمة فليس كذلك
بل ثبت له على وجه البر والصلة فيكون ثابتًا له اصالةً فيصح الصلح
عنه اذ انزل عنه لغيره ومثله ما مرّ عن الاشباه من حق القصاص
والنكاح والرق حيث صحّ الاعتياض عنه لأنه ثابت لصاحبه
اصالةً لا على وجه رفع الضرر عن صاحبه ولا يخفى ان صاحب الوظيفة
ثبت له الحق فيه بتقرير القاضى على وجه الاصالة لا على وجه
رفع الضرر فالحاقها بحق الموصى له بالخدمة وحق القصاص
وما بعده اولى من الحاقها بحق الشفعه والقسم. وهذا كلام
وجيهه لا يخفى على نبيه وبه اندفع ما ذكره بعض مخشى الاشباه
من المال الذى يأخذه النازل عن الوظيفة رشوة وهى حرام بالنص

والعرف لا يعارض النص وجه الدفع ما علمت من انه صلح عن حق كما في نظائره والرشوة لا يكون بحق واستدل بعضهم للجواز سيدنا الحسن ابن سيدنا علي رضي الله تعالى عنهما عن الخلافة لمعاوية رضي الله عنه على عوض وهو ظاهر ايضا وهذا أولى مما قدمناه في الوقت عن الخيرية من عدم الجواز ومن ان المفروغ له الرجوع بالبدل بناء على ان المذهب عدم اعتبار عرف الخاص وأنه لا يجوز الاعتياض عن مجرد الحق لما علمت عن ان الجواز ليس مبنيا على اعتبار العرف الخاص على ذكرنا من نظائره الدلالة عليه وأن عدم جواز الاعتياض عن الحق ليس على اطلاقه ورأيت بخط بعض العلماء عن المفتي ابي السعود انه افتى بجوازه اخذ العوض في حق القرار والتصرف وعدم صحة الرجوع الى أن قال ويقال مثله في الفراغ عن حق التصرف في عشر مكة الأراضي (رد المحتار ج ۴ / ۲۲)

وقد يستدل لذلك بما في الدرر وصح بيع حق المرور تبعا للارض بعد خلاف ومقصودا وحده في رواية وبه أخذ عامة المشائخ شمني (قال السائماني وهو ايضح وعليه الفتوى) مضمرات ۱۲ شامي وفي أخرى لا وصححه ابو الليث اهـ (ج ۴ : ۱۹۲)

واذا اختلفت التصحيح يوخذ بما هو اسهل للناس وارق بهم

ہر چند کہ ان دلائل سے بظاہر حقوق ٹکٹ اور مارکہ کو کوئی متقوم کہہ سکتا ہے۔ مگر غور کرنے کے بعد ان کا تقوم ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جتنی نظائر بیان مذکور ہیں ہیں اُن کے اصل حق کا ثبوت شرعًا ہو چکا ہے اور یہاں کسی مارکہ کا کسی تاجر کے لئے مخصوص ہو جانا خود حق غیر ثابت ہوتا ہے۔

شرعًا اسماء و الفاظ یا نشانات میں کسی کا کوئی حق نہیں بلکہ یہ سب اپنی ذات سے مباح للکل ہیں۔ پس کسی تاجر کے لئے کسی مارکہ کا مخصوص ہونا اور دوسروں کو

اس سے روکنا مباح الأصل میں بندش اور حجر ہے اور گو مباح الاصل میں بعد قبض کے حق منع الغیر ثابت ہو جاتا ہے مگر یہ ان اشیاء میں ہے جو صالح للقبض ہوں اور ظاہر ہے کہ الفاظ یا نشان و مارکہ صالح للقبض نہیں کیونکہ عین نہیں۔ دوسرے اگر ایک کے نشان یا مارکہ کو دوسرا شخص استعمال کرنے لگے تو وہ عین اوّل کا استعمال نہیں بلکہ مثل کا استعمال ہے اور اگر دھوکہ اور تلبیس سے مخلوق کو بچانے کے لئے ایک شخص کا مارکہ دوسرے کے لئے ممنوع قرار بھی دیا جائے۔

کما قال علمائنا فی قوله صلی الله علیه وسلم لا تسمّوا باسمی ولا تکتنوا بکنیتی وانهٗ نهی ان ینقش احد علی خاتمه ویلحق به نقش خاتم الإمام والقضاة والولاة فینهی عن نقش احد علیه لما فیه من التلبیس والخداع) تو اس وقت رفع ضرر کے لئے ہوگا جیسے حق شفعہ و قسم زوجہ و خیار مخیرہ وغیرہ اور ایسے حقوق کا عوض نہیں لیا جا سکتا جیسا کہ شامی کی عبارت میں مصرّح ہے اور بیع حقوق مرور کی روایت سے بھی اس کے متقوم ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو فقہا حق مرور کی بیع کو مفرداً صحیح کہتے ہیں وہ حق تعلی کی بیع کو جائز نہیں کہتے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ:

والفرق بینه وبین حق التعلی حیث لا یجوز هو ان حق المرور حقٌ یتعلق برقبة الأرض وهی قال هو عین فما یتعلق به له حکم العین امّا حق التعلّی فمتعلق بالهواء فهو لیس بعین مال اھ (ج ۴/۱۸۳) اور بظاہر مارکہ کا تعلق محض دوکان سے نہیں ہوتا بلکہ ذات تاجر سے ہوتا ہے۔ اگر دوکان بدل جائے تو تاجر دوسری دوکان میں اسی مارکہ کو منتقل کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ایسا حق ہے جس کا تعلق رقبہ متقومہ سے نہیں ہے بلکہ غیر متقومہ سے ہے۔ لہٰذا مارکہ یا ٹکٹ کا تنہا کوئی معاوضہ یا قیمت نہیں ہو سکتی مگر چونکہ یہ ایسی شئی ہے جس کی وجہ سے سرمایہ دوکان کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے حتیٰ کہ عرفاً خود یہ مارکہ بھی قیمتی شمار ہونے لگا ہے۔ اس لئے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کو لاشئ اور کالعدم مان لیا جائے۔ پس ہمارے نزدیک فسخ شرکت کے وقت سرمایہ اور نفع کو تقسیم کر کے احد الشریکین کا دوسرے کو مارکہ کی قیمت جدا دینا تو صحیح نہیں کیونکہ مستقلاً اس

حق کی کچھ قیمت نہیں بلکہ معاہدہ یوں ہونا چاہئے کہ وقت فسخ شرکت کے اگر مارکہ اتنے متعدد ہوں جن کو رأس المال ونفع کی نسبت کے موافق شرکاء میں تقسیم کیا جاسکے جب تو مارکہ اور رأس المال ونفع حصّہ رسد تقسیم کر دیئے جائیں گے اور اگر مارکہ متعدد نہ ہوں اس لئے تقسیم نہ ہوسکیں تو جو شریک مرجائے یا از خود فسخ شرکت کرے اگر وہ یا اس کے ورثاء سرمایہ کو بانٹنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو شخص حقوق مارکہ لینا چاہے اس کی طرف سرمایہ کم لگایا جائے گا اور جو حقوق مارکہ نہ لینا چاہے اس کی طرف سرمایہ زیادہ لگایا جائے گا اور زیادت کی مقدار وہ ہوگی جس سے اس شخص کے حقوق مارکہ کی عرفی قیمت وصول ہوجائے (فلا یلزم فی هذه الصورة بیع الحق المجرّد بل تبعًا للعین المتقوم فکان کحق المرور مع رقبة الارض ۱۲)

اور اگر باہم رضامندی سے ایک شریک یا اس کے ورثاء سرمایہ کو تقسیم نہ کرنا چاہیں بلکہ اپنے سرمایہ کا معاوضہ لے کر شرکت فسخ کرنا چاہیں تو اس وقت ان کے سرمایہ کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو حقوق مارکہ کی عرفی قیمت ملا کر ہوتی ہے۔

شرط چہارم میں جعفر وامین کو حقوق گڈول سے محروم کیا گیا ہے۔ اگر ابتداء شرکت ہی میں ان کا کوئی حصّہ گڈول میں نہیں رکھا گیا تو یہ شرط صحیح ہے لیکن اس صورت میں زید پر یہ الزام عائد ہوگا کہ اس نے بعض اولاد کو بعض پر ترجیح دی گو اس سے شرکت کے جواز وعدم جواز پر کوئی اثر عائد نہیں ہوتا لیکن فی نفسہٖ اولاد میں تو یہ لازم ہے۔ پس اگر زید نے ان لڑکوں کو جنہیں حقوق گڈول سے محروم کیا گیا ہے کچھ نقد یا سرمایہ اس قدر دے دیا ہو جس سے وہ اس بیٹے کے برابر ہوگئے ہوں جو حقوق گڈول میں شریک رہے۔ گو اس نقد سرمایہ کا تعلق دوکان سے نہ ہو بلکہ دوکان سے علیحدہ ان کو دے دیا گیا ہو اور دوکان میں کسی وجہ سے ان کا حصّہ گڈول میں نہ رکھا گیا ہو تو ترجیح بعض الاولاد علی البعض کا گناہ نہ ہوگا ورنہ یہ خرابی باقی رہے گی۔ نیز جعفر وامین وقت علیحدگی کے محض نقد لینے پر مجبور نہیں کئے جاسکتے بلکہ اگر وہ چاہیں تو بقدر اپنے حصّہ کے سرمایہ دوکان بھی لے سکتے ہیں۔

شرطِ پنجم میں زید کا انتقال ہو جانے پر اس کے حقوق گڈول کا مالک صرف خالد کو قرار دیا گیا ہے اس میں خرابی یہ ہے کہ خالد کا حصّہ دوسرے ورثار سے بہت زیادہ ہو گا کیونکہ ان حقوق کی وجہ سے سرمایہ کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ پس جس بھائی کو بدون ان حقوق کے سرمایہ دیا جائے گا۔ خالد کا سرمایہ ان حقوق کے ساتھ مل کر بہت قیمتی ہو گا اس کی تلافی کے لئے جو خالد کو وصیت کی گئی ہے کہ وہ ان حقوق کے بدلے میں اسّی ۸۰ ہزار روپے ترکہ میں شامل کرے اس میں اوّل تو دوسرے ورثار کو خالد کا محتاج بنانا ہے۔ دوسرے وہی حقوق مجرّدہ کی بیع ہے جو جائز نہیں۔ اس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ زید کے بعد اگر حقوق متعدد ہوں تو ورثاء پر حصّہ رسد منقسم ہو سکیں تب تو سرمایہ کے ساتھ سب ورثاء ان کو بھی تقسیم کر لیں اور اگر متعدد قابل قسمت نہ ہوں تو جس کی طرف حقوق مار کر لگائے جائیں۔ اس کی طرف سرمایہ کا حصّہ کم لگایا جاوے کیونکہ یہ سرمایہ قلیلہ ان حقوق کی وجہ سے قیمت میں زیادہ ہو گا۔ باقی یہ بات ورثاء کی باہمی رضامندی پر ہے کہ کون حقوق گڈول سے دست بردار ہو کر سرمایہ زیادہ لے اور کون کم کرے اور ان حقوق کا مالک ہو اور اگر صرف خالد ہی کو حقوق گڈول کا مالک بنانا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ زید اپنی حیات میں اپنے حقوق گڈول کا مالک خالد کو بنا دے اور اس کی وجہ سے جو خالد کو دوسرے بھائیوں پر ترجیح لازم آئے گی اس کی تلافی دوسرے طریقہ سے کر دے کہ دوسرے بھائیوں کو نقد یا سرمایہ اتنا دے دیا جائے کہ وہ بدون حقوق مار کہ لئے خالد کے برابر ہو جائیں اس دفعہ میں خالد کو بھی بکر کو علیحدہ کرنے کا اسی تفصیل پر حق دیا گیا ہے جو پہلے مذکور ہوئی۔ اس کا حکم ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

دفعہ ۶ میں یہ لکھا گیا ہے کہ زید و خالد کے بعد مدت مذکورہ کے اندر بکر کا وہی حق رہے گا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس کے متعلق یہ امر قابل بیان ہے کہ بکر کے حقوق گڈول کی تحریر

ع یعنی یہ شرط تو صحیح ہے کہ بکر کے جتنے حقوق گڈول اس وقت ہیں دو برس تک وہی رہیں گے۔ ان حقوق کے بڑھانے کا اس مدّت میں اس کو حق نہیں البتہ حقوق گڈول کے معاوضہ کی تحریر صحیح نہیں نیز یہ شرط بھی صحیح نہیں کہ اس وقت بکر کے جس قدر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تو صحیح ہے لیکن سرمایہ اور نفع کے متعلق تحریر صحیح نہیں ممکن ہے کہ اس کا نفع و سرمایہ اتنا بڑھ جائے جس کے معاوضہ کے لئے دو کان ۱/۲ کافی نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ لاحقر ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۸ شعبان ۱۳۴۳ھ

شرکت و اجارہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید دو کان میں اپنے ساتھ شریک بکر، خالد، جعفر، امین ملا کر کل پانچ شریک قرار دیتا ہے جن میں زید اور بکر دو بڑے حصہ دار ہیں اور پچھلے تینوں چھوٹے چھوٹے حصہ والے ہیں اور چونکہ پچھلے تینوں شریک خالد، جعفر، امین کے حصوں کا نفع ان کے حق المحنت کو دیکھتے ہوئے ناکافی ہے۔ اس لئے چاہتا ہے کہ بقدر حصہ نفع کے علاوہ خالد کو چار سو روپیہ ماہوار اور جعفر اور امین کو ڈھائی ڈھائی سو ماہوار دو کان سے دیا کرے تو آیا ایسا کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہے تو کون سی صورت ایسی ہے جس میں ان کا حق المحنت پورا ان کو مل جایا کرے۔ درآں حالانکہ اس کے لئے ان کا حصہ بڑھا دینے کے بعد پھر گھٹانا زیادہ دشوار ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کی مذکورہ تنخواہوں میں حسب موقع کمی بیشی کی جایا کرے۔ بینوا توجروا

الجواب

صورت مذکورہ میں شریک کا اجیر ہونا لازم آتا ہے اور شرکت اور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ سے پیوستہ) حقوق گڈول ہیں۔ وقت علیحدگی و فسخ شرکت کے اس کے معاوضہ میں صرف دو کان ۱/۲ کے حقوق دیئے جائیں گے کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت دونوں دو کانوں میں جس قدر حقوق گڈول بکر کے ہیں دو برس کے بعد وہ اتنے قیمتی ہو جائیں کہ صرف دو کان ۱/۲ کے حقوق گڈول اس کے لئے کافی نہ ہوں پس صحت تحدید سے مراد صرف یہ ہے کہ ان حقوق کی تعداد و نسبت کی تحدید صحیح ہے۔ تحدید عوض مراد نہیں۔ ۱۲ ظ

اجارہ جمع نہیں ہو سکتے، اس کی صورت جواز یہ ہے کہ اصل سرمایہ میں تو ان شرکاء کا حصّہ نہ بڑھایا جائے مگر نفع میں بڑھایا جائے مثلاً جس شریک کا حصّہ دوکان ۱/۴ ہے اس کا حصّہ نفع میں ۱/۳ کر دیا جائے اور اس کے لئے تمام شرکاء کی رضا شرط ہے پھر اگر زیادت نفع بھی دوامًا منظور نہ ہو تو اس کے لئے باہمی معاہدہ تحریری سے ایک میعاد مقرر کر دی جائے کہ فلاں فلاں شرکاء کی حسن کارکردگی کی وجہ سے فلاں میعاد تک ان کا حصّہ نفع میں بڑھایا جاتا ہے اور شرکت عنان میں رأس المال کی نسبت سے نفع کا زیادہ ہونا جائز ہے[1] واللہ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۲ شعبان ۴۳ھ

حکم شرکت والد و اولاد در کسب سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید کے پانچ فرزند ہیں۔ عمرو، خالد، ولید، فخر علی، ولی احمد اور تین اولاد نابالغ ہیں۔ عبد اللہ عبد الرحمٰن، فاطمہ۔ زید نے اپنی ذاتی محنت سے ہزار روپیہ کے نقود و اجناس و اراضی کسب کئے پھر جب عمر خالد وغیرہ ہوشیار اور قابل کسب ہوئے تو بہ معیت ان کے چار ہزار روپیہ کا مال کمایا۔ غرض فی الحال زید کے پاس پانچ ہزار کا مال موجود ہے اور کاروبار زید کے ہاتھ میں ہے۔ اموال مشترکہ ہیں۔ کس نے کس قدر کسب کیا اور کہاں تک محنت کی منضبط نہیں ہے اور نہ انضباط تحقیقی ہو سکتا ہے۔ ولید نے تقریبًا آٹھ سال تک علم حاصل کیا۔ اس نے سب کے نقود مشترکہ میں سے بہت سے روپے خرچ کئے۔ طالب علمی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ تھوڑے عرصہ تک کسب معاش میں شریک رہے اور ولی احمد کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔

اب زید فرزندوں سے اور فرزند ہر ایک دوسرے سے جُدا ہونا چاہتے ہیں۔ پس تقسیم اموال ان میں کیونکر ہوگی آیا بقدر کسب بطور تخمین ہوگی یا جملہ اموال زید کا قرار دے کر فرزندوں کا اجر مثل دیا جائے گا اور ایام ماضیہ کا نان و نفقہ اجر مثل سے وضع ہوگا یا حکم مقاصّہ کیا جائے گا۔ ولید کا کیا حکم ہے کہ اس نے زیادہ خرچ کیا۔ ولی احمد کی مؤنۃ شادی سب کے ذمّہ پر ہے یا صرف باپ کے ذمّہ ہوگی۔ نابالغ اولاد کو بھی حصّہ ملے گا یا نہیں۔ نیز تحریر فرمائیں کہ تقسیم چار ہزار میں جاری ہوگی یا پانچ ہزار میں اور یہ بھی

(۱) ویجوز التفاضل فی الربح مع تساویهما فی رأس المال (هندیة ج۲/۳۱۰)

قلمبند فرمادیں کہ صورت مسئولہ میں اگر کاروبار کسی فرزند کے ہاتھ میں ہو تو کیا حکم ہے۔
بینوا بالکتاب توجروا اجراً جزیلاً عند الوھاب۔

الجواب

زید نے جو اپنے لڑکوں کو کاروبار میں اپنے ساتھ شریک کیا ہے تو اس کی صورت کیا تھی۔ آیا زید نے ہر بیٹے کو کچھ رقم یا سرمایہ ہبۃً دے دیا تھا۔ پھر وہ رقم یا سرمایہ کاروبار میں لگا کر لڑکا شریک تجارت ہوا یا باپ نے کسی بیٹے کو کچھ رقم ہبۃً نہیں دی۔ نہ سرمایہ دیا اور نہ بیٹوں کے پاس اپنی ذاتی رقم یا سرمایہ تھا جس کو کاروبار میں ملا کر وہ شریک ہوئے ہوں بلکہ بیٹے ویسے ہی بدون رقم دیئے کام کرنے لگے اور اس شرکت سے کام کو ترقی ہوئی۔ پس صورت اولیٰ میں تو یہ البتہ شرکت ہے اور ہر شخص اپنی رقم و سرمایہ کی نسبت سے اس وقت اصل و نفع میں مستحق ہوگا اور صورت ثانی میں یہ شرکت ہی نہیں بلکہ کل سرمایہ زید کی ملک ہے اور سب لڑکے اس کے معین شمار ہوں گے اور جس لڑکے پر زیادہ خرچ ہوا اس صورت میں وہ سب باپ ہی کا خرچ ہوا اس سے زیادت کے رجوع کا حق کسی کو بھی نہیں۔ نیز اولاد کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے لئے زید کو اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ اس سرمایہ کو ان میں تقسیم کرے بلکہ اولاد بالغین کو بدون کچھ سرمایہ دیئے بھی الگ کر سکتا ہے اور اگر ان کو کچھ سرمایہ دے کر الگ کرے تو یہ اچھا ہے اور اس صورت میں سب کو برابر سرمایہ دے اور نابالغوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھے۔ بلوغ سے پہلے ان کو الگ نہیں کر سکتا۔

قال فی الحامدیہ: ابٌ وابن یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لھما شیءٌ ثم اجتمع لھما مال یکون کلہ للأب اذا کان الابن فی عیالہ واجاب خیر الرملی عن سوالٍ آخر بقولہ حیث کان من جملۃ عیالہ والمعینین لہ فی امورہ واحوالہ فجمیع ما حصلہ بکرہ وتعبہ فھو ملکٌ خاص لابیہ لاشیء لہ فیہ حیث لم یکن لہ مالٌ۔ لو اجتمع لہ بالکسب جملۃ اموال لانہ فی ذالک لابیہ معین اھ (ص ۱۸ ج ۲)

واللہ تعالیٰ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۳ رمضان ۱۳۴۳ھ

طباعت کتب میں شرکت اور بغیر اجازتِ شریک دوسرے شخص کو شریک معاملہ کرنے کا حکم

سوال: زید و عمر میں ایک درسی کتاب کے متعلق یہ طے پایا کہ اس کی تیاری میں جو اخراجات پیش آئیں گے اس میں دونوں کی شرکت بقدر نصف لاگت ہوگی مگر نفع میں زید کو ۴، اور عمر کو ۲/۱۲ ۔ مثلاً کتاب کی لاگت ایک ہزار روپیہ ہو تو صما روپیہ زید ادا کرے گا اور صما روپے عمر چونکہ عمر اس کی طباعت اور فروخت کا انتظام بھی کرے گا لہٰذا نفع میں محرر میں ۴، زید کے اور ۱۲، عمرو کے ہوں گے۔ چنانچہ زید نے پہلی قسط ادا کر دی ہے۔ عمر کے پاس روپیہ نہیں ہے لہٰذا عمر نے خالد کو اس معاملہ میں اس طرح شریک کیا کہ خالد صما ادا کرے اور نفع میں ۴، اس کو بھی دیئے جائیں گے۔ گویا اب صورت حال یہ ہے کہ کل رقم زید اور عمر ادا کریں اور نفع میں ۴، زید کے ۴، خالد اور ۸، عمر کے ہوں۔ زید کو اس معاملہ کی قصداً اطلاع نہیں کی گئی باقی خالد کو پہلی شرط کی جو زید سے طے ہوئی تھی اطلاع کر دی گئی ہے یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر زید کو اطلاع بھی مل گئی تو اس کو کسی قسم کا نقصان خالد کو شریک کرنے سے نہیں ہوگا۔ اگر یہ صورت جائز نہ ہو تو کوئی صورت جواز کی نکل سکتی ہے یا نہیں جو صورت جواز کی ہو۔ تحریر فرمائی جاوے۔

الجواب

فی العالمگیریة: ولیس لہٗ أن یشارک غیرہ إذا لم یشترط وعقد الشرکة أن یعمل کل واحد منہما برأیہ ھو الصحیح کذا فی الذخیرہ اھ (ص ۱۸۷ ج ۳) اس سے معلوم ہوا کہ ایک شریک بدون اذن شریک آخر (خواہ خصوصاً ہو یا عموم الفاظ سے) کسی اجنبی کو شریک کر لینا جائز نہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں شریک اوّل کی اجازت ضروری ہے۔

واللہ اعلم.

حررّہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ

باپ بیٹے نے اپنی کمائی گھر میں مشترکہ صرف کی اس کا حکم

سوال: زید کی حیات میں اس کے لڑکے عمر نے زید کے سرمایہ سے ایک مکان اور کچھ جائیداد صحرائی اپنے نام سے خریدی. لیکن مرحوم نے کوئی تعرض نہیں کیا نہ اپنے نام منتقل کرایا. جائیداد مذکورہ پر ۱۹ سال تک زید مرحوم ہی قابض و متصرف رہے اور اس کی آمدنی کو اپنے تصرف میں لاتے رہے. علی ہذا مکان میں زید و عمر دونوں سکونت پذیر رہے جس میں کہ اب عمرو سکونت رکھتا ہے. عمرو کے اپنے زمانہ ملازمت دس سال میں بزمانہ حیات زید مرحوم جو کچھ کمایا وہ بھی بشرکت اپنے والدین کے گھر میں صرف کرتا رہا تو اس صورت کا کیا حکم ہے. بینوا توجروا.

الجواب

عمر نے جو زمین اپنے والد کی حیات میں اپنے نام سے خریدی ہے اور باپ نے اس سے تعرض نہیں کیا اور نہ اپنے نام داخل خارج کرایا اور نہ انتقال رسمی کا مطالبہ کیا اور نہ کوئی ثبوت اس امر کا ہے کہ عمر کے نام فرضی بیعانہ کسی مصلحت سے کیا گیا اور اصل بیع و شراء زید کے لئے تھی تو اس صورت میں وہ زمین عمرو کی ملک قرار دی جائے گی اور باپ کا اس کی آمدنی میں تصرف کرتا رہنا علامت ملک والد نہ ہوگی. کیونکہ اس کا اشتراک مصارف و اختلاط ہے.

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: نقلاً عن البزازیۃ والوالوجیہ وعبارتہا رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل آخر وأی الأرض والتصرف ولم یدّع ومات علی ذالك لم تسمع بعدہٗ ذالك دعوی ولدہ فتترك فی ید المتصرف لأن الحال شاهدٌ اھ (ص ۱۶ ج ۲) قلت والشراء علی اسمہ تصرف قوی وکذا الادخال والإخراج علی اسمہ واداء خراج الحکومۃ من لوازم البیع باسمہ.

اور مسئولہ صورت میں جب عمر اپنے باپ کے ساتھ صنعت میں معین ہو کر نہ کماتا تھا تو اس کی آمدنی خالص اسی کی ملک ہو گی۔ پھر جو رقم اس نے باپ کے ساتھ شریک ہو کر گھر میں خرچ کر دی اس کا مطالبہ ترکہ میں سے عمر نہیں کر سکتا کیونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کی رقم اس کو لگتی تھی اور اس کی رقم باپ کو لگتی تھی فتقاصّا : البتہ جو رقم اس طرح خرچ ہوئی کہ عمر نے اس کی کوئی چیز خرید کر گھر بھیجی اور چیز اب تک موجود ہے خواہ منقول ہو یا غیر منقول ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جو چیز عمر نے بزمانہ ملازمت خود خریدی ہے وہ اس کی ہے اور جو باپ نے خریدی ہے وہ ترکہ ہے (۱) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۵ رشعبان ۴۴ھ۔

ایک وارث کے شرکہ ترکہ میں تجارت کرنے کی ایک صورت کا حکم

سوال : وراثت کا روپیہ قبل تقسیم ہونے کے کسی شریک نے بلا اطلاع دوسرے شریک کے کسی کو مضاربت پر دے دیا اور مضارب نے اس میں کچھ تصرف کیا۔ مال خرید کر بیچا اور نفع بھی ہو گیا تو یہ مضاربت صحیح ہوئی یا نہیں اور جو نفع ہوا ہے مضارب اس میں سے نصف نفع مقررہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب

جس شریک نے مضاربت پر روپیہ دیا ہے نفع مقررہ اس کی ملک تو ہو گیا لیکن اس میں سے فقط اپنے حصّۂ وراثت کے مطابق اس کو حلال ہے اور باقی نفع خبیث ہے۔ اس لئے دوسرے ورثاء کو بقدر ان کے حصص دے دے یا محتاجوں کو دے دے۔

کما فی عالمگیریة: لو تصرف احد الورثة فی التركة المشترك وربح فالربح كله للمتصرّف وحده كذا فی الغياثيه وفيه ايضاً

(۱) اس سوال و جواب میں تقسیم ترکہ کا سوال و جواب بھی ہے تاہم یہاں پر صرف مشترکہ خرچ سے متعلق سوال و جواب لیا گیا ہے۔

بعد اسطرٍ سئل ابوبکر عن شریکین جُن احد هما وعمل الآخر بالمال حتی ربح اووضع قال الشرکة بینهما قائمة إلی ان یتمّ اطباق الجنون علیه فاذا قضی ذلک یتفسخ الشرکة بینهما فاذا عمل بالمال بعد ذالک فالربح کله للعامل والوضیعة علیه وهو کالغصب بمال المجنون فیطیب لهٗ من الربح حصّة ماله ولا یطیب لهٗ من مال المجنون فیتصدّق به کذا فی المحیط قال الشامی: وفی القهستانی وله ان یؤدیه الی المالک ویحل له التناول لزوال الخبث ص ج ۵ ۱۸۴

اور مضارب کے لئے بھی یہی حکم ہوگا کہ کل نفع مقررہ اس کی ملک ہے لیکن حسب شریک نے اس سے عقدِ مضاربت کیا ہے اس کے حصّہ کے موافق حلال ہے اور زائد حلال نہیں بلکہ دوسرے شرکار کو دے دے یا فقرار کو دے دے

وهذا هو مقتضی القواعد ولم ارهٗ صریحًا. واللہ اعلم.

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۹ شعبان ۴۴ھ

کتبہ الاحقر
عبد الکریم عفی عنہ
۹ شعبان ۴۴ھ

مقدمہ میں شرکت کی مشترکہ رقم صرف کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمار دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمر شہر سہارنپور میں ایک کارخانہ میں برابر کے شریک ہیں اور دونوں کے درمیان یہ معاہدہ ہوگیا تھا کہ جو شخص جس قدر روپیہ کارخانہ سے خرچ کے لئے لے گا اس کا اندراج اس کے نام پر ہوگا اور وقت حساب کتاب ایک دوسرے سے کمی پیشی مجرا نے دے لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ بعدہٗ اہل سہارنپور پر موقع محرم پیش آیا جس میں اکثر مسلمانان شہر سہارنپور پر جھوٹے الزام ہندوؤں نے لگائے۔ چونکہ زید وعمر بھی مسلمان تھے اور ان کا کاروبار اچھے پیمانہ پر تھا اور ہندوؤں کی نگاہوں میں وہ ناگوار تھا اس بناء پر ہندوؤں نے زید وعمر پر الزام لگایا چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے معاملہ میں کوشش کی اور خرچ کرکے۔ بحمد للہ بری ہوگئے اور دونوں کے خرچ بالامتیاز علیحدہ علیحدہ حسب دستور سابق ہوئے۔ اخراجات زید وعمر میں تفاوت ہے۔ دریافت طلب

امر یہ ہے کہ الزام جو اہل ہنود نے زید و عمر پر لگائے وہ بوجہ کاروبار مشترکہ جو ان کو ناگوار تھا اور بوجہ اس کے کہ زید و عمر مسلمان تھے اور اس سے نجات دونوں نے اپنے اپنے خرچ سے بالامتیاز حاصل کی تو تحریر فرمائیے کہ عند الشرع شریف دونوں شخص حسب معاہدہ مذکورہ مقررہ خود اپنے اپنے خرچ کے متحمل ہوں گے یا یہ کل اخراجات مقدمات مشترکہ کاروبار کارخانہ سے ہوں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ان اخراجات کا ہر شخص علیحدہ علیحدہ متحمل ہوگا اور حسب معاہدہ سابقہ ایک دوسرے سے کمی بیشی مجرا لے گا۔ یہ اخراجات مشترکہ کارخانہ سے پر نہ ہوں گے۔ اخراجات مشترکہ کارخانہ وہ ہوتے ہیں جو تجارت کے متعلقات میں سے ہوں مثلاً مال لانے یا فروخت کرنے کے لئے سفر کرنا یا دوکان پر آنے جانے والے تجار کی خاطرداری کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور اخراجات مقدمہ اس قسم سے نہیں بلکہ یہ ذاتی اخراجات ہیں پس ان کا بار ہر شریک پر الگ الگ ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
از تھانہ بھون، ذیقعدہ ۴۴ھ

بالغ و نابالغ ورثاء کے مشترکہ جائیداد میں تصرف کا حکم

سوال: حضرت میرے سسر صاحب نے چھ وارث چھوڑ کر انتقال کیا ان میں سے ایک میری سسری صاحبہ پانچ میں سے دو بالغ ایک میری بیوی اور ایک میرا سالا اور تین نابالغ ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ اگر وہ مال شرکت میں رہے تو بالغ کی اجازت سے اس میں سے ہمارا کھانا از روئے فتوی کیسا ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ اگر بالغ و نابالغ مل کے دستکاری سے کوئی مال کھاوے اور اب تک وہ مال تقسیم بھی نہیں ہوا اور بالغ نے کھانا کھلانا چاہا تو اس کے کھانے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

قال فی الهدية فشركة الاملاك العين يرثها رجلان ويشتريانها فلا يجوز لاحدهما أن يتصرف فی نصيب الآخر الّا بأذنه وكل واحد منهما فی نصيب صاحبه كالاجنبی اھ

وفی الحاشیہ عن الظھیریۃ. أن الشرکۃ اذا کانت بینھما من الابتداء بأن اشتریا حنطۃً او ورثاھا کانت کل حبۃٍ مشترکۃ بینھما اھ

(ج ۲ ص ۶۰۴)

ترکہ مشترکہ میں اگر ورثار سب بالغ ہوں تب تو ایک وارث دوسروں کی اجازت سے اس میں تنہا تصرف کرسکتا ہے اور اگر نابالغ بھی ہوں تو اس وقت کوئی بھی بدون تقسیم ترکہ کے اس میں تصرف نہیں کرسکتا۔ کیونکہ نابالغ کا اذن معتبر نہیں. پس صورتِ مسئولہ میں ترکہ غیر منقسمہ سے سائل کا یا کسی اور کا کھانا جائز نہیں اور یہی حکم کسب مشترک کا ہے. واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ ذوالحجہ ۴۴ھ

مضارب بغیر کوئی وصیت کئے فوت ہوجائے تو مال کی حفاظت اور ضمان کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمار دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے بطور مضاربت روپیہ لے کر تجارت میں لگایا. اتنے میں اس کا یعنی زید کا انتقال ہوگیا اور مرتے وقت کسی قسم کی وصیت نہیں کی. اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ مال تجارت کس کا حق ہے اور اس کی حفاظت کس کے ذمہ ہے. ربّ المال کے یا مضارب کے اور اگر وہ مال تجارت اتفاق سے ضائع ہوجائے تو نقصان کس کا سمجھا جائے گا اور آیا اس روپیہ کی بابت وارثان زید پر عمرو کو کس قسم کا جبر کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی العالمگیریۃ: (ص ۲۰۰ ج ۵) وان کانت المضاربۃ حین مات المضارب عروضًا او دنانیر (ای وکانت رأس المال دراھم) فأراد ربّ المال أن یبیعھا مرابحۃً ولم یکن لہٗ ذلک والّذی یلی بیعھا وصی المضارب فان لم یکن لہٗ وصی جعل القاضی لہٗ وصیًا یبیعھا فیوفی رب المال رأس مالہ وحصتہٗ من الربح ویعطی حصۃ المضارب من الربح غرماءہ وقال فی المضاربۃ الصغیرۃ یبیعھا وصی المیت وربّ المال وماذکرھنا اصح کذا فی المبسوط۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصح یہ ہے کہ وصیِ المضارب نہ ہونے کی صورت میں یا تو

قاضی اس کی جانب سے وصی مقرر کردے جو مال فروخت کرکے رأس المال اور نفع میں سے مضارب کو دے دے یا ربّ المال بدون مرابحہ اس مال کو فروخت کرکے سرمایہ وصول کرلے اور جو چیز اتفاقاً گم ہوگئی ہے اس کا ضمان واجب نہیں. اگر تعدی سے نقصان ہوا ہو تو تعدّی کرنے والے پر ضمان ہے. واللہ اعلم.

الجواب صحیح
ظفر احمد عفی عنہ

احقر عبد الکریم عفی عنہ
۱۹ ربیع الثانی ۴۴ھ

مضاربت میں کل نقصان ربّ المال کے ذمّہ ہوگا مضارب کے ذمّہ کچھ نہیں

سوال: زید نے بکر کو روپیہ دیا. بکر کام کرنے والا ہے اور زید صرف روپیہ دینے والا ہے اور ان دونوں میں منافع میں یہ شرط قرار پائی ہے. زید ایک حصّہ منافع لے اور بکر دو حصّے اور اسی طرح نقصان میں بھی زید ایک حصّہ نقصان اٹھائے اور بکر دو حصّے. کیا یہ طریق معاملہ شرعاً درست ہے اس کا منافع سود ہوگا یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں عقد مضاربت صحیح ہے لیکن کل نقصان فقط روپیہ والے کے ذمّہ ہوگا. (مضارب) کام کرنے والے کے ذمّہ اس میں سے کچھ نہ ہوگا۔

کما فی الدّر: فی الجلالیۃ کل شرط یوجب جہالۃ فی الربح او یقطع الشرکۃ فیہ یُفسدھا والّا بطل الشرط وصحّ العقد اعتباراً بالوکالۃ وفی رد المحتار (قولہ بطل الشرط) کشرط الخسران علی المضارب (ج ۴/ ۴۲۷) واللہ اعلم.

صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۴ ذی الحجہ ۴۴ھ

احقر عبد الکریم عفی عنہ
۴ ذوالحجہ ۴۴ھ

شریک کو بوجہ زیادتِ عمل کے منافع کے علاوہ تنخواہ دینے کا حکم

سوال: دوکان لمیٹڈ ہوجانے کی حالت میں شرکاء دوکان میں سے جو شریک دوکان میں کام کرتے ہیں کوئی مینجر (منتظم) ہوتا ہے اور کسی کے متعلق دوکان کا دوسرا کام ہوتا ہے تو ان کام

کرنے والے شریکوں میں سے ہر شریک کو مینجری وغیرہ کی اس کے کام کے لائق علیحدہ تنخواہ ہے اور جو شریک کام نہیں کرتا اس کو تنخواہ نہیں ملتی بلکہ صرف نفع پانے کا حقدار ہوتا ہے پس ارشاد ہو کہ کام کرنے والے شرکاء کو اس طرح تنخواہ دینا جائز ہے کہ نہیں ؟ .
بینوا توجروا

الجواب

شریک کا اجیر ہونا درست نہیں بلکہ صورت جواز یہ ہے کہ جو شریک مینجر ہو اس کا حصہ منافع میں زیادہ کر دیا جائے مثلاً جو شریک مینجر نہیں ان کا حصہ روپے میں دو آنہ ہے تو مینجر کا حصہ روپیہ میں چار آنہ کر دیا جائے لیکن یہ جائز نہیں کہ اس کی تنخواہ مقرر کی جائے . واللہ اعلم .

الجواب صحیح
اشرف علی عفی عنہ
۲۲ محرم ۱۳۴۷ھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون ۲۰ محرم الحرام ۴۷ھ

شرکت ختم کرنے پر ایک شریک کو نقد لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا

سوال (۱) زید و عمر دو شخصوں نے مل کر برابر کے ساجھے سے برتنوں کی دوکان کھول رکھی ہے . ابتداً شرکت میں زید کے پاس تو برتن تھے اور عمر نے نقد روپیہ لگایا عمر چونکہ تجارت کے کام سے ناواقف تھا اور زید واقف کار . اس لئے دوکانداری کا سارا کام اور نفع و نقصان وغیرہ اب تک زید ہی کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے . تجارت مذکورہ میں چونکہ آمدنی کی نہایت قلت اور خرچ کی نسبتاً زیادتی کی وجہ سے اصل پونجی میں بھی ایک بڑی رقم گھٹ چکی ہے اور ایسی صورتیں نظر آ رہی ہیں جن سے اندیشہ ہے آگے چل کر مزید نقصان پر منتج ہوں گی . اس لئے عمر اب چاہتا ہے کہ زید سے شرکت منقطع کر لے . زید نے قطع شرکت کی یہ صورت تجویز کی ہے کہ عمر کے حصے کی جو کچھ مالیت نکلے اس کا نقد روپیہ ادا کرنے کا وعدہ زید عمر کو تحریر کر دے لیکن عمر چاہتا ہے کہ بجائے نقد رقم کا وعدہ لینے کے اپنے حصہ کا مال ظروف دوکان سے لے کر علیحدہ ہو جائے تو شرعاً عمر کو اپنی خواہش کے مطابق اس صورت پر عمل پیرا ہونے کا حق ہے یا نہیں ؟

(۲) ابتداء شرکت میں زید کے پاس جو برتن تھے ان میں کچھ ایسے نکلے کہ وہ فروخت

ہونے میں نہیں آتے اور اگر فروخت ہو بھی سکیں تو اصل قیمت سے بھی نہایت کم قیمت اٹھے گی عمرو چونکہ ابتداءِ شرکت کے وقت محض ناواقف تھا۔ اس لئے ان برتنوں پر کچھ اعتراض نہ کیا اور بعد میں ان برتنوں کا نقص معلوم ہونے پر دل ہی دل میں گھٹتا رہا لیکن اب قطع شرکت کے لئے ظروف کی تقسیم ہوئی تو کہا ان نہ فروخت ہونے والے برتنوں کو بھی باہم تقسیم کرنا پڑے گا یا وہ زید ہی کو اپنے حصّے میں لگا لینا چاہیئے ؟

(۳) زید نے خریداری ظروف کی فرمائشیں حاصل کرنے کے لئے پردیسیوں کو سفر کیا وہاں سے کچھ فرمائشیں ملی جن میں صرف اتنا نفع ہوا کہ سفر کا خرچ نکل آئے گا لیکن اس نفع کے حصول میں ابھی دیر ہے اور عمرو شرکت قطع کرنا چاہتا ہے اس لئے زید کہتا ہے کہ سفر مذکورہ میں جو خرچہ ہوا ہے وہ میں اپنے ذمّہ لے لیتا ہوں تاکہ عمرو کو اس خرچ سے اور جو نفع فرمائشوں سے حاصل ہونے والا ہے اس سے کچھ واسطہ نہ رہے جس کی وجہ سے اُسے حصول نفع کا انتظار کرنا پڑے اور شرکت قطع ہونے میں یہ کسر باقی رہے تو کیا یہ صورت شرعاً درست ہے ؟

الجواب

(۱) شرکت کے بعد دوکان کا مال دونوں شریکوں میں مشترک ہو گیا ہے اس لئے ایک شریک کو نقد لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ خوشی سے اسے منظور نہ کرے۔

(۲) یہ ناقص برتن بھی مشترک ہیں اس لئے ہر شریک کے حصّے میں یہ بھی لگائے جائیں گے اور عمرو کا ناواقف ہونا عذرِ معتبر نہیں جبکہ اس نے بعد واقف ہونے کے ان پر اعتراض نہیں کیا اور ان برتنوں کے ساتھ شرکت کو باقی رکھا۔

(۳) شریکین کی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے اگر عمرو اس پر راضی نہ ہو ان فرمائشوں کا منافع بھی مشترک تقسیم کر لیا جائے اور سفر خرچ بھی مشترک سرمایہ سے وصول کر لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون
۲۲ محرم ۴۷ھ

بیٹے کا مجنون والد کی دوکان میں تجارت کرنا نیز مجنون کے مال میں تصرّف کا حکم

سوال : عرض حال یہ ہے کہ والد صاحب کی طبیعت پہلے سے ازحد خراب ہوگئی ہے . نماز وغیرہ کی بالکل خبر نہیں رہتی دوا مشکل سے پیتے ہیں، کھانا بھی بہت ہی کم کھاتے ہیں دعا کی ضرورت ہے .

اب عرض یہ ہے کہ والد صاحب کے مال میں سے ہم لوگ خرچ کس طرح اٹھائیں . مال ان کا علیحدہ علیحدہ کرلیں یا ایک ہی جگہ رہے اور جس طرح اٹھتا رہا ہے اسی طرح اٹھتا رہے . نیز بیٹے کو ان کی دوکان میں تجارت جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

زوجہ کا نفقہ تو ان کے ذمّہ ـــــ شرعًا واجب ہے لہٰذا زوجہ اپنا نفقہ بطریق معروف جس طرح ان کی صحت حواس میں ان کی رضاء سے لیا کرتی تھیں لے سکتی ہیں اسی طرح نابالغ بچوں اور بالغ نا کتخدا لڑکیوں کا نفقہ بھی ان کے ذمّہ واجب ہے . وہ بھی بطریق معروف ان کے مال سے لیا جاسکتا ہے ہاں بالغ لڑکوں کا ان کے ذمّہ واجب نہیں جبکہ وہ اپاہج ومعذور نہ ہوں پس بالغ لڑکے جو کمانے کھانے کی قدرت رکھتے ہیں ان کو جائز نہیں کہ ان کے مال میں سے بعد جنون کے کچھ بھی لیں کیونکہ جنون کے بعد اہلیت اذن قوت ہوگئی اور جملہ معاملات سابقہ کالعدم ہوگئے . رہا یہ کہ بیٹے کو ان کی دوکان کے مال میں تجارت بھی جائز ہے یا نہیں ؟ اس میں تفصیل ہے :

قال فی الدّر وتبطل الشرکۃ ای شرکۃ العقد بموت احدھما إلی ان قال و بجنونہ مطلقًا۔ فالربح بعد ذالك للعامل لکنہ تتصدق بربح مال المجنون اھ .

قال الشامی : فالشرکۃ قائمۃ إلی أن یتمّ إطباق الجنون فتنفسخ فماذا عمل بعد ذالك فالربح کلّہٗ للعامل والوضیعۃ علیہ وھو کالغصب لمال الجنون فیطیب لہٗ ربح مالہٖ لا ما ربح من مال المجنون فیتصدّق بہ بحر عن التاتارخانیہ قال وظاھرہٗ أنہ لا یحکم بالفسخ الا باطباق الجنون وھو مقدرٌ بشھر أو بنصف حول علی الخلاف ص ۳۴۵ ج ۳ .

وفی الدّر ایضاً وتنفسخ (الاجارہ ۱۲) بلاحاجة الی الفسخ (بموت أحد عاقدین) عندنا لا بجنونه مطبقاً (عقدها لنفسه) لا لضرورة کموته فی طریق مکة ولا حاکم فی الطریق فتبقی الی مکة فیرفع الامر إلی القاضی لیفعل الأصلح فیؤجرها له او امینا او یبیعها بالقیمة لیدفع له اجرة الایاب إن برهن علی دفعها وتقبل البینة هنا بلا خصم لانه یرید الأخذ من ثمن ما فی یده اشباه اھ

قال الشامی: لأن الاجارة کما تنتقض بالاعذار تبقی فلیحفظ وقال ایضاً تحت قوله لا بجنونه مطبقاً قال فی الدّر المنتقی ولا بردته الّا أن یلحق بدارهم ویقضی به فان عاد مسلماً فی المدّة عادت الإجارة الخ۔ ص ۷۸، ۷۹ ج ۵ کتاب الاجارة۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ بیٹا اگر اس دوکان میں شریک ہے کہ کچھ مال اس کا ہے اور کچھ مجنون کا ہے تو جنون کامل کے بعد شرکت فسخ ہوگئی اس کے بعد بھی اگر وہ تجارت کرتا رہے تو کل نفع اس کی ملک ہوگا لیکن اپنے حصّے کا نفع تو اس کو حلال ہے اور مجنون کے حصّہ کا نفع حلال نہیں بلکہ اس کو تصدق کردے (اور بہتر یہ ہے کہ مجنون کے دوسرے ورثاء کو دے دے ۱۲) اور نقصان اگر ہوا تو وہ سب اُسی پر ہوگا۔ مجنون پر خسارہ کا کوئی جزء نہ ہوگا اور اگر لڑکا شریک نہیں بلکہ اجیر ہے تو جنون سے اجارہ فسخ نہیں ہوا جتنی مدت کے لئے عقدِ اجارہ ہوا ہوا اس مدّت تک عقد اجارہ باقی ہے۔ یہ شخص دوکان میں کام کرتا رہے اور تنخواہ لیتا رہے۔ مدّت اجارہ ختم ہوجانے کے بعد عقدِ اجارہ ختم ہوجائے گا۔ اس کے بعد اگر لڑکے نے دوکان میں تجارت کی تو اس کا وہی حکم ہے جو شرکت کا اوپر گذر چکا کہ کل نفع اس کی ملک ہوگا اور خسارہ بھی اسی پر ہوگا مگر یہ نفع طیب نہ ہوگا بلکہ اس کا تصدّق واجب ہوگا اور بہتر یہ ہے کہ کل نفع کو ورثاء مجنون پر تقسیم کردے واللہ اعلم

(تنبیہ) اگر مجنون کے پاس نقد رقم جمع نہیں جو اس کی بیوی اور نابالغ لڑکوں اور ناکتخدا لڑکیوں کو کافی ہوسکے بلکہ ان کے نفقہ کے لئے دوکان چلانا ضروری ہو تو اس صورت میں بیوی کو چاہیئے کہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ مجھ کو مجنوں کی دوکان

کے چلانے کی اجازت دی جائے تاکہ نفقہ حاصل ہو سکے پھر اس کے بعد بالغ لڑکے کو دوکان چلانے پر مقرر کیا جائے اور اس کی اجرت عمل ماہوار مقرر کی جائے یا نفع میں حصہ مقرر کیا جائے باقی جب تک مجنون زندہ ہے اس وقت تک اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور اگر حکومت سے اجازت حاصل کرنے میں دشواری ہو اور اس کی برادری میں بااثر نیک پنچایت ہو تو پنچایت کی اجازت بھی مثل حکومت کی اجازت کے کافی ہے۔

فإن الغرض منه حفظ مال المجنون والتوقی عن التهمة الغصب وهذا یتاتی بکلا الوجهین . والله تعالیٰ اعلم .

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ صفر ۴۷ھ

محض زبانی شرکت کے بعد اگر مشترکہ مال ہلاک ہو جائے تو شریک پر کوئی ضمان نہیں آئے گا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ محمد صدیق، جلال خان، نصیر الدین مظفر نگر سے عازم سفر حج ہوئے روغن زاد حسب ذیل ہمراہ لیا. محمد صدیق، نصیر الدین مظفر نگر میں یہ بات طے ہو گئی تھی کہ جلال خان نصف گھی محمد صدیق سے لیں گے. بمبئی پہنچ کر محمد صدیق کے گھی پر بہر محصول ریل کا اضافہ ہو گیا. جلال خاں نے گھی لینے اور صرفہ دینے سے انکار کیا. اب نصیر الدین اور محمد صدیق جہاز پر سوار ہونے کے بعد گھی میں جو نصیر الدین کے پاس تھا شریک ہو گئے۔ اور بمبئی سے تا عرب روانگی اور واپسی میں دونوں نے یہ گھی کھایا. جدہ پہنچ کر چونکہ کنستر محمد صدیق کا بند تھا. اس کو اصرار کے ساتھ موٹر میں رکھ لیا اور نصیر الدین کا گھی بذریعہ شتر مکہ مکرمہ پہنچا. مکہ مکرمہ پہنچ کر موٹر ڈرائیور سے گھی کے کنستر کا مطالبہ کیا اس نے لاعلمی ظاہر کی جس کا استغاثہ حکومت میں ہوا اور حکومت نے موٹر والے سے حلف لے کر دعویٰ خارج کیا. اب مکہ مکرمہ میں محمد صدیق اپنے گم شدہ گھی کے کنستر کے نصف قیمت کا مطالبہ نصیر الدین سے کرتے ہیں اور نصیر الدین اپنے گھی کی نصف قیمت کا مطالبہ محمد صدیق سے کرتے ہیں. دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا گم شدہ گھی کا مطالبہ محمد صدیق کو نصیر الدین سے کرنا صحیح ہے یا نہیں اور صرف شدہ گھی کا مطالبہ نصیر الدین کو محمد صدیق سے کرنا صحیح ہے یا نہیں ؟

تنقیح

جلال خان کے انکار کے بعد نصیر الدین اور محمد صدیق کی جو شرکت محمد صدیق کے کنستر میں ہوئی وہ کن الفاظ سے ہوئی ہے۔ آیا نصیر الدین نے یہ کہا تھا اس گھی کا نصف میں بعوض اتنی قیمت کے خریدتا ہوں اور محمد صدیق نے کہا میں بیچتا ہوں یا بیع و شرار کے الفاظ نہیں کہے گئے صرف یہی کہا گیا کہ میں شریک ہوتا ہوں اسی طرح محمد صدیق نصیر الدین کے گھی میں بیع و شرار کے الفاظ سے شریک ہوا یا صرف یہی کہا کہ میں تمہارے گھی میں شریک ہوں۔

جواب تنقیح

بیع و شراء کے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ مظفر نگر میں یہ کہا گیا تھا کہ نصیر الدین کا گھی خرچ ہونے کے بعد اسی قدر محمد صدیق کے کنستر سے لے لیا جائے گا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں اگر واقعہ اسی طرح ہے جو سوال و جواب تنقیح میں مذکور ہے تو اس صورت میں چونکہ نصیر الدین کا گھی شرکت کے بعد دونوں شریکوں کے تصرّف میں آچکا ہے اس لئے محمد صدیق کے ذمّہ نصیر الدین کے گھی کی نصف قیمت واجب الادا ہے اور محمد صدیق کے کنستر میں چونکہ محض لفظی شرکت ہوئی ہے اور محمد صدیق نے اس کا نصف نصیر الدین کو سپرد نہیں کیا نہ اس کے تصرف میں آیا اس لئے محمد صدیق کے گھی کی کچھ بھی قیمت نصیر الدین کے ذمّہ نہیں بلکہ وہ اس سے بری الذمّہ ہے۔

قال فی الھندیۃ: اشتری رجلٌ شیئًا فقال لہٗ رجلٌ آخر اشرکنی فیہ فأشرکہ فھذا بمنزلۃ البیع فان کان قبل قبض الّذی اشتری لم یصح ولو اشرکہ بعد القبض ولم یسلمہٗ الیہ حتی ھلک لم یلزمہ ثمن، ویعلم انہ لا بد من قبول الذی اشرکہ لان لفظا شرکتک صار ایجابًا للبیع ھکذا فی فتح القدیر ولو کان رجل فی بیتہٖ حنطۃ فاشرک رجلا فی نصفھا فلم یقبض احترق نصفھا فإن شاء المشترک اخذ نصف ما بقی وإن شاء ترک وکذا البیع اھ (ص ۸۷، ج ۳) قلت واما فی صورۃ المسئولۃ فعلی الصّدیق

نصف ثمن سمن نصیر الدین ولو کان لم یقل اشرکتک لوجود الشرکۃ عملاً واکل الصدیق سمنہٗ فعلیہ ضمان ما أکل یکون نصیر الدین لم یرض بأکلہ من سمنہ الّا بالعوض فلم یکن متبرّعا فغایۃ ان تکون الشرکۃ فاسدۃ وحکمہ مابیّنّاہٗ فاعلم ذلک واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ ربیع ۲ سنہ ۴۷ھ

شرکت سے علیحدگی کے وقت شریک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنانے کی ایک صورت

سوال: بندہ ایک شخص کے ساتھ دوکانداری کرتا ہے۔ اب اس سے علیحدہ ہونے کا ارادہ ہے۔ اسامیوں کی طرف جو روپیہ تقاضا میں ہے وہ حصّہ رسدی تقسیم کر کے اپنے اپنے ذمہ لے لینا بہت دشوار ہے کیونکہ شریک حصّہ دوکان میں ۱۱ر اور میرا ۵ر ہے۔ میرا شریک یہیں کا باشندہ ہے اور میں یہاں وصول رقم کے لئے قیام نہیں کر سکتا۔ اگر یہ میں شریک کو یہ کہوں کہ میرے حصّے کا تقاضا تم ہی اپنے ذمّہ لے لو نرم گرم اسامیوں کے نقصان کے بدلے اس کو چار پانچ سو روپے پیٹہ دے دیا جائے اور اپنی باقی ماندہ روپیہ کی اس سے ہنڈیاں لکھالی جائیں تو یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے۔

الجواب

پیٹہ اور سود کی صورت تو حرام ہے۔ جائز صورت یہ ہے کہ شریک سے جتنی رقم وہ دے سکتا ہے قرض لے لی جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ میں تم کو اپنے تمام قرض کے وصول کرنے کا وکیل بناتا ہوں۔ اوّل اس سے اپنا قرض وصول کر لو اس کے بعد جو فاضل رہے اس کو بھی وصول کر کے اپنے قبضہ میں رکھو وہ میں نے تم کو بعد وصول کے ہبہ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۴ صفر سنہ ۴۸ھ

شیر دار گائے میں شراکت کی ایک صورت

سوال: ہم ایک شیر دار گائے میں دو شریک ہیں ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اس بچھڑے کی باری سالم مجھے دیجئے کہ صرف میں ہی دودھ پیوں اور جب دوسرے کی باری آئے گی تو دودھ صرف تیرا

ہی ہوگا. دوسرا کہتا ہے کہ ہر وقت دودھ کو نصفا نصف یا صبح کا تو اور شام کا میں یا ایک فریق کو حصّہ کے موافق روپیہ دے کر گائے کا فیصلہ ہونا چاہیئے. اس میں کون سی صورت جائز اور کون سی ناجائز ہے؟

الجواب

یہ صورت کہ اس بچھڑے کا دودھ سالم ایک پیئے دوسرے کا دوسرا جائز نہیں جائز صورت یہ ہے کہ ہر وقت کا دودھ تقسیم کر لیا جائے اور صبح و شام کی تقسیم کی جائے تو ہر شخص کو دودھ کا حساب رکھنا ضروری ہوگا جس نے زیادہ دودھ لیا ہے وہ زیادت کو دوسرے شریک پر تقسیم کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک شخص اپنا حصّہ دوسرے کے ہاتھ بیچ کر الگ ہو جائے مگر کوئی دوسرے کو بیع پر مجبور نہیں کر سکتا. یہ محض ہر شریک کی خوشی پر ہے. اگر بیع پر کوئی راضی نہیں ہوا تو بس ہر وقت کا دودھ تقسیم کر لیا کریں. (کذا فی الہدایۃ) واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۸ رمضان المبارک ۴۸ھ

مشترکہ زمین کو دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر مزارعت پر دینے کا حکم

سوال: ایک علاقہ میں رواج ہے کہ مزارع کو زراعت کے لئے زمین دی جاتی ہے. نصف یا ثلث یا ربع غلہ زمین پر مالک زمین کے اگرچہ شرکاء کثیر ہوں. زمین کی جو آمدنی ہے اس کا نصف مزارع کا ہوگا اور نصف مالکین کا ہوگا. اب اسی بناء پر زید مالک زمین نے عمرو مزارع کو کوئی بیس بیگہ زمین زراعت کے لئے دی ہے کہ نصف آمدنی زید کی اور نصف عمرو کی ہوگی. لیکن واقع میں اس رقبہ زمین میں زید کی دو ہمشیرہ بھی بوجہ وراثت کے حصہ دار ہیں لیکن رواج کی رو سے ان کو مستحق نہیں سمجھا جاتا. نصف آمدنی عمرو مزارع لیتا ہے اور نصف زید لیتا ہے. اب اگر زید اپنی ہمشیرہ کو حصّہ دیتا ہے جب بھی عمرو تو آمدنی کا نصف ہی لیتا ہے اور زید ربع لیتا ہے. غرض اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا عمرو جو نصف لیتا ہے اس میں غیر کا حق مخلوط ہے یا نہیں. اگر غیر کا حق حصّہ عمرو میں مخلوط ہے تو وہ کیونکر مخلوط ہو سکتا ہے حالانکہ اگر زید اپنی دونوں ہمشیراؤں کو شرع کے موافق رقبہ زمین سے حصّہ دیتا اور زمین میں شریک کر لیتا اور پھر کل زمین عمرو کو زراعت کے لئے دی جاتی جب بھی تو عمرو کو یہی نصف

آمدنی کا ہوتا جو عدم تشریک کی حالت میں آرہا ہے۔ اور زید کو ربع آتا۔ تشریک کی حالت میں کیونکہ ربع اپنی دونوں ہمشیراؤں کو دینا پڑتا۔ غرض یہ کہ صورت مذکورہ میں عمرو کا حق غیر میں بلا اجازت ورضا تصرف ہے یا نہیں؟ اور جو زید کو حصّہ آمدنی کا آیا وہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اقول وباللہ التوفیق: قال فی الحامدیۃ غاب أحد شریکی الدار فاراد الحاضر ان یسکنها رجلاً ویؤجرها رجلاً لا ینبغی ان یفعل ذالک دیانۃً اذ التصرف فی ملک الغیر حرام ولا یمنع قضاءً إذ الإنسان لا یمنع من التصرف فیما بیدہٖ لو لم ینازعہٗ احد فلو آجر وأخذ الأجر یردّ علی شریک قدر نصیبہٖ لو قدر والّا یتصدّق لتمکن الخبث فی حق شریکہ فکان کغاصب آجر یتصدق بالأجر او یردہٗ علی المالک وامّا نصیبہٗ فیطیب لہ اھ (ص ۹۰ ج ۱) وأجاب عمّا إذا باع الشرکاء حصّتهم من الثمرۃ الّا واحدًا منهم عنادًا والمشتری لا یرضی الّا بشراء الجمیع وکذا إذا آجروا الا واحدًا منهم بقولہٖ لا یجبر ان یبیع مع الشرکاء بل یبغون حصّتهم فقط إذا اتحد الثمرۃ وتقسم وکذالک فی الدار لا یجبر علی الاجارۃ بل یؤجر شرکاءہ حصصهم والمستاجرون یهائیون الممتنع فی اسکنی بقدر انصابهم (ص ۹۱ ج ۱)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے جو نصف غلّہ طے پایا ہے اس میں سے بقدر اس کے حصّہ کے جائز ہے اور بقیہ دوسرے ورثاء کو دینا واجب ہے اور مستاجر یعنی عمرو کے لئے جو نصف قرار پایا ہے وہ اس کو لینا جائز ہے اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمین میں ایک کے سوا کوئی اور شریک بھی ہے یا شرکت کا علم ہے لیکن دوسرے شرکاء کے إذن کا علم نہیں اور اگر دوسرے شرکاء کا عدمِ اذن معلوم ہے تو عمرو کے لئے اس زمین میں کاشت کرنا بقدرِ حصّہ زید کے حلال ہے اور دیگر شرکاء کے حصّہ میں کاشت اس کو حلال نہیں ہے پھر زید

کے حصّہ میں اس زمین کے جتنے سہام ہوں اس میں تو عقد درست ہے اور دیگر ورثاء کے حصّوں میں درست نہیں بلکہ ان کی زمین میں جو اس نے کاشت کی ہے اس میں سے بقدر تخم و اُجرت مثل کے حلال ہے۔ زائد حلال نہیں بلکہ اس کا تصدق واجب ہے البتہ اگر عمرو زید کو اس زمین کی پیداوار کا نصف کامل نہ دے بلکہ نصف میں سے بقدر اس کے حصّہ کے دے اور باقی دیگر ورثار کے پاس پہنچادے اور وہ اس پر راضی ہوں تو دوسرا نصف جو عمرو کے لئے طے ہوا ہے پورا عمرو کے لئے حلال ہے جس کا تصدق واجب نہیں۔

قال فی الحامدیة : اذا زرع ارض غیره بلا أمره لا یکون غصبًا بل یحل علی المزارعة وحصة ربّ الأرض علی ما جری علیه عرف القریة من ثلث او ربع والقول الثانی جواب الکتاب أنه یکون غاصبًا والزرع کلّه له لکن یتصدّق لما فضل عن بذره وأجر مثله والقول الثالث أنه یکون مزارعة إذا کان صاحبها اعدها للإستغلال بأن کان یدفعها مزارعة بغیره ولا یزرعها بنفسه اھ (ص ۵۸ ا ج ۲)

قلت واذا علم عدم رضاء الشرکاء وعدم اذنهم فالظاهر کونه غاصبًا لا مزارعًا والله اعلم۔

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۳ ذی القعدہ ۴۵ھ

شرکتِ عنان میں عامل کے لئے اس کے حصّے سے زیادہ نقصان کی شرط لگانے کا حکم

سوال : پانچ آدمیوں نے مشترکہ چھ ہزار روپے کے سرمایہ سے (جس میں میری بیوی کا پانچ سو روپیہ شامل ہے) ایک تجارتی دوکان بنام عبدالحکیم محمد سلیمان جاری کی ہے اس میں یہ شرطیں قرار پائیں۔

(۱) چھ شرکاء میں سے عبدالحکیم، عبدالرّحیم، محمد سلیمان دوکان کا تمام کاروبار کریں گے۔

(۲) بکھڑے کی نشست یعنی تمام داد و ستند کا کلی اختیار حقیقةً عبدالحکیم کے ہاتھ میں ہوگا۔ باقی دونوں شخص اس کے احکام کی پیروی کرتے رہیں گے۔ روپے

کی تحویل بھی عبدالحکیم کے سپرد رہے گی۔

(۳) میعاد شرکت تین سال قرار دی گئی ہے۔ اس کے بعد علیحدہ ہونے کا اختیار ہوگا۔ میعاد مذکورہ کے درمیان اگر کوئی علیحدہ ہونا چاہے اور سب شرکاء منظور بھی کرلیں تو اس کے روپے کی ادائیگی متفقہ اقساط کی قرارداد پر ہوگی۔

(۴) شرکاء یا کارکنوں میں نزاعی اختلاف ہونے پر احقر کاتب الحروف کا فیصلہ واجب التسلیم ہوگا

(۵) نفع نقصان ½ حصّہ اصل رقم چھ ہزار روپیہ کا اور ½ تینوں مذکورہ اشخاص کا ہوگا۔ یعنی اگر نفع ہوگا تو حاصل شدہ کے نصف حصّہ کے تینوں کارندے مستحق ہوں گے اور باقی نصف حصّہ اصل رقم چھ ہزار پر تقسیم ہوگا جس کو ہر ایک شریک اپنی مقدار رقم کے موافق پانے کا مستحق ہوگا۔ مثلاً جس کے پندرہ سو ہیں وہ پندرہ سو کے جو دو ہزار والا ہے وہ دو ہزار کا میری بیوی صرف پانچ سو کے پانچ سیکڑہ کی مستحق ہوگی اور اگر خدانخواستہ گھاٹا ہوجائے وہ بھی بطریق مذکور آدھا تینوں کارندے بھگتیں گے اور آدھا اصل رقم چھ ہزار پر پڑے گا۔ خلاصہ یہ کہ نفع ہونے پر تینوں آدھا نفع لیں گے تو گھاٹے کی صورت میں گھاٹا بھی آدھا دیں گے اور علاوہ اس کے اپنے اپنے حصّہ کی رقم کا نفع نقصان بھی ان کے حصّہ میں آوے گا۔

مرقومہ بالا تفصیل کے بعد مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کی ضرورت ہے۔

(۱) کیا یہ معاملہ مضاربت قرار پائے گا یا شرکت۔

(۲) مضاربت ہوئی تو تینوں کارندے گھاٹا ہونے کی صورت میں اپنے مقررہ حصّے کا گھاٹا بھگتنے کے مستحق ہوں گے یا کل گھاٹا رقم کے ذمّہ پڑے گا اور وہ اجر مثل پانے کے حقدار ہوں گے اور مضاربت صحیحہ ہوئی یا فاسدہ مکروہہ یا غیر مکروہہ۔

(۳) شرکت ہو تو فاسدہ ہوئی یا صحیحہ مکروہہ ہوئی یا غیر مکروہہ فاسدہ ہو تو پھر وہ کارندہ کس چیز کے مستحق ہوں گے گھاٹا بھگتنے کے یا اجرت مثل پانے کے۔

(۴) کچھ لین دین کی مجبوریاں ایسی ہیں کہ بیاج دینے سے دوکان بچ نہیں سکتی اگرچہ اب سودی روپیہ لانے کی ضرورت ہوئی تو میں نے اپنے حصّہ کا روپے دے کر کہا کہ باقی رُپیہ کا سود سب شرکاء اپنے پاس سے ادا کریں۔ انہوں نے منظور کرلیا مگر پھر بھی

بسا اوقات دوکان کو بیاج دینا ہی پڑتا ہے جو سال کے ختم پر بصیغۂ اخراجات ظاہر کیا جاتا ہے اس کے منہا کرنے کے بعد منافع قرار پایا جاتا ہے تو کیا میری بیوی اور میں چونکہ درمیانی واسطہ ہوں دوکان کے اس بیاج دینے سے دونوں گنہگار ہوتے ہیں. بوقت شرکت روپیہ کی اتنی کمیت قرار دی تھی کہ مجھ کو بیاج دینے کا وہم وخیال بھی نہ ہوا۔ بینوا توجروا۔

تنقیح

السلام علیکم. میرا جو طرز ہے جواب دینے میں وہ مقتضی ہے کہ جواب سے قبل بعض سوال کروں. اگر ان سوالوں کا جواب دینا خلافِ مصلحت ہو تو استفتاء دوسری جگہ بھیج دیا جائے۔

ع۱ : عقد کے جواز یا عدم جواز کو اس کے انعقاد کے قبل کیوں نہیں دریافت کیا گیا۔

ع۲ : اب کیا اختلاف باہمی ہوا جس کے فیصلہ کرنے کے لئے استفتاء کی ضرورت ہوئی اہل اختلاف میں سے ہر ایک کا قول کیا ہے۔

ع۳ : کیا اس فیصلہ کو سب مانیں گے؟

جواب تنقیح

نحمدہٗ ونصلی۔ عالیجاہ. سلام مسنون کے بعد عرض ہے

(۱) انعقاد شرکت کچھ ایسی جلدی میں ہوا کہ نہ کتابیں دیکھ سکا نہ حضور سے استفتاء کر سکا. ہاں اپنی بیوی کی طرف سے اپنی شرط منوائی تھی شریعت کے خلاف ہوگی تو شریعت کے موافق کرنی لازمی ہوگی ورنہ میں علیحدہ ہو جاؤں گا. بہرحال سخت غلطی ہوئی۔

(۲) باہمی کوئی اختلاف نہیں، جو گھاٹا ہوا تھا مذکورہ شرائط کے بموجب سب نے تسلیم کر لیا. انہی شرائط پہ دوکان چلائی جا رہی ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری بیوی خلاف شرع شرکت کے گناہ میں تو مبتلا نہیں۔

(۳) جبکہ شرائط میں یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ میرا فیصلہ ناطق سمجھا جاوے گا اور آنجناب کا فیصلہ شرعی مجھے واجب التسلیم ہے تو باقی شرکاء اوّل تو ایسے نہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے چوں وچرا کریں. ثانیاً یہ کہ میرا فیصلہ ناطقیت والی شرط پہ واجب التسلیم ہوگا۔

الجواب

یہ صورت شرکت عنان ہے جس میں تساوی مال شرکا ضروری نہیں اور تفاضل فی الربح بھی جائز ہے جبکہ زیادت ربح کی شرط عامل کے لئے ہو۔ تساوی اموال کی صورت میں یا اس شخص کے لئے ہو جس کی رقم زیادہ ہے مگر اس میں تفاضل فی الوضیعہ کی شرط صحیح نہیں یعنی کسی پر نقصان زیادہ نہیں ڈالا جاسکتا بلکہ نقصان ہر شریک پر اسی نسبت سے عائد ہوگا جو اس کے رأس المال کی نسبت ہے۔

قال فی الدّر: وتصح مع التفاضل فی المال دون الربح وعکسہ اھ قال الشامی قید بالربح لأن الوضیعۃ علی قدر المال۔ وإن شرطا غیر ذالک کما فی الملتقی وغیرہ (ج ۳ ص ۵۲۸)

اور شرکت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی بلکہ شرط فاسد ہی خود باطل ہو جاتی ہے۔ صرح بہ الدّر والشامیۃ (ج ۳/۵۳۱)

پس صورت مذکورہ میں شرکت فاسد نہیں ہوئی البتہ یہ شرط خلاف شرع ہے۔ کہ عاملین کو جس طرح نفع زیادہ دیا جاتا ہے نقصان بھی زیادہ دیا جائے لہٰذا اس شرط کو بدلا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے بلکہ نقصان ہر شخص پر اس کے رأس المال کی نسبت سے ڈالا جائے۔

قال الشامی (قولہ مع التفاضل فی المال دون الربح) ای بأن یکون لأحدھما ألف ولآخر الفان مثلاً والشرط التساوی فی الربح وقولہ وعکسہ ای بالمالین ویتفاضلان فی الربح لکن ھذا مقید بأن یشترطا الاکثر للعامل منھما أولاً اکثرھما عملاً امّا لو شرطاہ للقاعد أو لأقلھما عملاً فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی والکمال قلت والظاھر أن ھذا محمول علی ما اذا کان العمل مشروطاً علی احدھما اھ (ج ۳/۵۴۷)

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ کذالک فانھما اشترطوا العمل علی الثلاثۃ۔

جواب سوال چہارم: سود دینا سخت مجبوری کی حالت میں جائز ہے اور سخت مجبوری وہ ہے جس کے اندر ضرر شدید ناقابل برداشت لاحق ہیں. اب اس کو خود دیکھ لیا جائے. کہ ایسی مجبوری ہوتی ہے یا نہیں. فقط واللہ اعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ اشرفیہ ۲۲ ذی الحجہ ۴۵ھ

غیر منقسم ترکہ میں تصرف کرنے کا حکم

سوال: گزارش ہے کہ میری عبارت سابقہ حسب مقصود کافی نہیں تھی لہٰذا دوبارہ تکلیف دینا چاہتا ہوں ابھی تعین سے عرض گذار ہوں کہ نیازمند بلا تقسیم کچھ روپیہ لے کر چلا ہے. اس میں سے کچھ باقی ہے. اور دوسرے ورثاء بھی محتاط طور پر صرف کر چکے ہیں. آیا میں قبل حساب ان کو اس عزم سے صرف کر لوں کہ بعد حساب جو میرے ذمہ نکلے گا ادا کروں گا یا قبل حساب صرف ہی کرنا جائز نہیں.

الجواب

فی البحر الرائق: ص ۱۶۷ ج ۵: وفی الکیلی والوزنی لہٗ أن یعزل حصّتہٗ بغیبۃ شریکہ وینتفع بھا ولا شئ علیہ إن سلم الباقی فإن ھلک قبل التسلیم إلی شریکہ ھلک علیھما وتمامہ فی جامع الفصولین فی حاشیۃ منحۃ الخالق عن جامع الفصولین ایضًا ارض او کرم بین حاضر وغائب او بین بالغ ویتیم فالحاضر او البالغ یرفع الأمر الی القاضی ولو لم یرفع ففی الارض یزرع بحصتیہ ویطیب لہٗ ذالک ویقوم علی الکرم فیبیع ثمرہ ویأخذ حصّتہٗ ویوقف حصّۃ الغائب أو یبیع لہٗ ذالک وإذا قدم الغائب ضمنہٗ القیمۃ أو أجاز بیعہٗ فی مواضع أخر عن محمد رحمہٗ اللہ لو أخذ الشریک نصیبہٗ من الثمن واکلہ جاز، ویبیع نصیب الغائب ویحفظ ثمنہٗ فلو حضر صاحبہ یخیر کما مرّ ہ

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اشیاء متروکہ اور اس کے منافع میں بدون دوسرے

شریک کے ایک شریک اپنا حصّہ الگ کر سکتا ہے اس لئے اتنی گنجائش ہے کہ ان بالغوں کا حصّہ اس روپے میں سے الگ رکھ دیا ہے۔ بقیہ صرف کر لیں اور وطن جا کر ان کا حصّہ ان کو دے اور باوجود حفاظت کے یہ حصّہ جو الگ کیا جائے گا آپ کے پاس ہلاک ہو جاوے تو ہلاک شدہ میں سے ان کے حساب میں اتنا لگایا جائے گا۔ جتنا ہلاک شدہ میں ان کا حق از روئے سہام فرائض کے نکلتا ہے اور بقیہ آپ کو دینا پڑے گا۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ ۲۷ محرم ۴۵ھ

کتبہ الاحقر
عبد الکریم عفی عنہ

مضاربت میں نقصان کی ایک صورت کا حکم

سوال: بندہ ایک شخص کی شرکت میں کہ روپیہ اس کا اور محنت میری سوداگری کا کام کرتا ہے اور مبلغ پانچ سو روپیہ میں نے ان کے پاس اس لئے رکھ دیا تھا کہ میں نفع و نقصان میں شریک ہوں نہ معلوم سوداگری میں نقصان ہزار روپیہ کا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ نقصان میں بھی تم شریک ہو۔ اور منجملہ ان پانچ سو روپیہ کے جو میں نے ان کے پاس بخیال احتیاط رکھے تھے ان میں سے مبلغ دو سو روپیہ میں لے آیا تھا۔ اب وہ کہتے ہیں کہ تجارت میں نقصان ہوا اب تم وہ دو سو روپیہ واپس کرو حالانکہ فتوٰی دیوبند کا اس مضمون کا موجود ہے کہ نقصان روپیہ والے پر پڑتا ہے۔ محنت کرنے والے کی محنت رائیگاں ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نقصان کا روپیہ تم سے ضرور لیں گے اور میں چاہتا ہوں کہ روپیہ ادا کروں تاکہ کام درست رہے۔ اب میں یہ روپیہ نفع میں سے مجرا کر دوں یا گھر سے ادا کروں اس کی تدبیر فرما دیں اور اس سال مبلغ گیارہ سو روپیہ نفع ہوا اور میں نے ہزار روپیہ اپنا ظاہر کیا۔ اس کا نصف حصّہ پانچ سو روپیہ ان کو دیا اور ایک سو روپیہ یہ خیال کر کے کہ میرا پانچ سو روپیہ ہے جو ان کے پاس جمع تھا اس کا پتہ نہیں بلکہ دو سو روپیہ جو میں نے لیا تھا وہ بھی واپس طلب کرتے ہیں۔ آیا وہ سو روپیہ جائز رہا یا نہیں۔

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ فی الدر عن المجلالیہ کل شرط یوجب جہالۃ

فی الربح او یقطع الشرکۃ فی الربح یفسدھا والاّ بطل الشرط وصح العقد اعتباراً بالوکالۃ۔ وفی الشامی تحت (قولہ بطل الشرط) کشرط الحسران علی المضارب (ص ۴۲۷، ج ۵)

پس صورت مسئولہ میں نقصان فقط روپیہ والے کا ہوا اور کام کرنے والے کے ذمہ نقصان پورا کرنا نہیں ہے جیسا کہ دیوبند کے فتوے کا سوال میں حوالہ دیا ہے۔ باقی رہا دوسرا سوال اس کے متعلق سائل نے جو صورت اختیار کی ہے وہ جائز ہے۔ کیونکہ صاحبِ حق کو اپنا حق وصول کرنا جنس حق سے جس طرح ممکن ہو جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر

عبدالکریم از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ، ۵ ربیع الثانی ۴۵ھ

شرکت میں نقصان ہر شریک کے راس المال کے موافق ہوگا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مجید اور سعید نے باہم گفتگو کی کہ آؤ ہم تم دونوں روپیہ ملا کر بشرکت تجارت کریں۔ مجید نے کہا کہ ہم صرف ایک حصہ روپیہ لگا دیں گے اور تم تین حصہ روپیہ لگاؤ کیونکہ لکھنے پڑھنے خط وکتابت کا کام میرا ہی لڑکا کرے گا باقی کام ہم تم دونوں مل کر کریں گے۔ اس پر سعید نے کہا کہ نفع ونقصان کس کے ذمہ کتنا ہوگا۔ اس باہمی قرارداد کے بعد مجید نے ایک حصہ اور سعید نے تین حصہ روپیہ لگا کر کے بشراکت تجارت شروع کی جس میں ایک ہزار روپیہ کا نقصان ہوا۔ اب مجید کہتا ہے کہ ہم صرف پونے چار سو روپیہ نقصان دیں گے اور تم سوا چھ سو روپیہ نقصان دو کیونکہ ہمارے لڑکے نے لکھنے پڑھنے کا کام کیا۔ اس کا حق المحنۃ ہم کو ملنا چاہیئے۔ سعید نے جواب دیا کہ اسی وجہ سے تو تم نے اپنے عوض ہم سے دو حصہ روپیہ زیادہ لگوایا تھا۔ پھر معاوضہ اور حق المحنۃ کیا؟ اگر خلاف قرارداد یوں ہی کرتے ہو تو خیر اپنے لڑکے کا حق المحنۃ لو مگر ہمارے دو حصہ زائد روپیہ کا پھر ہم کو سود دو اس نزاع کا شرعی فیصلہ کیا ہے اور کس کو کتنا نقصان دینا چاہیئے؟ الجواب

فی العالمگیریہ (ص ۱۸۶ ج ۳) ولو شرطا العمل علیھما جمیعاً

صحت الشركة وان قل رأس المال احدهما وكثر رأس مال الآخر واشترطا الربح بينهما على السواء وعلى التفاضل فإن الربح بينهما على الشرط والوضيعة على قدر رؤس أموالهما كذا فى سراج الوهاج اھ

پس نقصان مجید اور سعید کے ذمہ ان کے رأس المال کے موافق پڑے گا۔ ان کی شرط نصفا نصف کی نقصان کے بارے میں صحیح نہیں. اگر نفع ہوتا تو اس کو نصفا نصف تقسیم کرتے لیکن اب ایک حصّہ نقصان مجید کے ذمّہ اور تین حصّہ سعید کے ذمّہ ہے۔

فقط کتبہ الاحقر

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ ج ۲ ۴۵ھ

عبد الکریم عفا عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۱ ج ۲ ۴۵ھ

شرکت میں عامل کے لئے زائد نفع کی شرط درست ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تین آدمیوں نے شریک ہوکر تجارت کی روپیہ برابر کا ہے لیکن جو شخص کام کرے گا اس کا حصّہ محنت کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہوگا وہ باقی حصہ داروں سے بوجہ جانی محنت کے زیادہ لے گا باقی دو شریک کوئی کام مشترکہ تجارت کا انجام نہیں دیتے صرف مال ہی سے شریک ہیں ان کو کم ملتا ہے اور جو جان و مال دونوں سے شریک ہے اس کو زیادہ تو یہ صورت جائز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں شرکت صحیح ہے اور نفع عامل کو شرط کے موافق دوسرے شرکاء سے زیادہ ملے گا. کما فی العالمگیریہ ص ۱۸۶ ج ۳ وان شرطا الربح للعامل اکثر من رأس ماله جاز على الشرط ويكون مال الدافع عند العامل مضاربة وهكذا فى الشامية ص ۵۲۷ ج ۳) لیکن اگر خدانخواستہ تجارت میں خسارہ ہو تو خسارہ میں سب شریک ہوں گے جس کو نفع زیادہ ملتا ہے اس پر خسارہ زیادہ نہ پڑے گا۔ صرّح فى العالمگيرية ونصّه والوضيعة ابدا على قدر رؤس اموالهما كذا فى سراج الوهاج اور نفع میں زیادتی کی شرط حصّوں کے اعتبار سے طے کرنا چاہیئے. اگر روپیہ متعین کردے کہ مثلاً سو روپیہ زائد عامل کو ملیں گے تو جائز نہیں

کماھو الظاھر فقط۔

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ ۲۷ شعبان ۴۵ھ

از خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ۲۷ شعبان ۴۵ھ

چند آدمیوں کا شریک ہو کر مشترکہ رقم مضاربت کے لئے دینا

سوال : کچھ وقتوں پر نظر کر کے یہ بات ذہن میں کئی مرتبہ آچکی ہے کہ بالفعل صرف ایک ہزار روپیہ دس مسلمانوں سے بوقت واحد مثلاً محرم کے مہینے میں لے کر اس روپیہ سے ہر وقت بکنے والی کتابیں خرید کروں حساب اس کا بالکل الگ رکھوں اور سال گزرنے پر یا چھ ماہ گزرنے پر اس کا نفع حساب کر کے الگ کر کے نصف صاحب روپیہ کو دوں اور نصف خود لے لوں۔ اس مذکورہ صورت میں ربّ المال دس ہوں گے جو شریک اپنا روپیہ واپس لینا چاہے حساب کے وقت ۲ ماہ پہلے اطلاع کر دے وقت حساب مع نفع کے اس کا روپیہ واپس کر دوں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب

اگر چند آدمی شریک ہو کر مشترک رقم مضاربت کے لئے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس صورت میں یہ جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ایک شخص کا روپیہ مضارب درمیان میں ادا کر دے بلکہ سب شرکاء کی رضامندی شرط ہے وھذا کلہ من القواعد البتہ اگر ایسا کیا جاوے کہ ہر شخص کی رقم کی کتابیں جداگانہ رکھی جاویں تو پھر ہر شخص کا حساب الگ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ

احقر عبدالکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۴ سوال ۴۸ھ

معاملہ مضاربت اور قرض کی ایک ممنوع صورت

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر سے تجارت کرنے کے واسطے کچھ روپیہ لیا زید اس روپیہ سے گدّہ ریشم کا بنارس سے لاتا ہے۔ بنارس میں مقامی نرخ سے تقریباً ایک روپیہ ڈیڑھ روپیہ کفایت فی گدّہ ملتا ہے۔ یہی ایک روپیہ جو کفایت میں بچتا ہے۔ عمر کو بطور نفع تجارت دیتا ہے مگر آمد و رفت کا خرچہ اپنے ذمّہ اور مال کا صرفہ روپیہ والے کے ذمّہ کرتا ہے۔ کبھی تو

مال لاکر عمرو کے حوالے کر کے پھر اپنے یہاں لاتا ہے اور کبھی بغیر حوالہ کئے ہوئے اپنے گھر رکھ کر عمر کو خرید کی تفصیل ستا کر رجسٹر خریداری میں اس کے نام ایک روپیہ ڈیڑھ روپیہ فی گدّہ زیادہ کر کے لکھ دیتا ہے۔ گذارش یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔ اگر ناجائز ہو تو اس میں اصلاح فرما کر جائز صورت سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے کیونکہ یہ روپیہ زید نے یا تو قرض لیا ہے یا مضاربت کے طور پر لیا ہے۔ پس اگر قرض لیا ہے تب تو صریح سود ہے اور اگر مضاربت پر لیا ہے تو اس میں نفع کی تعین اور آمد و رفت کا کرایہ زید کے ذمّہ ہونا خلاف شرع ہے۔ پس یہ صورت بہر حال ممنوع ہے اور اس طرح سے نفع لینا دینا بالکل حرام ہے اور جواز کی ایک صورت ہو سکتی ہے جس میں اصل مقصود یعنی عمر کو نفع اور زید کو قرض حاصل ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ عمر اولاً زید کو اپنا وکیل بنا کر اور آمد و رفت کا کل خرچہ دے کر[ع] بنارس سے مال منگوا لے بعد ازاں مال پر قبضہ کرنے کے زید کے ہاتھ نفع سے فروخت کر دے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون ۲۹ ج ۱ سنہ ۵ھ

بدون تقسیم قاضی و رضامندی شرکاء اپنا حصّہ تصرف کے لئے متعین کرنا

سوال: مدرسہ عربیہ ایک زمانہ سے میرے زیر اہتمام قائم ہے۔ درس نظامی کی تعلیم اپنے اکابر کے طرز پر بحمد اللہ دی جاتی ہے چونکہ نیچریت اور بدعت کا یہاں شیوع ہے اس لئے اس کے بقاء کی بہت زیادہ فکر رہتی ہے مدرسہ جس عمارت میں ہے وہ ایک احاطہ دار وسیع مکان ہے جو کوٹھی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کوٹھی ایک مشترک سکنی و زرعی جائیداد ہے۔ بعض شرکاء نے اپنا حصّہ مدرسہ کے نام وقف کر دیا ہے۔ بعض نے بطیب خاطر اجازت دے دی ہے۔

ع اس خرچ میں اس جانے والے کی تنخواہ بھی ہونا لازم ہے ورنہ کام کرنا قرض کے دباؤ میں ہوگا اور اگر کسی دوسرے آدمی سے منگا کر زید کے ہاتھ فروخت کریں تو پھر اس جانے والے کو اختیار ہے کہ چاہے مفت لاوے چاہے معاوضہ لے کر ۱۲ منہ

بعض ایسے ہیں کہ اجازت نہیں دیتے بلکہ قیام مدرسہ سے ناراض ہیں. ان کی اجازت کی کوئی صورت نہیں. وکلاء سے تقسیم کے متعلق مشورہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ اراضی چونکہ ایک نمبر میں واقع ہے. اس لئے ضابطہ کا بٹوارہ نہیں ہوسکتا. خانگی بٹوارہ اس لئے ممکن نہیں. شرکاء باہم رضامند نہیں اور عدالتی بٹوارہ قانوناً ممتنع ہے. ایسی صورت میں مدرسہ اپنے طور پر تقسیم کرکے اپنے حصّہ پر قابض ومتصرف ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حقیقی تقسیم تو جب ہوگی جبکہ سب شرکاء راضی ہوں یا قاضی وغیرہ تقسیم کردے لیکن بدون تقسیم حقیقی اپنے حصّہ کو تصرف کے لئے معین کرلینا صورت مذکورہ میں جائز ہے۔

کما فی رد المحتار: مانصّہ: اقول ذکر فی العمادیۃ فی الفصل الرابع والثلثین لکل واحد من الشرکاء ان یسکن فی بعض الدار بقدر حصّتہ اھ وافتی بمثلہ فی الحامدیہ (شامی ص ۲۵۵ ج ۵) وذکر العلامۃ الشامی تحت قول الدر دار او حانوت بین اثنین لا یمکن قسمتھا تشاجرا فیہ فقال احدھما لا اکری ولا انتفع وقال الآخر اکری ذلک أمر القاضی بالمھایاۃ الخ قلت فعلم منہ أنہ إن لم یرفع الأمر الی القاضی بعد التشاجر وسکن احدھما بقدر حصتہ یجوز وان لم یرض شریکہ کما لا یخفی وفی الباب التاسع والعشرین من کراھیۃ العالمگیریۃ ص ۲۴۵ ج ۶) مایؤیدہ إن شئت فانظر ثمہ. واللہ اعلم بالصواب.

کتبہ الاحقر
عبدالکریم عفی عنہ
از تھانہ بھون ۵ ذی القعدہ ۵۱ھ

شرکت میں متوفی شریک پر الزام خیانت کی ایک صورت

سوال: زید نے عمر سے مضاربت کرکے پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے دئے اس شرط پر کہ نفع میں دونوں نصفا نصف کے شریک ہوں گے. عمر نے ایک سال تک تجارت کرکے حساب کرنے کے وقت یہ کہہ دیا کہ دوکان میں مال بجائے پانچ سو کے ایک ہزار کا موجود ہے یعنی پانچ سو کا مال نفع میں ہے از روئے معاہدہ اس مال نفع میں سے ڈھائی سو ربّ المال کے ہوئے